مشائخ سلسلہ فردوسیہ کا قدیم ترین و مستند تذکرہ
مناقبُ الاَصفیاء
تالیف
حضرت مخدوم شاہ شعیب فردوسی رحمۃ اللہ علیہ
ترجمہ
الحاج مولانا ڈاکٹر محمد علی ارشد شرفی مدظلہ
مکتبۂ شرف بیت الشرف، خانقاہ معظم
بہار شریف (نالندہ)

مشائخ سلسلہ فردوسیہ کا قدیم ترین و مستند تذکرہ

مناقب الاصفیاء

تالیف

حضرت مخدوم شاہ شعیب فردوسی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ

الحاج مولانا ڈاکٹر محمد علی ارشد شرفی مدظلہ

مکتبۂ شرف بیت الشرف، خانقاہ معظم
بہار شریف (نالندہ)

مطبوعات مکتبۂ شرف۔ بیت الشرف نمبر ۔۴۳

نام کتاب: مناقب الاصفیاء

تالیف : مخدوم عالم پناہ شیخ الاسلام حضرت شاہ شعیب فردوسی

مترجم : الحاج مولانا ڈاکٹر محمد علی ارشد شرفی مدظلہ

ناشر : مکتبۂ شرف۔ بیت الشرف

خانقاہ معظم، بہار شریف، نالندہ (بہار) ۔ 803101

فون نمبر : 06112-23465, 23040 , 20542

ملنے کے دیگر پتے :

☆ بال بہار اکیڈمی، گلزار ابراہیم، بھینساسور، بہار شریف، نالندہ (بہار) ۔ 803101

☆ خانقاہ فردوسیہ نمبر۔ 18، رپن اسٹریٹ، کلکتہ۔ 14

☆ دار الاشاعت اسلامیہ نمبر۔ 78، کولوٹولہ اسٹریٹ، کلکتہ۔ 73

☆ پرویز بک ہاؤس، سبزی باغ، پٹنہ۔ 4

اشاعت:

طبع اول ۲۰۰۱ء (2001ء) تعداد ۱۰۰۰ (ایک ہزار)

قیمت : -/140 روپے

کمپوزنگ: حروف اختر پرنٹرس، نئی دہلی۔ فون نمبر : 727 3585

مطبع : محبوب پریس، دہلی۔ فون نمبر : 3286079

فہرست مضامین

اِنتسَاب

امید نجات کے ساتھ اس کتاب کو اُس وقت خاص کی نذر کرتا ہوں جس وقت حضرت یحی عمار کی زبان مبارک سے اللّٰہ کی حمد و ثنا سنکر اللّٰہ کے ایک دوست کا دل خوش ہو گیا اور وہی خوشی حضرت یحی عمار کے لیے وجہ نجات بنی۔

(مترجم)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ عَدَدَ خَلْقِکَ وَ رِضَاءَ
نَفْسِکَ وَ زِنَۃَ عَرْشِکَ وَمِدَادَ کَلِمَاتِکَ

مقام شکر ہے کہ مخدوم عالمپناہ حضرت شاہ شعیب فردوسی قدس سرہ کی تالیف مناقب الاصفیا کا اردو ترجمہ پیش کرنے کی سعادت نصیب ہو رہی ہے۔ اس کتاب کا ترجمہ چھتیس سال پہلے دار الرشاد جہانند پور سے شائع ہوا تھا۔ جواب دستیاب نہیں اور اگر دستیاب بھی ہو تو اس کی زبان عصر حاضر کے قاری کی تشنگی بجھانے کے لئے کافی نہیں۔ اس کتاب کا دوسرا ترجمہ ہمارے عم معظم ڈاکٹر پروفیسر سید شاہ محمد نعیم ندوی فردوسی القادری علیہ رحمت نے پاکستان میں کیا تھا لیکن وہ ترجمہ منتظر طباعت ہی رہ گیا اور معلوم نہیں کہ اب وہ کس کی ملکیت میں ہے اور کہاں ہے؟ عرصہ سے دل چاہ رہا تھا کہ اس کتاب کا ترجمہ نئے انداز اور موجودہ طرز اسلوب میں کیا جاتا۔ ابھی دل کی یہ خواہش دل ہی میں تھی کہ ایک روز بزرگ محترم سید احمد شعیبی صاحب زاد اللہ عمانہ (جو لندن میں مقیم ہیں) سے خانقاہ میں ملاقات ہوئی انہوں نے اس کتاب کے اردو ترجمہ کی فرمائش کی اور اس انداز میں اپنی خواہش پیش کی کہ جس سے ان کی دلی تمنا اور تڑپ کا اظہار ہو رہا تھا۔ اس فقیر مترجم نے ان سے وعدہ کیا کہ انشاء اللہ آپ کی خواہش کی تکمیل کی جائے گی۔ انہیں کی یہ تحریک کام آئی اور ان کی خواہش و فرمائش پر ترجمہ مکمل ہو گیا۔ ترجمہ کیسا ہے یہ تو ارباب علم و فن جانیں، میں تو اس پر شکر گزار ہوں کہ کسی کی خواہش نے مجھے خیر میں لگائے رکھا۔

مناقب الاصفیا وہ واحد کتاب ہے جو سلسلۂ فردوسیہ کے مشائخ کا مربوط تذکرہ ہے۔ اس سلسلۂ عالیہ کے تذکرہ میں اس نہج کی کوئی دوسری کتاب اب تک نظر سے نہیں گزری۔

اس کتاب میں نبی اکرم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے لے کر شیخ المشائخ حضرت مولانا مظفر شمس بلخی قدس اللہ سرہ تک پیران شجرہ کی تاریخ ولادت، مقام پیدائش، وفات، دور کشف و کرامات ہی کا تذکرہ نہیں ہے بلکہ یہ کتاب مشائخ کے احوال و کیفیات، نسبت، واخذ نسبت، رشد و ہدایت، تصوف و عرفاں کے علاوہ سلسلہ فردوسیہ کے مشرب و مسلک پر بھر پور روشنی ڈالتی ہے۔ حضرت مولف نے اس سلسلہ کی روش اور اس کے عقیدہ پر مبسوط مقدمہ تحریر فرما کر یہ ثابت کر دیا ہے کہ اس سلسلہ کا اپنا ایک الگ رنگ ہی ہے۔

اس کتاب میں کیا کچھ نہیں ہے، ہجرت نبوی کی دس سالہ تاریخ بھی ہے اہل بیت رسالت سے محبت کا سبق بھی، حضور ﷺ کی والدہ ماجدہ کی مغفرت پر سیر حاصل بحث بھی ہے امام عالی مقام کی شہادت کی حقیقت بھی، شفقت علی الخلق کا صلہ بھی ہے حسن اخلاق کا ثمرہ بھی، ذکر کی حقیقت بھی ہے تقرب الی اللہ کی ہیبت بھی، خیر و شر کی تفریق بھی ہے عاقل و غیر عاقل کی تمیز بھی، نگاہوں کی کیمیا گری بھی ہے نظام شب بیداری بھی، دل نوازی کا سلیقہ بھی ہے تمدکا تازیانہ بھی، مشائخ کے حسب مراتب القاب بھی ہیں اہل دنیا، اہل دین اور مخصوصین کے آداب بھی، مستند کتابوں کے اقتباسات بھی ہیں اور پیران سلسلہ کے کلمات و ارشادات بھی، آیات قرآنی کی رعنائی بھی ہے احادیث کی زیبائی بھی، ان سب کے علاوہ تذکرہ ہوتے ہوئے بھی پوری کتاب "مشاہدہ جمال دوست" کی لذت آفرینی کو محیط ہے اور اسی محور پر گھومتی نظر آتی ہے۔

یہ کتاب نہ صرف معنوی خوبیوں پر مشتمل ہے بلکہ لفظی محاسن سے بھی مملو ہے۔ اس کتاب میں لفظوں کے صحیح تلفظ اور لغوی معانی کو بھی بتایا گیا ہے مثلاً

(۱) حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ آپ کو باقر اس لئے کہا جاتا ہے کہ 'باقر' لغت میں پھاڑنے والے کو کہتے ہیں چونکہ آپ نے علم کی موشگافی کی اس کے اصول کی معرفت اور اس کے اسرار و رموز تک رسائی حاصل کی اسی لئے آپ کو باقر کہا جاتا ہے۔

(۲) حضرت امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ کو کاظم کیوں کہا جاتا اس سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ آپ ظالموں کے ظلم کو برداشت کرتے۔ ان سے ہرگز بدلہ نہیں لیتے، غصہ کو پی جاتے

اسی لئے لوگ آپ کو کاظم کہتے۔ کظم کا لغوی معنی غصہ پینا ہے۔

(۳) امام علی رضا رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ آپ کو رضا اس لئے کہا جاتا کہ آپ ہر وقت اللہ کی رضا میں مستغرق رہتے۔ زمانہ کے مصائب و آلام کو اپنی حق بین نظر سے شہد و شکر سمجھتے۔

(۴) حضرت خواجہ سری سقطی کو سقطی اس لئے کہا جاتا کہ ابتدائے زندگی میں بغداد کے بازار میں سقط فروشی کرتے' اور سقط ردی سامان کو کہتے ہیں۔ یعنی ردی سامان فراحت کرتے تھے۔

(۵) حضرت ممشاد دینوریؒ کے تذکرہ میں ممشاد کا تلفظ اس طرح بتاتے ہیں کہ پہلی میم کو زیر اور دوسری میم ساکن ہے۔

(۶) حضرت خواجہ محمد بن عبداللہ المعروف عموبہ کے تذکرہ میں عموبہ کی تحقیق لفظی یوں کرتے ہیں۔

عموبہ کا تلفظ علوبہ کے وزن پر مشہور ہے اور حضرت شیخ الاسلام والمسلمین شیخ حسین معز شمس بلخی اعظم قدرہ کے مریدوں کے درمیان یہی مشہور ہے اور عوارف کے نسخہ میں جو سید السادات سید ظہیر الدین مرحوم کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے اور جن پر لوگوں کو اعتماد و بھروسہ ہے اس میں عموبہ ہے یعنی عین کو زبر میم کو پیش اور واؤ ساکن ب کو زبر اور ہ ساکن کے ساتھ ہے۔ فتاوی صوفیہ میں میم کو تخفیف اور واؤ ساکن کے ساتھ ہے۔ اور یہ دونوں صحیح ہے کسی کو ترجیح نہیں دی گئی ہے۔

(۷) ابوا کا جہاں ذکر کرتے ہیں وہاں پر ابوا کا تلفظ بھی تحریر فرما دیتے ہیں کہ ابوا میں ہمزہ یعنی پہلی الف کو زیر اور ب ساکن ہے۔

(۸) حضور نبی کریم ﷺ کے اسمائے گرامی کی تفصیل میں آپ کا ایک نام مقفی بھی لکھا ہے اور اس کے متعلق لکھا ہے کہ مقفی کی ف کو زیر ہے اور یہ باب تفعیل کا اسم فاعل ہے۔

اس کتاب کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں اکثر جگہ ہندی اور سنسکرت کے الفاظ ملتے ہیں جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آٹھویں صدی ہجری میں ہندی و سنسکرت کے یہ الفاظ فارسی

دنیا میں متعارف تھے اور حضرت مولفؒ ان الفاظ کے برمحل استعمال سے آشنا تھے۔ نمونتاً چند الفاظ ملاحظہ فرمائیں۔

ڈولہ۔ کھڑکی۔ دو چھپری۔ گرو۔ سدھا۔ جوگی۔ کرتار روپ۔

اس کتاب سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت مؤلف کا مزاج محققانہ تھا۔ کسی بات کو آسانی سے قبول نہیں کرتے۔ جب تک تحقیق نہیں کر لیتے صحیح اور مستند نہیں مانتے جیسا کہ تحریر فرماتے ہیں:

> حضرت رسول خدا ﷺ کی ولادت، ہجرت اور وفات کی تاریخ میں مورخوں کا بہت اختلاف ہے۔ اور مختلف روایتیں ملتی ہیں یہاں پر صحیح روایت کو ترجیح دی ہے۔ اور دوسری روایتوں کو چھوڑ دیا ہے۔ تا کہ طوالت سے بچ جائے۔ اور جہاں پر صحیح و مستند روایت نہیں ملی وہاں پر ضرورتاً روایت و اقوال کے اختلاف کا ذکر کر دیا ہے اور مشائخ کرام کی جائے پیدائش، تاریخ وفات قیامگاہ اور ان کے ظاہری معاملات کی ابتدا و انتہا سے متعلق تلاش و تحقیق کے بعد جو کچھ دریافت کر سکا اس کو یہاں تحریر کر دیا ہے۔

اختلافی مسائل پر محاکمہ کا انداز بھی خوب ہے۔ ملاحظہ فرمائیں حضور نبی اکرم ﷺ کی والدہ ماجدہ کی مغفرت کا مضمون (ص اور حضرت رکن الدین فردوسیؒ کے مکتوب سے متعلق حضرت مؤلفؒ کا استدلال

تذکرہ ہوتے ہوئے بھی پوری کتاب سلسلۂ فردوسیہ کی تعلیمات کا نچوڑ ہے۔ اس کتاب کے بیشتر صفحات قرآن کریم کی آیات اور نبی کریم ﷺ کی احادیث سے مزین ہیں۔ اور راقم الحروف یہ کہنے میں حق بجانب ہے کہ یہ کتاب سلسلۂ فردوسیہ سے منسلک اور وابستہ ہر مرید و معتقد کے پاس رہنا ضروری ہے۔ بلکہ ضرورت تو اس بات کی ہے کہ سلسلۂ فردوسیہ کی تمام خانقاہوں میں حضرت مؤلفؒ کا تحریر کردہ مقدمہ لفظاً لفظاً پڑھایا جائے اور اس کا درس دیا جائے تا کہ فردوسی مشرب و مسلک سے واقفیت ہو اور یہی رنگ سب رنگوں پر غالب آ جائے۔

کچھ ترجمہ کے بارے میں — ترجمہ سے متعلق اتنا عرض کر دوں کہ مترجم نے مطبوعہ اور مخطوطے دونوں طرح کے نسخوں کو سامنے رکھ کر ترجمہ کیا ہے۔ مطبوعہ میں کہیں کہیں جملے چھوٹے

ہوئے ہیں کہیں طویل عبارت غائب ہے کہیں ایک صفحہ کی عبارت کسی دوسرے صفحہ پر چھپ گئی ہے جس سے مضمون خلط ملط ہو کر رہ گیا ہے۔ ان سب کو مخطوطہ سے ملا کر اور صحیح کر کے ترجمہ کیا گیا ہے۔

اصل کتاب میں عنوان نہیں ہے۔ مترجم نے ہر مضمون سے مطابقت رکھتے ہوئے مناسب وموزوں عنوان لگایا ہے اور اس میں کتنی محنت لگی ہے اس کا فیصلہ خود قاری کریں گے۔

اصل کتاب میں کوئی فہرست بھی نہیں ہے۔ راقم نے طویل فہرست ترتیب دے کر اس کی افادیت میں اضافہ کر دیا ہے۔

جگہ جگہ تحقیقی نوٹ' حوالے اور اصطلاحات کی تشریح بھی شامل ہے۔

کتاب کے آخر میں اعلام' اماکن' کتب' کی فہرست اور اس کتاب میں جو عربی و فارسی اشعار آئے ہیں ان کو یکجا کر کے پیش کر دیا گیا ہے تاکہ تحقیقی کام کرنے والوں کے لئے مواد حاصل ہو۔

مترجم کو اس بات کا اعتراف ہے کہ ترجمہ میں غلطیوں اور کوتاہیوں کی کمی نہیں۔ اس لئے کہ ترجمہ کا کام ملازمت کی قیدو بند اور دنیاوی مشاغل کی الجھنوں میں رہ کر کیا گیا ہے۔ ترجمہ سے لے کر مسودہ کے مبیض تک کا معاملہ تنہا شخص واحد کو انجام دینا پڑتا ہے۔

تائید غیبی اور بزرگوں کا فیضان مدد و معاون نہ ہوتو اس طرح کا کام اس فقیر سے انجام پانا ممکن نہیں تھا۔ اس فقیر کا تو یہ حال ہے کہ جب کوئی کتاب منظر عام پر آتی ہے تو اس وقت سکوت سخن شناس اور تحسین ناشناس سے خائف رہتا ہوں۔

آخر میں عزیز والا شان زیب سجادہ مخدوم جہاں حضرت جناب حضور سید شاہ محمد سیف الدین فردوسی صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں نذرانہ تشکر پیش کرنا اپنی نیک بختی سمجھتا ہوں جن کی بارگاہ کی غلامی کا طوق آبائی طور پر گردن میں ہے اور جن کی ہمت افزائی میرے حوصلہ کو بڑھاتی رہی ان کے لئے یہی دعا ہے:

همائے اوج شاهیں شهپرت را دلِ شاهانِ عالم زیر پر باد
بجاں مشتاق روئے تست حافظ ترا بر حال مشتاقاں نظر باد

عزیز از جان مجلّی اریکہ مخدوم منعم پاکؒ باعث تسکین غلامانِ بارگاہِ منعمی سید شاہ شمیم الدین منعمی طال اللہ عمرہ کی خدمت میں بھی ہدیۂ تشکر پیش کرتا ہوں جنہوں نے اس کتاب پر کارآمد، مفید اور طویل مناقب الاصفیا — حاصل مطالعہ لکھ کر میرے تھکتے ہوئے قلم کو طاقت بخشی۔

اللہ تعالیٰ پیروں کے صدقہ میں عزیز محترم کی علمی و روحانی صلاحیتوں سے امت مسلمہ کو زیادہ سے زیادہ مستفیض فرمائے

جمالت آفتاب ہر نظر باد — زخوبی روئے خوبت خوبتر باد

مرا از تست ہر دم تازہ عشقے — ترا ہر ساعتے حسن دگر باد

گل گلزار ابراہیمؒ نورِ نگاہ حضرت شاہ قسیمؒ برادر عزیز سید شاہ عابد علی فردوسی مدعمرہ کے لئے دل سے دعائیں نکلتی ہیں جنہوں نے دیدہ ریزی اور جانفشانی سے اعلام، اماکن، کتب کی تہجی وار فہرست تیار کی، عربی اور فارسی کے اشعار ردیف وار جمع کئے، اور آیات قرآنی، احادیث نبوی، عربی اقوال کو یکجا کر کے اس کتاب کی افادیت میں اضافہ کیا۔ اللہ تعالیٰ انہیں تسکین و طمانیت قلب عطا فرمائے تاکہ علمی کاموں میں ہاتھ بٹاتے رہیں۔

ازمن واز جملہ جہاں آمین باد

اس کتاب کے ترجمہ، کمپوزنگ، طباعت اور اشاعت کے مراحل میں جن لوگوں نے اپنے مفید مشوروں سے نوازا اور اپنی خدمات پیش کیں ان سب کے لیے حسن عاقبت کی دعا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب نبی کریم ﷺ اور جمیع پیران سلسلہ کے وسیلہ سے قبول فرمائیں۔

والسلام

مترجم

محمد علی ارشد شرفی

جاروب کش آستانہ حضرت مخدوم حسین نوشہ توحید بلخی فردوسی قدس سرہٗ

(خانقاہ معظم، بہار شریف)

مناقب الاصفیاء - حاصل مطالعہ

ہندوستان میں صوفیائے کرام کے باضابطہ تذکرے کی تاریخ اب تک کی تحقیق کے مطابق سیر الاولیاء سے شروع ہوتی ہے جسے سید محمد مبارک علوی کرمانی المعروف بہ امیر خورد کرمانی نے فارسی میں ۷۶۱ھ سے ۷۹۰ھ کے درمیان ترتیب دیا تھا۔ سیر الاولیاء سے جمالی کی سیر العارفین تک تذکرہ صوفیاء کا سفر مناقب الاصفیاء کا ذکر کیے بغیر ادھورا اور ناقص ہے۔ سیر الاولیاء کی شہرت دور پہنچا چونکہ پنی جگہ لیکن مناقب الاصفیاء بھی اپنی خوبیوں کے اعتبار سے کسی طرح بھی سیر الاولیاء سے کمتر نہیں ہے۔ اگر سیر الاولیاء سلسلہ چشتیہ کے مشائخ کے احوال وکوائف کا احاطہ کرتی ہے تو مناقب الاصفیاء سلسلہ فردوسیہ وکبرویہ وسہروردیہ کے عالی مرتبت مشائخ کے تذکرے کا حق ادا کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔ اگر سیر الاولیاء میں سلسلہ عالیہ چشتیہ کے اکابر کے افکار وخیالات اور تعلیمات وملفوظات کو بڑی خوبی کے ساتھ مرتب فرمایا گیا ہے تو مناقب الاصفیاء میں سلسلہ فردوسیہ کے مشائخ کرام کی گراں قدر تعلیمات اور بیش قیمت افکار وخیالات کو بڑی چابکدستی کے ساتھ برمحل پیش کیا گیا ہے۔

مصنف سیر الاولیاء کی وفات کو مشکل سے ستر بچہتر سال گذرے ہوں گے کہ دہلی سے کم وبیش گیارہ سو کیلومیٹر دور صوبہ بہار میں سیر الاولیاء کے نشان راہ پر چل کر ایک اب تذکرہ وجود میں آگیا جس نے نہ صرف یہ کہ تذکرہ نگاری کی راہ میں ایک سنگ میل قائم کر دیا بلکہ اپنے بعد اس فن میں داخل ہونے والوں کے لئے ایک بہترین اور لائق تقلید مثال بھی قائم کر دی۔

مشائخ صوفیا کے تذکرے کا جو سفر سیر الاولیاء سے شروع ہوا وہ کم وبیش پچہتر برسوں کے اندر مناقب الاصفیاء میں کس منزل تک جا پہنچا اس کو سمجھنے کے لئے دونوں تذکروں کو آمنے سامنے رکھ کر دیکھنے کی ضرورت ہے۔

سیر الاولیاء میں تذکرہ نگاری کا مرکز حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء (م ۷۲۵ھ) کی ذات والا صفات ہے اور مناقب الاصفیاء میں تذکرہ نگاری کا مرکز حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحیٰی منیری (م ۷۸۲ھ) کی ذات بابرکات ہے، لیکن اس پس منظر میں دونوں ہی تذکرہ

نگاروں نے اپنے اپنے سلسلے کے پیران شجرہ کے حالات کو پیش کیا ہے، مگر سیر الاولیا کے مقابلے میں صاحب مناقب الاصفیاء نے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اور حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کا ذکر محض ضمناً اور تبرکاً نہیں کیا ہے بلکہ اپنے شجرے کی ابتدا کے مطابق حضور سید کل رحمت عالم ﷺ اور حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے مختصر لیکن جامع تذکرے سے مناقب کا آغاز فرمایا ہے۔ ایک مرید یا مسترشد جو اپنے سلسلے کے جملہ پیران عظام یا مشائخ کرام سے واقفیت حاصل کرنا چاہتا ہو، اسے سیرۃ نبوی ﷺ اور سیرت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جاننے کے لئے دوسری کتابوں کے بھروسے چھوڑ دیا جائے تو میرے خیال میں یہ ایک اچھی اور صحت مند کوشش نہیں ہوگی۔ اس لحاظ سے صاحب مناقب الاصفیاء نے اپنے سلسلے کے مریدین کے لئے شجرے کے تمام اسمائے گرامی پر معلومات فراہم کر کے صاحب سیر الاولیاء سے زیادہ مفید قدم اٹھایا ہے۔ مزید یہ کہ سیرت نبوی ﷺ اور سیرت حضرت علی پر مناقب الاصفیاء میں جو اطلاعات بہم پہنچائی گئی ہیں وہ محض رسمی نہ ہو کر بڑی معلومات افزا اور تقریباً تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ بلکہ سچ پوچھیے تو ان دونوں موضوعات پر مناقب الاصفیاء میں جو مواد موجود ہے وہ بڑی بڑی کتابوں کی ورق گردانی اور ان پر دیدہ ریزی سے بے نیاز کردینے والا ہے جزاک اللہ تعالیٰ خیر الجزاء !

سلسلۂ فردوسیہ کا شجرہ حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ ولی تراش سے اوپر بعینہ سلسلہ کبرویہ کا شجرہ ہے اور حضرت ضیاء الدین ابو نجیب سہروردی سے اوپر بعینہ سلسلہ سہروردیہ کا شجرہ ہے اور حضرت جنید بغدادی سے اوپر بعینہ سلسلہ قادریہ کا شجرہ ہے۔ اس لئے مناقب الاصفیاء وہ قیمتی اور قدیم فارسی تذکرہ ہے جو نہ صرف سلسلۂ فردوسیہ کے مشائخ کا احاطہ کرتا ہے بلکہ سلاسل کبرویہ، سہروردیہ و قادریہ کے اکابر مشائخ کے احوال و کوائف کا بھی ترجمان ہے، نیز حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی سے مستفید الصمت سلاسل کے لئے یکساں طور پر مفید و کارآمد ہے۔

عام طور پر ایسا دیکھا جاتا ہے کہ صاحب تذکرہ، معاصرین بزرگوں یا قریب العہد شخصیتوں کے حالات کے ساتھ ساتھ، اگر قدیم بزرگوں کے حالات بھی لکھ رہا ہے تو وہ ان قدیم بزرگوں کے تذکرے کے ساتھ انصاف نہیں کر پاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان تذکروں میں وہی حصہ اہمیت کا حامل ہوتا ہے جو مصنف کے قریب العہد شخصیتوں سے متعلق ہوتا ہے۔ بقیہ تذکرے صرف زیب داستاں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ لیکن مناقب الاصفیاء میں سلسلۂ فردوسیہ کے جملہ مشائخ کے حالات قلم بند کرنے میں افراط و

تذکرہ نظر نہیں آتی بلکہ سبھی کے سوانح حیات اور ملفوظات کو جمع کرنے کی کوشش تذکرہ نگار نے یکساں طور پر کی ہے اور سبھی کے حالات کو حتی الوسع جمع فرمایا ہے۔

مناقب الاصفیاء کی ایک نمایاں خوبی یہ بھی ہے کہ اس کے مصنف کو جس شخصیت کے احوال یا افکار وخیالات سے متعلق اختلاف رائے کا علم ہوا ہے تو اسے پوری ایمان داری کے ساتھ پیش کیا ہے اور اس پر طرفین کے خیالات کو نقل کر کے منصفانہ بحث کی بھی کوشش کی ہے۔

مناقب الاصفیاء نہ صرف فردوسی سلسلے کے وابستگان کو ان کے مشائخ سلسلہ سے واقف کرانے کی غرض سے لکھی گئی ہے بلکہ یہ غایت مقصد وکوشش بھی ہے کہ سلسلۂ فردوسیہ کے مزاج وآہنگ کی بھی وضاحت ہو جائے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے اس کے مؤلف کی گراں قدر شخصیت سامنے آتی ہے، جو نہ صرف تذکرہ نگار ہے بلکہ سلسلۂ فردوسیہ کے فیوض وبرکات اور مزاج وآہنگ کا بھی اچھا پارکھی ہے اور اپنے مقام ومرتبے سے نزول کرتے ہوئے متوسط درجے کے مریدین کی ذہنی واعتقادی تربیت کے لئے اس نے اپنا قلم اٹھایا ہے۔

مناقب الاصفیاء کا فارسی متن

مناقب الاصفیاء کا فارسی متن پہلی بار مطبع نور الآفاق کلکتہ سے طبع ہوا تھا لیکن اس کے متن کی تحقیق اور موجود خطی نسخوں سے تطابق کا کام ہنوز باقی ہے۔ ایک اطلاع کے مطابق اس کا سب سے قدیم خطی نسخہ (سنہ کتابت ۱۱۳۸ھ) خانقاہ طیبہ رائے پورہ، فتوحہ، پٹنہ کے کتب خانے میں موجود ہے۔ بقیہ جتنے نسخے پائے جاتے ہیں سب بعد کے ہیں۔ مناقب الاصفیاء کا پہلا اردو ترجمہ مولانا سید شاہ ابو صالح محمد یونس شعیبی فردوسی صاحب نے کیا تھا جسے دو جلدوں میں مکتبہ دار الشاد مہندر پور، دیپ نگر ضلع پٹنہ (موجودہ نالندہ) نے ۱۳۸۳ھ میں شائع کیا تھا۔ اب یہ بھی نایاب ہے۔

مناقب الاصفیاء کے خطی نسخوں میں فرق متن کا ایک اندازہ مکتوبات صدی مطبوعہ ۱۲۸۷ھ سے ہوتا ہے جسے مولوی محمد اکرم صاحب آروی کی فرمائش پر مطبع علوی لکھنؤ نے چھاپا تھا۔ اس طباعت کے اختتام میں مناقب الاصفیاء کا حضرت مخدوم جہاں کے حالات پر مشتمل حصہ بھی شامل کر دیا گیا ہے تاکہ مکتوبات کے قارئین صاحب مکتوبات کے حالات سے بھی واقف ہو جائیں۔ اسی مشمولہ اقتباس میں

مناقب الاصفیاء کی مندرجہ ذیل عبارت پر جو حضرت مخدوم جہاں کی تعلیمی سرگرمی اور ازدواجی زندگی سے متعلق ہے، حاشیہ ثبت کیا گیا ہے۔

"در آنچه در سنار گانوں در علم مشغول بود مرض حادث شده بود اطبائے آں مقام گفتند دوائے ایں مرض جماع است برائے دفع مرض کنیز کی[1] داشت ازاں کنیزک یک پسر شد"

ایک دوسرا اختلاف متن جو سرسری مطالعہ میں سامنے آیا وہ مناقب الاصفیاء کے پہلے مطبوعہ اردو ترجمے کو سامنے رکھنے پر واضح ہوتا ہے۔ مطبوعہ فارسی متن اور مطبوعہ پہلے اردو ترجمے کا وہ حصہ جہاں شیخ عز کاکوی اور شیخ احمد بہاری کا ذکر ہوا ہے ملاحظہ ہو

"ایں هر دو بزرگاں در عهد دولت سلطاں فیروز در دهلی رفتند در توحید سخنهای مزاج و شطح گفتند علمای دهلی بر سلطان فیروز گفتند که این هر دوسخنهای میگویند که شایاں کشتنی شده اند سلطان محضر ساخت همه اکابر شهر جمع کرد همه اجماع کردند آں هر دو بزرگانرا کشتند شهری همچوں دهلی مجمع مشایخ و علما و فضلا و باد شاهی چوں سلطان فیروز معتقد درویشاں کسی را ایں مقدار نشد که این هر دو بعد گ را به بهانه دیوانگی هم رها کنانیدی" ص:۱۳۰

ان ہی دونوں کے ساتھ یہ بھی ہوا کہ یہ لوگ شہر دہلی گئے وہ سلطان فیروز کا زمانہ تھا۔ دہلی میں ان دونوں بزرگوں نے توحید میں تفصیل سے باتیں شروع کر دیں اور

---

[1] "در اکثر نسخه مناقب الاصفیاء چنیں مرقوم است که (استاد حضرت مخدوم کنیز کی داشت آنرا بنکاح مخدوم در داد وار کنیزک مذکور فرزندے مولد خواهد شد که نامش تقی الدین کرد) در بعضی نسخه چنیں مرقوم ست که (چوں حضرت مخدوم بشرف خدمت شیخ خود حضرت مو تمه تحصیل علوم فارغ شد از حضرت اوستاد اشارتے بنکاحش از دختر خود شاں شد و حضرت مخدوم از فرط شوق تکمیل علم ظاهر و باطن انکار کرد تا آنکه بمرضی مبتلا شد که بایمای اطباء علاجش جز نکاح نبود لهذا با دختر اوستاد کد خدا شد و فرزندی ازاں متولد شد نامش تقی الدین کرده سپرد والده ماجده خویش فرمود)"

شطحیات بولنے لگے علمائے دہلی نے سلطان فیروز سے شکایت کی اور کہا کہ یہ دونوں
یہی گفتگو کرتے ہیں کہ اس کی وجہ سے رتی قتل ہو گئے ہیں۔ سلطان نے محضر طلب کیا تمام
اکابرین شہر کو جمع کیا تمام لوگوں نے اجماع کیا اور یہ دونوں بزرگوار قتل کر دیئے گئے مونس
القلوب میں ہے دونوں بزرگوں کے قتل کے بعد شاہ نے دہلی دروازے پر لکھ دینے کا حکم
دیا کہ احمد بہاری اور عز کا کوی جو خدائی کا دعوی کرتے تھے ہماری بارگاہ جہاں پناہ میں سزا
کو پہونچے دہلی ایسا شہر مشائخین، علما اور فضلا کی کثرت، سلطان فیروز جیسا درویشوں کا
معتقد بادشاہ لیکن کسی سے یہ نہ ہو سکا کہ ان دونوں بزرگوار کو دیوانگی کا بہانہ کر کے رہا کر
دیا" ص:۱۰۴

اس ترجمے سے اندازہ ہوتا ہے کہ مترجم (ابو صالح محمد یونس شعیبی) کے سامنے جو نسخہ تھا اس میں
مونس القلوب (ملفوظات حضرت احمد لنگر دریا بلخی م ۸۹۱ھ) کی عبارت بھی درج متن تھی جب کہ
مطبوعہ فارسی متن اور اس کے قریب وجد کے خطی نسخوں میں وہ عبارت نہیں ملتی۔

صاحب مناقب الاصفیاء اور زمانہ تالیف

مناقب الاصفیاء میں مصنف نے نہ تو اپنا نام ہی کہیں درج کیا ہے اور نہ کوئی ایسا واقعہ یا واضح رشتہ
بیان کیا ہے جس سے مصنف کا تعارف ہو سکے لیکن یہ زبان زد خاص و عام ہے کہ مناقب الاصفیاء کے
مصنف حضرت مخدوم شاہ شعیب بن جلال منیری ثم شیخپوروی (م ۸۲۴ھ) ہیں۔ حضرت مخدوم جہاں
کے دادا حضرت شیخ اسرائیل اور حضرت مخدوم شعیب کے دادا شیخ عبدالعزیز دونوں حضرت امام محمد تاج فقیہ
کے صاجزادے تھے۔

۱۔ تلاش مصنف میں مناقب الاصفیاء میں داخلی شہادت کی جستجو کرتے ہوئے باتیں ابھر
آتی ہیں وہ اس طرح ہیں :-

(الف) مصنف نے کہیں بھی حضرت مخدوم جہاں (م ۷۸۲ھ) کے حیات میں ان کے دیدار سے
مشرف ہونے کا دعویٰ نہیں کیا ہے بلکہ حضرت مخدوم جہاں کی حیات طیبہ سے متعلق روایات کو
مندرجہ ذیل حوالوں سے نقل کیا ہے۔

"از راویان حکایت سماعت"، "نیز سماع است"، "القصہ"، "از کاملان دانندہ شنیدہ شدہ است"، "نقل است"۔

(ب) مصنف نے کہیں بھی حضرت مولانا مظفر بلخیؒ (م ۸۰۳ھ) کی حیات میں ان کے شرف دیدار سے مشرف ہونے کا بھی دعویٰ نہیں کیا ہے بلکہ ان کے احوال سے متعلق تذکرہ بھی اس حوالے سے کیا ہے، جس حوالے سے حضرت مخدوم جہاں کے حالات نقل کیے ہیں۔

(ج) مصنف نے حضرت مخدوم حسین بن معز نوشہ توحیدی بلخیؒ جن کے زمانہ حیات میں مناقب الاصفیاء کی تالیف کا آغاز ہونا طے ہے، سے بھی کوئی واقعہ یا اقوال بذات خود نقل نہیں کیا ہے بلکہ "سماع است" کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ یا پھر ان کے ملفوظات و مکتوبات سے نقل کیا ہے۔

(د) مصنف حضرت مخدوم حسن دائم جشن بلخیؒ (م ۸۵۵ھ) کے معاصرین میں تھے۔

(ہ) مشہور تذکرہ صوفیا 'مرآۃ الاسرار' کی تالیف (۱۰۶۵ھ) کے وقت اس کے مؤلف شیخ عبدالرحمن چشتی کے سامنے مناقب الاصفیاء موجود تھی لیکن ان کے پیش نظر نسخہ بھی مصنف سے لاعلمی کا اظہار کر رہا تھا چنانچہ فرماتے ہیں:-

"الغرض مناقب الاصفیاء نام کتابی است بغایت معتبر کہ یکی از خلفای سلسلہ شیخ شرف الدین جمع کردہ و اکثر احوالات شیخ و جمیع پیران سلسلہ فردوسیہ مفصل دران ذکر کردہ است" (مرآۃ الاسرار قلمی مملوکہ خانقاہ معظم)

مناقب الاصفیاء کے زمانہ تالیف کے سلسلے میں داخلی شہادتوں کے ذریعہ درج ذیل نتائج سامنے آتے ہیں:

(الف) مناقب الاصفیاء کی تالیف کا آغاز حضرت مخدوم حسین بن معز نوشہ توحیدی بلخیؒ (م ۸۴۴ھ) کے اخیر زمانۂ حیات میں ہوا۔ چنانچہ اس تذکرہ کا آغاز عربی خطبہ حمد و نعت کے بعد اس طرح ہوتا ہے:

"اما بعد چون شجرۂ پیران بندگی مخدوم شیخ الاسلام والمسلمین بدرالحق و الحقیقتہ والدین شیخ حسین معز شمس بلخی متع اللہ المومنین بطول بقایہ وادام علیہم نعمتہ لقائہ"

(ب) مناقب الاصفیاء کی تالیف کا سلسلہ حضرت مخدوم حسین بن معز نوشۂ توحید بلخیؒ کی وفات (۸۴۴ھ) کے بعد تک چلتا رہا کیوں کہ اس میں حضرت مخدوم حسین بن معز بلخیؒ کے ملفوظات گنج

لاشئی کا حوالہ کئی مقامات پر آیا ہے جس کی آخری مجلس میں یہ ذکر ملتا ہے ۔

روز سہ شنبہ اول وقت ظہر بیست چہارم ماہ ذی الحجہ سنہ اربع
و اربعین و ثمن بود کہ حال مبارک اور امی مقعد صدق عند ملیک
مقتدر معراج شد طیب اللہ ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ ...."

(ج) مناقب الاصفیاء میں مکتوبات حسین نوشہ توحید بلخی کا ذکر و حوالہ بھی موجود ہے جس کی ترتیب حضرت مخدوم حسین کی زندگی میں شروع ہو گئی تھی لیکن اس میں اخیر رمنہ حیات تک کے مکاتیب یکجا ہیں، جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مجموعہ کی تکمیل بھی ۸۴۴ھ میں ہوئی ۔ ان مکتوبات کے جامع خود صاحب مکاتیب کے صاحبزادے اور جانشیں مخدوم حسین دائم جشن بلخی ہیں ۔ اس سے بھی یہ قیاس قوی ہوتا ہے کہ مناقب الاصفیاء کی تکمیل ۸۴۴ھ کے بعد ہوئی ۔

(د) مناقب الاصفیاء میں مخدوم حسن دائم جشن بلخی (م ۸۵۵ھ) کی تالیف رسالہ طیف المعانی (کذا) کا ذکر بھی موجود ہے جس میں گرچہ سال تالیف درج نہیں لیکن کئی وجوہ سے یہ قیاس اغلب ہے کہ اس رسالہ کی تالیف بھی ۸۴۴ھ کے آس پاس ہوئی ہوگی ۔

(ہ) حضرت مخدوم حسین بن معز بلخی کے پوتے حضرت شیخ محمد لنگر دریا بلخی (م ۸۹۱ھ) کے ملفوظات کا مجموعہ مونس القلوب بڑی اہمیت حاصل ہے ۔ اس میں جا بجا حضرت مخدوم جہاں، حضرت مولانا مظفر بلخی اور دوسرے فردوسی مشائخ کا تذکرہ ہوا ہے اور گراں قدر اطلاعات فراہم کی گئی ہیں لیکن حیرت انگیز طور پر کہیں بر سبیل تذکرہ بھی مناقب الاصفیاء کا نام یا حوالہ نہیں آیا ہے ۔ اس لئے گر یہ مان بھی لیں کہ مونس القلوب کے وجود میں آنے سے پہلے مناقب الاصفیاء کی تالیف ہو چکی تھی تو یہ ماننا ہوگا کہ اس وقت تک یہ کتاب بالکل غیر معروف تھی ۔

مناقب الاصفیاء کا زبان و بیان

مناقب الاصفیاء کئی اعتبار سے نہایت بیش قیمت تالیف ہے ۔ زبان و بیان کے لحاظ سے بھی اس کی اہمیت مسلم ہے ۔ بہار میں مرتب ہونے والا فارسی کا یہ پہلا تذکرہ ہے اور ہندوستان میں تذکرہ صوفیا میں سیر الاولیا اور قوام العقائد کے بعد شاید اسی کا نمبر ہو ۔ نویں صدی ہجری کی ادبیات فارسی ہندی کا سرمایہ ذخیرہ بہت بڑا نہیں ہے ۔ مناقب الاصفیاء اس لحاظ سے معاصر ادب کا ترجمان ہے اور نویں صدی ہجری

میں شمالی ہندوستان میں بول چال کی فارسی زبان کا ایک اچھا نمونہ ہے۔ مناقب الاصفیاء کے مطالعہ کے بعد اس کے مصنف کا ذولسانین ہونا بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ عربی زبان پر قدرت اور افکار و خیالات کی بلندی کی غمازی کرتا ہوا مناقب الاصفیاء کا مقدمہ بلا شبہ بہت خوب ہے۔

مناقب الاصفیاء کی زبان عموی طور پر سلیس رواں اور شستہ ہے خاص طور پر واقعہ نگاری میں تکلیف آمیز زبان سے پرہیز کیا گیا ہے اور کم الفاظ میں بڑی خوبصورتی کے ساتھ منظر نگاری اور مقصد کی وضاحت کی گئی ہے۔ حضرت ابو نجیب سہروردی کا ایک واقعہ کس سلاست کے ساتھ بیان فرماتے ہیں، ملاحظہ ہو :-

"منقول است از شیخ ابو مسعود رومی رحمته الله علیه کی گفت وقتی برابر شیخ ابوالنجیب سهروردی رضی الله عنه در بغداد در بازار سلطان میگذشتم ناگاه شیخ نظر کرد بر یک گوسفندی پوست باز کرده آویخته نزدیک قصاب بایستاد و گفت این گوسپند مرامی گوید که من مردارم در حال قصاب بیهوش شد چون بهوش باز آمد اقرار کرد بصحت قول شیخ و بر شیخ توبه کرد"

مناقب الاصفیاء کی فارسی انشاء پر حضرت مخدوم جہاں کی فارسی انشاء کی گہری چھاپ ہے اور یہ اثر یقیناً حضرت مخدوم جہاں کی تصنیفات سے گہرے تعلق اور کثرت مطالعہ کا نتیجہ ہے۔ صاحب مناقب الاصفیاء نے ایک مقام پر ملتقط احیاء علوم الدین کا ایک عربی اقتباس نقل کیا ہے اور پھر اس کا فارسی ترجمہ بھی فرمایا ہے۔ ترجمہ پڑھنے سے حضرت مخدوم جہاں کی شرح آداب المریدین کی فارسی نثر اور انشاء کی یاد تازہ ہو جاتی ہے، ملاحظہ ہو :-

"واما التوحيد فقد جعل الآن عبارة عن صنعة الكلام و معرفة طريقة المجادلة والاحاطة بما قصات الخصوم والقدرة على التشدق بتكثير الاسولة واثارة الشبهات و تاليف الالزامات وكان التوحيد في العصر الاول عبارة عن امر آخر لا يفهم اكثر المتكلمين وان فهموه لم يتصفوا به وهو ان يرى الامور كلها من الله تعالى رويه يقطع التفاته عن الاسباب والوسائط فلا يرى الخير و الشر والنفع والضرر الا منه وهذا مقام شريف احدى ثمراته التوكل كما سياتي بيانه في كتاب التوكل ومن ثمراته ترك شكاية الخلق وترك الغضب عليهم والرضا

والتسليم بحكم الله تعالى وهذا من مقامات الصديقين "

"یعنی واما توحید پس بدرستی که گردانیده شد اکنون عبارت از صنعت بحث ومعرفت طریق مجادله و در گرفتن مناقضات خصمان و قدرت براظهار فصاحت به بسیار کردن سوالها و انگیختن شبهه و جمع کردن الزامها و بود توحید در عصر اول عبارت ازامری دیگر که فهم نکنند آں امر را اکثر متکلمان واگر فهم کنند آں امر را پس موصوف نشوند بداں امر و آں امراست که بیند کار همه ازخدا یتعالی دیدنی که قطع کند التفات بنده را از سببها و واسطها پس نه بیند خیر را وشر را ونفع را وزیاں را مگر ازخدای وایں مقام بزرگ است یکی ازثمرات ایں مقام توکل است چنانچه زود بیاید بیاں آں در کتاب توکل و از ثمرات این مقام ترک شکایت خلق است وترک غضب است برایشاں و رضا و تسلیم است بحکم خدا یتعالی وایں مقام از مقام صدیقانست۔"

سیر الاولیا کی ایک غلط روایت کی نشاندہی

نقد اور عقائد کی بنیاد پر جو مسلک اور مکتبۂ فکر اسلامی تاریخ میں وجود میں آئے ان کے پیروؤں اور متبعین میں اختلاف کے شدت کی افسوسناک داستان چلی آرہی ہے۔ لیکن صوفیائے کرام کے سلاسل جو مزاج و آہنگ کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں اور ان کے طریقۂ کار جدا جدا ہیں، ان میں ایسا اختلاف دیکھنے میں نہیں "آتا بلکہ ایسے اتحاد قلبی و روحی کی مثالیں ملتی ہیں جو بلا شبہ پیروی و اتباع کے لائق ہیں۔ جہاں کہیں انہیں فروعی اختلاف کا سامنا ہوتا ہے تو اس سے پہلے کہ اس میں شدت آئے وہ یہ اعلان کرتے ہوئے نظر آتے ہیں :-

نہ ایں کار می کنم نہ انکار می کنم

اور جہاں کہیں بنیادی اختلاف کی بات ہوتی ہے تو خواہ وہ صوفی کا لبادہ اوڑھے ہوئے لوگوں ہی کی طرح سے کیوں نہ اس کے خلاف سارے سلاسل کے صوفی سینہ سپر اور قلم بدداشتہ نظر آتے ہیں۔ مثال کے طور پر حلول و اتحاد کے تصور کو مردود قرار دینے میں ہر سلسلے کے صوفی یک آواز ہیں۔ اسی لئے صوفیائے کرام کا

یہ نعرہ ان کے قول و عمل کا آئینہ ہے کہ

الفقرا کنفس واحدۃ

ہندوستان میں جن صوفیاے کرام نے تبلیغ و دعوت کا اہم فریضہ انجام دیا ان کے اندر بھی یہ صفت بدرجہ اتم موجود تھی اور ان کے مشن کی کامیابی کا یہ سب سے بڑا راز بھی ہے۔ چشتی مشائخ سہروردی و کبروی صوفیہ کی تعریفیں کرتے نہیں تھکتے تھے۔ چنانچہ چشتی مشائخ کے ملفوظات میں نہ صرف حضرت شیخ الشیوخ عمر بن محمد شہاب الدین السہروردی (م ۶۳۲ھ) کی خوب خوب تعریفیں ملتی ہیں بلکہ ان کی مشہور زمانہ کتاب عوارف المعارف چشتی خانقاہوں اور جماعت خانوں میں خصوصیت کے ساتھ شریک درس تھی۔ سہروردی المشرب صوفیہ کی وسعت قلبی کا یہ عالم تھا کہ خواجہ حمید الدین ناگوری (م ۶۴۳ھ)، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے نہ صرف ہم نوالہ و ہم پیالہ تھے بلکہ سب سے بڑے قدردانوں میں سے ایک تھے۔ حضرت خواجہ بہاءالدین زکریا ملتانی اپنے مریدوں کو پاکپٹن کی جانب بھیجتے تو خواجہ فرید الدین گنج شکر سے فیض روحی و استفادہ کی وصیت کرتے اور اگر بابا فرید الدین مسعود گنج شکر کا کوئی مرید ملتان کی جانب سفر کرتا تو اسے خواجہ بہاءالدین ذکریا ملتانی کی ولایت سے حاضری و استفاضہ کا قاعدہ خود بابا فرید سکھا کر بھیجتے۔ اگر کہیں مختلف سلاسل یا معاصر صوفیہ کے درمیان اختلاف رائے یا معاصرانہ چشمک کی نادر مثال ملتی بھی ہے تو وہ جز وقتی طور پر یا صرف مبتدی مریدین کے درمیان پائی جاتی ہے، خود شیخ طریقت کا دامن کہیں آلودہ ہوتا نظر نہیں آتا۔ لہذا اگر کہیں کسی تذکرے میں خود شیخ طریقت پر ایسا کوئی الزام نظر آئے تو اسے ان اصولوں پر جانچے بغیر قبول نہیں کرنا چاہیے، جو کسی روایت کو ثقہ سمجھنے کے لئے ضروری ہیں۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ ایسی ہی ایک روایت سیر الاولیا کے مشہور اور رائج متن میں موجود ہے اور جسے شیخ عبدالحق محدث دہلوی سے لے کر خواجہ حسن نظامی دہلوی تک سارے تذکرہ نگار نقل در نقل کرتے چلے آتے ہیں۔

سیر الاولیا کی محولہ معترضہ روایت پر تنقید و کلام کرنے کی جرأت کسی نے نہیں کی لیکن صاحب مناقب الاصفیاء نے اس روایت پر تبصرہ کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے -

"عرض می دارد کاتب حروف بر آنجمله که
شیخ رکن الدین فردوسی رابخدمت
سلطان المشایخ (خواجه نظام الدین
اولیا) چندان اخلاص نبود و او از شهر
آمد بود هم برکنار آب جون در حد کیلو
کهری مقامی ساخته است و شیخی بنیاد
نهاده پسران او راکه چون نو خاسته
بودند و مریدان او را بابندگان سلطان
المشایخ نقاری بود کرات در کشتی سوار و
سماع گویان و رقص کنان زیر خانه
سلطان المشایخ می گذشتند روزے بطریق
بعداز نماز پیشین درکشتی سوار
باجمعیت وسماع ورقص کنان از پیش
خانۂ سلطان المشایخ میگذشتند سلطان
المشایخ بدولت برسم جماعت خانه مشغول
نشسته و والد کاتب حروف رحمته اله
علیه در آں مجلس پیش ایستاده بود چون
باعلیه شور و سماع که درکشتی می کردند
در نظر مبارک سلطان المشایخ بر
آمدند فرمودند سبحان الله سالها یکے
دریں کار خون میخورد و جان خود فدائی
ایں راه میکند ودیگران نوخاسته
بدو میگویند توکیستی که دست
مبارک خویشتن باستین مبارک برآورد و
جانب ایشان اشارت کرد که حالا برو
همین که کشتی پسران شیخ رکن الدین
بآں غوغا بر خانۂ خود رسید از کشتی
فرود آمدند خواستند غسلے کنند همیکه
برلب آب در آمدند درحال غرق
شدند دیده ایں حکایت از خدمت سید
السادات سید حسین عم خود سماع دارد"

خواجه رکن الدین فردوسی برکت صحبت
و خدمت او (خواجه بدرالدین سمرقندی)
کمال حاصل کرد مشایخ عصر پرورش
وطریقت او غبطه داشتند شیخ نظام الدین
رحمته الله علیه پاکتر ازاں بود که ازوی
حسد بیاید اما معامله مریدان و معتقدان او
حسد بود منتظر مصائب و حوادث می
بودند اگر چیزی از مصائب روزگار و
حوادث دهر بخواجه رکن الدین فردوسی
رسیدی زبان دراز می کردند و می گفتند که
ایں مصیبت وایں حادثه خواجه رکن الدین
را حادثه از نفس شیخ نظام وگرانی دل او
رسید و معلوم است که تمام خلق دهلی معتقد
شیخ نظام الدین بودند همه را همت حسد بر
خواجه رکن الدین بود، معلوم نیست این
حسد مریدان ومعتقدان شیخ نظام الدین
ازچه بود و منشاء اس چیست و الله اعلم
میان ایں هر دو بزرگان مناظره در دین
بوده باشد معتقدان و مریدان شیخ نظام
الدین آں مناظره راعداوت می پنداشتند
ودل درحسد می گماشتند لیکن خواجه رکن
الدین فردوسی درمشاهده حق چناں
مستغرق بود که پیش او همه معذور بودند و
هر نیك وبد که اورامی رسید همه از حق
میدید و بحق میدید.

سیر الاولیاء میں جس تیور کے ساتھ اسے پیش کیا گیا ہے ترجمے میں اس کا رنگ اور بھی ہلکا ہو گیا ہے۔ اعجاز الحق قدوسی صاحب کا ترجمہ ملاحظہ ہو

> "کاتب حروف عرض کرتا ہے کہ شیخ رکن الدین فردوسی کو سلطان المشائخ سے چنداں اخلاص نہ تھا وہ شہر سے آ کر دریائے جمنا کے کنارے حدود کیلو کھری میں مقیم ہو گیا تھا اور یہیں اپنی مرشدی کا جھنڈا بلند کیا تھا۔ اس کے دو بیٹے جو بالکل نوجوان تھے ان کو اور اس کے مریدوں کو آپ سے بغض تھا۔ وہ اکثر کشتی میں سوار ہو کر گاتے ناچتے سلطان المشائخ کے بالاخانے کے نیچے سے گزرتے تھے۔ ایک روز وہ بہت سے لوگوں کے ساتھ کشتی میں سوار ہو کر ظہر کی نماز کے بعد گاتے بجاتے سلطان المشائخ کے گھر کے سامنے سے گذرے۔ سلطان المشائخ جماعت خانے کے بالاخانے پر ذکر و شغل میں مشغول بیٹھے ہوئے تھے۔ کاتب الحروف کے والد رحمۃ اللہ علیہ اس مجلس میں آپ کے سامنے کھڑے ہوئے تھے۔ اس شور و شغب کی وجہ سے سلطان المشائخ کی نظر کشتی کے لوگوں پر پڑی۔ آپ نے ان کو دیکھ کر فرمایا کہ سبحان اللہ ! ایک شخص سالہا سال سے اس کام میں اپنا خون جگر کھا رہا ہے اور اپنی جان اس راہ میں فدا کر رہا ہے اس راہ کے دوسرے نئے آنے والے اسے کہتے ہیں کہ تم میں کون سا سرخاب کا پر ہے، جو ہم میں نہیں۔ پھر آپ نے اپنا دست مبارک آستین سے نکالا اور ان کی جانب اشارہ کر کے فرمایا اب جاؤ۔ عین اس موقع پر شیخ رکن الدین کے بیٹوں کی کشتی آپ کے گھر کے نیچے پہنچی۔ لڑکے شور مچاتے ہوئے کشتی سے اترے اور انہوں نے ارادہ کیا کہ دریا میں غسل کریں۔ جیسے ہی وہ دریا کے کنارے پہنچے غرق ہو گئے۔ بندے نے یہ حکایت اپنے چچا سید السادات سید حسین سے سنی تھی" ص:۲۶۷

اگر سیر الاولیاء کی یہ اکلوتی روایت کسی غیر معروف شیخ رکن الدین فردوسی سے متعلق ہوتی تو قابل غور ہو سکتی تھی لیکن حضرت شیخ رکن الدین فردوسی کے نام سے عہد سلطنت کے صرف اور صرف ایک بزرگ معروف ہیں جو اپنے زمانے کے مسلم الثبوت اولیائے کرام میں شمار کیے گئے ہیں۔ صوفیائے کرام

کے معروف و مستند تذکروں میں ان کا ذکر موجود ہے۔ لاکھوں لوگ ان سے منسوب و ماخوذ سلسلہ فردوسیہ سے وابستہ ہیں۔ ان کے پیرومرشد حضرت خواجہ بدرالدین غزنوی، دہلی کے مقبول و معروف صوفی بزرگوں میں ایک تھے۔ ان کے خلیفہ و جانشین حضرت شیخ نجیب الدین فردوسی جیسے کامل درویش تھے جن کے خلفاء میں حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری جیسے محقق اور شیخ زمانہ اور حضرت عالم بن علا مندر پتی جیسے عظیم فقیہ و مفتی (صاحب فتاویٰ تتارخانی) کا نام نامی سرفہرست ہے۔ اگر یہ روایت حضرت شیخ رکن الدین فردوسی کے بعض مریدین یا بیٹوں کی ناراضگی یا تعصب تک بس ہوتی تو قابل غور ہو سکتی تھی لیکن خود حضرت شیخ رکن الدین کی ذات کو نشانہ بنانے کی کوشش کے نتیجہ میں یہ روایت بالکل ناقابل یقین ہو گئی ہے۔

اس ناقابل یقین روایت کو اپنے چچا سید اسادات سید حسینؒ سے سننے کا دعویٰ کیا گیا ہے لیکن چونکہ وہ خود اس کے چشم دید گواہ نہیں ہیں، اس لیے انہوں نے کس سے سنا اس کی وضاحت ضروری تھی۔ پھر چچا سے جو حکایت سنی گئی وہ تو "ایک روز" سے شروع ہوتی ہے اس پہلے جو اطلاع یا اپنی رائے شیخ رکن الدین سے متعلق دی گئی ہے اس کی سند کیا ہے؟ اس کی وضاحت نہیں ملتی۔ کسی شخصیت کے بارے میں جو رائے ذاتی تجربے یا مشاہدے کی بنا پر قائم کی گئی ہو وہ قابل غور ہو سکتی ہے لیکن اگر وہ سماعت یا حکایت کے نتیجے میں قائم ہو تو اس کا یقینی ہونا مشتبہ ہو جاتا ہے۔

ایک اور حیرت کی بات یہ ہے کہ کسی دوسرے ماخذ سے حضرت شیخ رکن الدین فردوسی اور حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کے درمیان کسی اختلاف یا رنجش یا عدم اخلاص کا پتہ نہیں چلتا بلکہ بعض ماخذ تو اس کے برخلاف ان دونوں شخصیتوں کے درمیان محبت و اخلاص کی گواہی دیتے نظر آتے ہیں چنانچہ اس روایت کے پایہ استدلال کا چوبیں ہونا اظہر من الشمس ہو جاتا ہے۔

صاحب مناقب الاصفیاء کے لئے اس روایت کے سلسلے میں بڑی ناقابل یقین صورت حال تھی۔ انداز بیان یہ بتاتا ہے کہ انہیں ایسی کوئی اطلاع کسی دوسرے ذریعہ یا ماخذ سے نہیں پہنچی تھی۔ اس لئے انہوں نے اس غیر مصدقہ روایت کی تاویل اندازہ و قیاس کی بنیاد پر کرنے کی کوشش کی چنانچہ فرماتے ہیں ۔

"معلوم نیست ایں حسد مرید ان و معتقدان شیخ نظام الدین از چہ بود و منشاء ایں چیست و اللہ اعلم. میان ایں ہر دو بزرگاں در دین بود باشد و مرید ان شیخ نظام الدین آں مناظرہ را عداوت می پنداشتند و بر دل حسد می گماشتند"

مناقب الاصفیا کی پر خلوص تاویل کرتی ہوئی عبارت سے بھی یہ واضح اشارہ ملتا ہے کہ سیر الاولیا میں پیش کردہ روایت بالکل بے حقیقت اور نا قابل اعتبار ہے کیوں کہ اگر ایسا کوئی اختلاف یا رنجش یا عدم اخلاص کا وجود ہوتا تو صاحب مناقب الاصفیاء کے دل میں فردوسی المنسبت ہونے کی بنا پر حضرت خواجہ نظام الدین اولیا سے ایک قسم کا حسد موجود رہتا یا پھر دوری ہی جھلکتی لیکن مناقب الاصفیاء کی عبارت اس کے برخلاف خواجہ نظام الدین اولیا قدس سرہ کی عظمت و بزرگی کے اظہار سے شروع ہوتی ہے چنانچہ فرماتے ہیں :-

شیخ نظام الدین رحمتہ اللہ علیہ ہلکتر ازاں بود کہ ازوی حسد بیاید"

اس سلسلے میں ایک اور بات قابل غور ہے کہ جس اختلاف یا عدم اخلاص کی روایت سیر الاولیا میں پائی جارہی ہے، اگر اس میں کچھ حقیقت ہوتی تو اسے فردوسی المشرب حلقہ زیادہ اچھالتا یا نقل کرتا، اس کے برخلاف ان کے یہاں ایسی کسی صورت حال کی کوئی اطلاع نہیں ملتی اور اسے حیرت انگیز طور پر اکلوتا چشتی ماخذ پیش کررہا ہے جبکہ سلسلہ چشتیہ کی شہرت و مقبولیت کا آفتاب ان دنوں عروج پر تھا۔ یہ ایک نفسیاتی حقیقت ہے کہ جو مشہور اور عظیم ہوتا ہے وہ ایسی باتوں کو نظر انداز کرتا ہے کیوں کہ اس کی شہرت و عظمت ثابت ہو چکی ہے اور وہ ایسی چیزوں سے بے نیاز ہو جاتا ہے اس کے مقابلے میں جو کم مشہور اور غیر معروف ہوتا ہے وہ ایسی باتوں کو زیادہ پر زور بنا کر اور بار بار دہراتا رہتا ہے تاکہ وہ اسی بنا پر کم سے کم شہرت کے ساتھ منسلک رہے۔ لیکن تعجب خیز بات یہ ہے کہ فردوسی ماخذات میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیا اور حضرت رکن الدین فردوسی کے مابین کسی اختلاف یا عدم اخلاص کا عدم وجود یہ ثابت کررہا ہے کہ سیر الاولیا کی اکلوتی روایت یقیناً کسی تحریف یا غلط فہمی یا سہو ہی کا نتیجہ ہے۔

اس سلسلے میں خود حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین یحیٰی منیری (م ۷۸۲ھ) جو بذات خود حضرت شیخ رکن الدین فردوسی کے خلیفہ کے خلیفہ ہیں کے ملفوظات سب سے بڑے ثبوت ہیں جن میں مختلف مقامات پر حضرت مخدوم جہاں نے حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیا کا ذکر نہایت قدر و منزلت کے ساتھ فرمایا ہے اور بارہا ان پر سائل کے اعتراض کی تردید و تاویل فرمائی ہے۔ حضرت شیخ رکن الدین فردوسی اور حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کے مابین کیسے تعلقات و مراسم تھے، اس سلسلے میں بھی حضرت مخدوم جہاں کا مندرجہ ذیل بیان سیر الاولیا کی متذکرہ حکایت کو کالعدم قرار دینے کے لئے کافی ہے۔ فرماتے ہیں :-

''اس سے قبل دہلی میں حضرت شیخ رکن الدین (فردوسی)، شیخی یعنی بزرگی میں مشہور و معروف ہوئے ہیں، اپنے پیروں کا عرس کرتے تھے، بلکہ آپ ہی نے دہلی میں عرس کو عام کیا۔ اس زمانہ میں شیخ نظام الدین بدایونی رحمۃ اللہ علیہ غیاث پور میں نوارد تھے، وہاں ایک خاص جگہ میں قیام فرماتے۔ ابھی تک آپ کی شہرت نہیں ہوئی تھی لیکن ان کی دولت و نعمت میں روز افزوں ترقی تھی۔ حضرت شیخ رکن الدین، حضرت شیخ نظام الدین (اولیا) کو عرس میں شرکت کی دعوت دیتے تھے اور آپ عرس میں تشریف لاتے تھے۔ ہمارے شیخ کی والدہ ایک بزرگ عورت تھیں۔ نعمتوں سے مالا مال تھیں۔ یہاں تک کہ لوگ ان کو بھی شیخ کہتے تھے۔ ایک دن شیخ رکن الدین سے فرمانے لگیں۔ سنتی ہوں کہ غیاث پور میں شیخ نظام الدین بدایونی رہتے ہیں وہ کیسے ہیں اور انہیں کس طرح دیکھ سکتی ہوں؟ شیخ رکن الدین نے فرمایا کہ میں انہیں عرس میں بلاؤں گا گھر میں ایک خاص جگہ ان کے لئے مخصوص کردوں گا۔ ان کو وہاں پر لا کر بٹھاؤں گا۔ اور آپ کو جہاں پر کہوں وہاں پر بیٹھ جائیں گی۔ میں بھی اس مجلس میں رہوں گا انگلی سے اشارہ کر دوں گا کہ یہی ہیں۔ حضرت نے ویسا ہی کیا والدہ کو اسی جگہ لے جا کر بیٹھا دیا جہاں پر کہا تھا اور خود اس مجلس میں چلے گئے جہاں شیخ نظام الدین (اولیا) تشریف فرما تھے۔ وہیں پر سے انگلی سے اشارہ کر دیا کہ یہی ہیں۔ حضرت کی والدہ نے ان کو دیکھ لیا اور پھر اپنی جگہ پر چلی گئیں۔ اس کے بعد شیخ رکن الدین نے ان سے دریافت کیا کہ شیخ نظام الدین کو دیکھا، کیسا پایا؟ حضرت کی والدہ نے فرمایا کہ میں نے ان کی پیشانی میں ایسا نور دیکھا ہے (جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ) دہلی میں وہ کارنامہ انجام دیں گے جو کسی نے نہیں کیا ہے۔'' (خوان پر نعمت، ملفوظات مخدوم جہاں، مدت جمع ۷۵-۷۴۹ھ)

حضرت مخدوم جہاں کے مذکورہ بیان کے بعد ایک بار پھر سیر الاولیا کی جانب واپس لوٹنا چاہئے تو ناقابل یقین زیر بحث حکایت سے متصلاً ٹھیک پہلے ایک روایت اس طرح ملتی ہے۔

''ایک دفعہ شیخ نورالدین فردوسی نے اپنے تین مریدوں کو سلطان المشائخ کی

خدمت میں بھیجا کہ میں نے شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین کی روح پرفتوح کے ایصال ثواب کے لئے کچھ کھانا پکوایا ہے۔ از راہ بندہ نوازی آپ بھی تشریف لائیں۔ پھر ان تینوں میں سے ایک شخص نے کہا کہ اگر سلطان المشائخ، شیخ ہیں، تو مجھے کھانے کے کوئی چیز عنایت فرمائیں گے۔ دوسرے نے کہا کہ مجھے کپڑا عنایت ہوگا۔ تیسرے نے کہا کہ بزرگوں کا امتحان نہیں کرنا چاہیے اور اس قسم کی باتیں نہیں سوچنی چاہییں۔ جب یہ تینوں سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ان سے معذرت کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم حاضر نہ ہو سکیں گے کیوں کہ آج ہم نے خود کھانا پکوایا ہے لیکن ہمارا دل تمہاری مجلس میں ہوگا۔ ابھی یہ بات ہو رہی تھی کہ ایک شخص دہی کا ایک دیگچہ اور چار ٹنکے لے کر حاضر ہوا۔ سلطان المشائخ نے خادم سے اس شخص کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ دونوں چیزیں اس شخص کو دے دو۔ پھر اس شخص سے فرمایا کہ تم نے کھانے کی چیز اور روپے کے لئے دل میں سوچا تھا۔ پھر خادم سے فرمایا کہ اس دوسرے آدمی کے لئے کپڑا لاؤ اور اس کو دو۔ پھر تیسرے شخص سے فرمایا کہ اہل دل کی خدمت میں اسی طرح آنا چاہیے، جس خیال کے ساتھ تم آئے ہو اور خادم کو حکم دیا کہ دو ٹنکے اس کو بھی دو"

ٹھیک اس واقعہ کے بعد "کاتب حروف عرض کرتا ہے" سے روایت معترضہ شروع ہوتی ہے۔ حضرت مخدوم جہاں کا بیان اور سیر الاولیا کی یہ دونوں روایتیں پڑھنے کے بعد یہ بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ شیخ نور الدین فردوسی سہو کاتب ہے اور وہ دراصل شیخ رکن الدین فردوسی ہی ہے۔ اور یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ شیخ رکن الدین فردوسی کے وسعت قلبی اور وسیع المشربی کا یہ عالم تھا کہ اپنے پیران سلسلہ کے علاوہ دیگر مشائخ کرام کے ایصال ثواب کے لئے بھی کھانے پکواتے اور مجالس کا اہتمام فرماتے تھے اور ان مجالس میں خواجہ نظام الدین اولیا بنفس نفیس شرکت فرماتے تھے اور اگر جانے سے معذور ہوتے تو اس طرح فرماتے کہ

"میں حاضر نہ ہو سکوں گا۔۔۔ لیکن میرا دل تمہاری مجلس میں ہوگا"

لہٰذا حضرت خواجہ نظام الدین اولیا اور حضرت شیخ رکن الدین فردوسی کے درمیان کسی قسم کے عدم اخلاص یا

رنجش کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا بلکہ دونوں بزرگوں کے مراسم دیرینہ اور خوشگوار تھے۔

حضرت شیخ رکن الدین فردوسی اور ان کے بھائی نیز مرید وخلیفہ حضرت شیخ نجیب الدین فردوسی سے حضرت خواجہ نظام الدین اولیا سے مخلصانہ وبرادرانہ مراسم تھے، اس کا اندازہ لطائف اشرفی (ملفوظات حضرت مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی) سے بھی ہوتا ہے کہ جب حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحیٰی منیری، حضرت سلطان المشائخ کی بارگاہ میں بہ نیت بیعت حاضر ہوئے تو حضرت سلطان المشائخ نے یہ کہہ کر رخصت فرمایا کہ

"برادرم شرف الدین نصیب ارادت و حصول سلوک شما از برادرم نجیب الدین فردوسی است بروید که ایشان مترصد قدوم شما و منتظر حضور معلوم اند"

شیخ رکن الدین فردوسی کے بھائی اور مرید وخلیفہ حضرت شیخ نجیب الدین فردوسی کو "برادرم" کہہ کے مخاطب کرتے اور ان کے پاس شیخ شرف الدین احمد یحیٰی منیری جیسے شاندار واعلیٰ مستقبل والے نوجوان (میسر نیست، نصیب دام مانیست) کو ارادت وتربیت کے لئے بھیجنے سے کسی اختلاف یا رنجش کی بو آتی ہے یا محبت واخوت کی خوشبو؟

حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحیٰی منیریؒ نے اپنے ملفوظات میں جس عقیدت ومحبت کے ساتھ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا اور ان کے پیر ومرشد حضرت خواجہ فرید الدین مسعود اجودھنی قدس سرہما کا ذکر فرمایا ہے ٹھیک اسی طرح حضرت خواجہ نظام الدین اولیا قدس سرہ نے اپنے ملفوظات میں حضرت شیخ رکن الدین فردوسی کے پیر ومرشد حضرت شیخ بدر الدین سمرقندی اور ان کے پیر ومرشد حضرت شیخ سیف الدین باخرزی کا ذکر نہایت عقیدت اور وارفتگی کے ساتھ فرمایا ہے۔

حضرت شیخ رکن الدین فردوسی کے پیر ومرشد اور مربّی حضرت شیخ بدر الدین سمرقندی سے خواجہ نظام لدین اولیا کے کیسے مراسم تھے، اسے خود سیر الاولیا کے مصنف اس طرح بیان کرتے ہیں -

"کاتب حروف نے اپنے والد سے سنا تھا کہ شیخ بدر الدین سمرقندی نہایت بزرگ تھے اور شیخ سیف الدین باخرزی کے خلیفہ تھے۔ انہوں نے شیخ نجم الدین کبریٰ کو پایا تھا۔ سید زائر الحرمین تھے۔ حافظ اور دانش مند تھے۔ جس میں یہ کمال ہوں اس کی فضیلت کا کیا پوچھنا۔ سماع کا غیر معمولی ذوق رکھتے

تھے۔بغیر سلطان المشائخ (خواجہ نظام الدین اولیا) کے سماع نہ سنتے تھے۔"

ص ۵۵ے

حضرت شیخ بدر الدین سمرقندی کا وصال ہوا تو شیخ رکن الدین فردوسی کے لائق جانشیں ہوئے اس موقعہ پر حضرت خواجہ نظام الدین اولیا بنفس نفیس ایصال ثواب کی مجلس میں لے گئے تھے ملاحظہ ہو سیر اولیا کی عبارت ۔

"جب شیخ بدر الدین سمرقندی رحمت حق سے جا ملے تو ان کو سنگول میں دفن کیا گیا۔تیسرے روز سلطان المشائخ تشریف لائے۔سماع کی مجلس منعقد ہوئی۔ سلطان المشائخ ذرا دیر سے پہنچے۔اس لئے دوسرے قبرستان کے احاطے میں تشریف فرما ہوئے۔جب اہل مجلس کھڑے ہوئے تو آپ بھی کھڑے ہوئے۔ مجلس کے بعض حاضرین نے عرض کیا کہ آپ کے اور مجلس کے درمیان کافی فاصلہ ہے۔آپ تشریف رکھیے۔آپ نے فرمایا کہ اہل مجلس کی موافقت کرنا ضروری ہے۔" ص: ۵۵٦

خود مناقب الاصفیاء میں حضرت شیخ رکن الدین فردوسی کے پیر و مرشد اور شیخ الشیخ حضرت شیخ سیف الدین باخرزی کے حالات زیادہ تر خواجہ نظام الدین اولیا سے منقول ہیں۔یہ سارے حوالے اس جانب اشارہ کر رہے ہیں کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا اور ان کے پیران کے فردوسی اکابر و مشائخ بشمول خواجہ رکن الدین فردوسی سے دیرینہ و پر خلوص تعلقات تھے اس کے برخلاف سیر اولیا کی اکلوتی حکایت کسی طرح بھی قابل قبول نہیں ہے۔

سیر الاولیا قدیم ترین تذکرہ صوفیہ ہے اور اس کی اہمیت مسلّم ہے لیکن اس کے متن کی گہرائی سے چھان پھٹک نے جدید محققین کو تحریف کا واضح اشارہ دیا ہے اور وہ لوگ سیر الاولیا کے متن کو 'الف' سے 'ی' تک مستند ماننے پر تیار نہیں ہیں چنانچہ پروفیسر نثار احمد فاروقی لکھتے ہیں:۔

"کتاب کا نام سیر الاولیا فی محبت الحق جل وعلا ہے (سیر بروزن خیر) اس کی تالیف کے بارے میں اندازہ یہ ہے کہ ۵۲ے ھ سے شروع ہو کر ۹۰ے ھ تک کار تالیف جاری رہا۔اس میں فیروز شاہ تغلق کی وفات کا ذکر ہے جو ۸۹ے ھ میں واقع ہوئی۔مؤلف سیر الاولیا کا انتقال ۷۰ے ھ میں ہو چکا تھا،یہ اضافے زمانہ

مابعد میں کسی نے کیے ہوں گے   سیر الاولیا کا اردو ترجمہ دو بار ہو چکا
ہے مگر فارسی متن کی تحقیق و تدوین جیسی ہونی چاہیے ابھی تک نہیں ہوئی۔ اس
میں بہت سی غلطیاں راہ پا گئی ہیں اور شخصی اغراض سے کچھ تحریف واقع بھی ہوا
ہے۔"   (مقدمہ قوام العقائد ص:۱۲)

سیر الاولیا میں سنین کی غلطیاں بھی موجود ہیں۔ پروفیسر نثار احمد فاروقی فرماتے ہیں -

"سیر الاولیا میں بعض سنہ صریحاً غلط ہیں"   (حاشیہ نقد ملفوظات ص ۱۲۷)

حضرت خواجہ فرید الدین مسعود گنج شکر سے خواجہ نظام الدین اولیا کو خلافت ملنے کی تاریخ بھی
سیر الاولیا میں غلط مندرج ہے۔ پروفیسر نثار احمد فاروقی صاحب کی تحقیق ملاحظہ ہو -

"سیر الاولیا ص ۱۱۶ میں خلافت ملنے کی تاریخ ۱۳ ار رمضان ۶۶۹ ھ ملتی
ہے۔ لیکن یہ غلط ہے اور ذرر نظامی کی روایت یعنی ۶۶۰ ھ صحیح معلوم ہوتی ہے"
(حاشیہ نقد ملفوظات ص:۱۳۸)

حضرت شیخ جمال الدین ہانسوی کے وصال کا ذکر سیر الاولیا میں موجود ہے، اس پر تبصرہ کرتے ہوئے
پروفیسر نثار احمد فاروقی صاف گوئی کے ساتھ فرماتے ہیں -

"سیر الاولیا ص ۱۷۷ میں یہی واقعہ ہے مگر شیخ جمال ہانسوی کا نام نہیں لکھا
"بزرگے بود از خلفائے شیخ شیخ العالم" لکھا ہے یہ بھی ممکن ہے کہ کسی
نے نام حذف کر دیا ہو۔ کتابوں میں اس طرح کی تحریفیں ہمیشہ ہوتی آئی ہیں
اور سیر الاولیا میں تو یقیناً ہوئی ہیں"   (حاشیہ نقد ملفوظات ص ۵۳)

پروفیسر نثار احمد فاروقی پر ہی بس نہیں، مشہور مورخ پروفیسر اقتدار حسین صدیقی بھی سیر الاولیا کے
سلسلے میں اپنے ایک مقالے میں بڑی صاف گوئی سے اظہار خیال فرماتے ہیں -

"خواجہ معین الدین چشتی کا فوائد الفواد میں بہت کم ذکر ہے۔ چودھویں صدی
عیسوی کے اخیر میں میر خورد نے سیر الاولیا میں کچھ زیادہ ذکر کیا ہے لیکن یہ بھی
غلط روایت سے پاک نہیں ہے۔ شیخ محمد اکرام نے سیر الاولیا اور بعد کے
تذکروں کے حوالے سے لکھا ہے کہ خواجہ اجمیر میں فتح دہلی کے پہلے پرتھوی راج
کے زمانہ میں سکونت پذیر ہوئے لیکن ان بہتر ماخذوں کو نظر انداز کر دیا ہے جن

میں سیر الاولیا کے برعکس شہادت ملتی ہے۔ مثال کے طور پر صدر الصدور۔"

(اردو میں تاریخ نویسی ص: ۱۹۹)

اس لئے سیر الاولیا کی پیش کردہ اطلاع اگر کسی دوسرے مستند ماخذ میں بھی پائی جاتی ہے تو اس کے صحیح و درست ہونے میں کوئی شبہ نہیں لیکن اگر کسی دوسرے مستند ماخذ میں اس کے برخلاف اطلاعات ملتی ہیں تو اس کے مقابلے میں سیر الاولیا کی روایت نا قابل قبول اور ساقط الاعتبار ٹھہرے گی۔ سیر الاولیا میں اکابر کی ذکر سے تعصب اور بغض سے بھری اطلاع کی مثالیں بھی موجود ہیں مثلاً حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ تعالیٰ وجہ کی شہادت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"عبدالرحمن ابن ملجم نے، جو امیر معاویہ کی طرف ہو گیا تھا عین نماز میں اپنی زہر آلود تلوار سے آپ کو سخت زخم لگایا۔" ص.۷۹

حضرت امام حسن ابن علی رضی اللہ عنہما کی شہادت کے بارے میں یہ اطلاع سیر الاولیا میں ملتی ہے کہ

"امیر المومنین حضرت امام حسین کی بیوی جعدہ بنت اشعث کندی نے امیر معاویہ کے اشارے سے کسی نہ کسی ترکیب سے موقع پا کر زہر دے دیا" ص:۸۲

لہذا میری ناقص رائے میں عرصۂ دراز سے چلی آرہی یہ خلش کہ حضرت شیخ رکن الدین فردوسی اور خواجہ نظام الدین اولیا قدس سرہما کے درمیان کچھ تھا، آج بالکل دور ہو گئی اور دونوں مستند بزرگوں کے درمیان جو خلوص اور ارتباط قلبی تھا وہ بالکل واضح ہو گیا، واللہ اعلم بالصواب۔

مناقب الاصفیاء کے نادر ماخذات

مناقب الاصفیاء میں معروف ماخذات کے علاوہ کچھ ایسی کتابوں سے بھی استفادہ کیا گیا ہے جو اب بالکل ناپید ہیں یا ان کی تحریر ان کے بارے میں لاعلمی ہے مثلاً

برہان الاتقیا	مصنفہ	لا معلوم
رسالہ بیدار نامہ	"	خواجہ ضیاء الدین ابو نجیب سہروردیؒ
رسالہ جواہر السلوک	"	مخدوم حسین بن معز نوشہ توحید بلخیؒ
مصفّٰی	"	مولانا علی کمال دانشمند
سراج العارفین	ملفوظات	خواجہ نظام الدین اولیاؒ

کاش مناقب الاصفیاء میں یہ سب ہوتا

مناقب الاصفیاء، نہ صرف سلسلہ فردوسیہ کی تاریخی دستاویز ہے بلکہ بہار میں صوفیائے کرام کی مہتم بالشان تبلیغ و دعوت کا سب سے پرانا ریکارڈ بھی ہے۔ بہت سارے واقعات اور حالات ہم صرف مناقب الاصفیاء کی وجہ کر جان پائے ہیں۔ اس دور سے متعلق بجھرے نقوش مناقب الاصفیاء کے مطالعہ کے نتیجے میں ابھر کر سامنے آتے ہیں۔ لیکن بعض معاملات میں اس کے باوجود بھی مایوسی ہوتی ہے۔ مثلاً حضرت خواجہ رکن الدین فردوسی اور حضرت خواجہ نجیب الدین فردوسی سے متعلق بہت کم معلومات بلکہ نا کے برابر اطلاعات مہیا ہیں، اس سلسلے میں مناقب الاصفیاء بھی مایوس کرتی ہے۔ حضرت مخدوم جہاں کی جائے پیدائش، سن پیدائش، تاریخ پیدائش اور یوم ولادت کچھ بھی مناقب الاصفیاء میں درج نہیں۔ حضرت مخدوم کے اباواجداد سے متعلق بھی مناقب الاصفیاء کی خاموشی کھلتی ہے۔ حضرت مخدوم جہاں کے نانا قاضی شہاب الدین کے متعلق بھی صرف ایک سطر کی رسمی اطلاع حیرت انگیز ہے۔ اگر اس جانب صاحب مناقب الاصفیاء نے ایک ذرا مزید توجہ فرمائی ہوتی تو تاریخی و تحقیقی اعتبار سے مزید احسان ہوتا۔ حضرت مخدوم جہاں کی تصنیفات کا جائزہ تو درکنار موجود و دستیاب تصانیف کی کوئی فہرست بھی نہیں پیش کی گئی ہے۔ مکتوبات قدیم (مکتوبات صدی)، معدن المعانی اجوبہ کا کوی اور شرح آداب المریدین کے علاوہ کسی تصنیف کا نام تک مناقب الاصفیاء میں نہیں آیا۔ حضرت مخدوم جہاں کے وصال کے بارے میں بھی مصنف نے وصیت نامہ کے علاوہ مزید کوئی اطلاع فراہم نہیں کی ہے۔ کیفیت نماز جنازہ و تدفین و مابعد تدفین پر بالکل خاموش ہے۔ سیرالاولیاء جس کے نشان راہ پر چل کر مناقب الاصفیاء تالیف ہوئی اگر اس کی بھی پیروی کی گئی ہوتی تو حضرت مخدوم جہاں کے عزیز واقرباء اور خلفاء کے متعلق بڑی نادر معلومات یکجا ہو جاتیں۔ لیکن افسوس مناقب الاصفیاء کے مصنف نے اس جانب خاطر خواہ توجہ نہیں فرمائی۔ یہی کچھ حال حضرت مولانا مظفر بلخی قدس سرہ کے حالات کا بھی ہے۔ اس سلسلے میں ایک اور بات قابل غور ہے کہ مناقب الاصفیاء کا متن حضرت مولانا مظفر بلخی کے واقعہ وصال پر ختم ہو جاتا ہے۔ اگر مخدوم حسین سے متعلق بھی کچھ معاصر چشم دید حالات ضمناً جمع کر لئے گئے ہوتے تو یہ بڑے کار آمد اور بیش قیمت ہوتے۔ لیس للانسان الاماسعی

مناقب الاصفیاء کا یہ ترجمہ

مناقب الاصفیاء کا پہلا اردو ترجمہ عرصہ سے نایاب ہے اسی لئے اس کے اردو ترجمہ کی اشاعت کی مانگ دن بدن شدت اختیار کرتی چلی جارہی تھی۔ رب تعالی کا بے پناہ شکر و احسان ہے کہ اس نے حضرت ڈاکٹر سید شاہ علی ارشد صاحب شرفی کو نہ صرف اس اہم کام کی توفیق بخشی بلکہ اپنے فضل و رحمت سے اسے پایۂ تکمیل تک پہنچادیا۔

مشائخ سلسلۂ فردوسیہ کی تصنیفات و تالیفات کی تفہیم و ترجمہ اور ان کا تذکرہ قلمبند کرنے کی باضابطہ کوشش مناقب الاصفیاء کے صدیوں بعد حضرت جناب حضور سید شاہ امین احمد ثباتؔ بہاری قدس سرہ (م ۱۳۲۱ھ) نے شروع کی اور ان کی اس مبارک کوشش کو ان کے لائق بیٹوں اور پوتوں میں حضرت حافظ شاہ محمد شفیع فردوسی، حضرت شاہ وصی احمد عرف شاہ براتی، حضرت مولانا شاہ الیاس یاسؔ بہاری، حضرت شاہ رشید احمد فردوسی اور حضرت شاہ نجم الدین فردوسی نے مزید تقویت بخشی۔ خانقاہ معظم، بہار شریف سے رسالہ "الامین" جاری ہوا اور اس میں تسلسل سے ملفوظات و مکاتیب کے تراجم شائع ہونے لگے، حلقۂ تصنیف کا قیام عمل میں آیا، اوراد شرفی مرتب ہوئی، مخ المعانی، معدن المعانی، خوان پرنعمت، فوائد رکنی، راحت القلوب اور شرح آداب المریدین کے ایک حصے کا فارسی متن شائع ہوا اور پھر حیات ثباتؔ مرتب ہوئی، جو مناقب الاصفیاء کے بعد فردوسی مشائخ کے سلسلے میں دوسرا اہم ماخذ ہے۔ بدقسمتی سے یہ ابھی تک مخطوطے کی شکل میں منتظر اشاعت ہے۔

حضرت جناب حضور سید شاہ محمد سجاد فردوسیؒ جب خانقاہ معظم کے متبرک سجادہ پر جلوہ افروز ہوئے تو ان کی دور بین نگاہوں نے بہت جلد اس ضرورت کو محسوس کرلیا کہ فارسی سے مشائخ فردوسیہ کا علمی و روحانی سرمایہ اردو میں منتقل ہونا چاہیے۔ چنانچہ اس اہم کام کے لئے ان کی نگاہیں حضرت سید شاہ ابراہیم حسین فردوسی قدس سرہ اور ان کے خانوادے پر بہت صحیح طور پر مرکوز ہوگئیں۔ حضرت سید شاہ ابراہیم حسینؒ نہ صرف مخدوم اور مخدوم زادوں کے عاشق و شیفتہ تھے بلکہ خود بھی خانوادہ شرفیہ کے ایک گل سرسبد تھے اور ذکر و شغل میں محویت کے ساتھ ساتھ عزیزان و اقربا کو مخدوم، و مخدوم زادگان کی تصنیفات کا باضابطہ درس بھی دیا کرتے تھے۔ شاید اسی کا نتیجہ تھا کہ حضرت شاہ ابراہیم حسین قدس سرہ کے دونوں صاحبزادے حضرت ڈاکٹر شاہ محمد نعیم ندوی فردوسیؒ اور حضرت شاہ قسیم الدین احمد فردوسی علیہم الرحمۃ نے تو

گویا مخدوم کی تصنیفات کے ترجمے کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا تھا۔ پاکستان و ہندوستان میں ایک ساتھ ان دونوں بھائیوں کا اس مشن پر دیوانہ وار لگ جانا قابل رشک ہے۔ یہ انوکھی مثال ہے کہ دونوں بھائیوں نے الگ الگ مکتوبات دوصدی کا ترجمہ کیا۔ ایک پاکستان سے شائع ہوا اور ایک دوسرا ہندوستان سے۔ حضرت سید شاہ قسیم الدین احمد فردوسی " نے معدن المعانی، مونس المریدین، فوائد المریدین، عقیدہ شرفی، شرح آداب المریدین (چند اجزاء) اور اوراد دہ فصلی وغیرہ کے تراجم کا گراں قدر کام انجام دیا اور مکتبہ شرف، خانقاہ معظم، بہار شریف نے اسے شائع کر کے پوری علمی و روحانی دنیا پر احسان کیا۔ مناقب الاصفیاء کے اس ترجمے کا سہرا بھی اسی خانوادے کے سر ہے۔ حضرت سید شاہ قسیم الدین احمد فردوسی " کے بڑے صاحبزادے اور جانشین ڈاکٹر سید شاہ علی ارشد صاحب شرفی البلخی الفردوسی مدظلہ العالی نے بڑی محبت اور وارفتگی کے ساتھ اس ترجمے کو انجام دیا ہے۔ موصوف بھی اپنے والد محترم گرامی نیز اپنے دادا حضور ہی کی طرح مشائخ فردوسیہ کی تصنیفات کے تراجم و تحقیق کے لئے وقف ہیں مکتوبات بست و ہشت، خوان پر نعمت، ارشاد السالکین، ارشاد الطالبین اور فوائد رکنی، مکتوبات حسین جیسی گراں قدر کتابوں کا آپ ترجمہ کر چکے ہیں اور یہ سارے تراجم حضرت جناب حضور سید شاہ محمد امجد فردوسی قدس سرہ زیب سجادہ حضرت مخدوم جہاںؒ کی سرپرستی میں شائع ہو کر علمی و روحانی دنیا میں مقبولیت حاصل کر چکے ہیں اور کر رہے ہیں۔

حضرت مخدوم جہاں کے موجودہ سجادہ نشیں جناب حضور مولانا سید شاہ محمد سیف الدین فردوسی دام اللہ فیضہ و ارشادہ کی ذاتی دلچسپی اور اشارے نے مناقب الاصفیاء کے اس ترجمے کی اشاعت میں کلیدی رول ادا کیا ہے۔ جزاک اللہ تعالیٰ خیر الجزاء۔ یہ ترجمہ کئی اعتبار سے گذشتہ ترجمے کے مقابلے میں زیادہ مفید ہے۔ فاضل مترجم نے ترجمے میں ذیلی سرخیوں کے ذریعہ نہ صرف قارئین کی دلچسپی میں اضافہ کر دیا ہے بلکہ واقعات و تذکرے کو تلاش کرنا بھی آسان بنا دیا ہے۔ ترجمے کو عام قارئین کے لئے آسان اور عام فہم بنانے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے۔ زبان سلیس اور رواں ہے۔ عام طور پر فارسی الفاظ اور فارسی تراکیب سے پرہیز کرتے ہوئے اردو میں خوبصورتی کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ جناب ڈاکٹر علی ارشد صاحب مترجم بذات خود فردوسی لٹریچر کے ماہرین میں ممتاز مقام کے حامل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مناقب الاصفیاء کے ترجمے میں تحقیقی لب و لہجے کی جھلک ہے اور ایک تجربہ کار اور پختہ اسلوب بیان ہے۔ فارسی و عربی اشعار کے ترجمے بھی آسان و سہل کئے گئے ہیں۔ اور جا بجا مفید حواشی ثبت فرما کر

فاضل مترجم نے مزید احسان فرمایا ہے۔ آغاز کتاب میں اور تفصیلی فہرست اور اختتام پر اشاریہ بھی ایک گراں قدر خدمت ہے۔ گذشتہ نایاب ترجمہ دو جلدوں میں شائع ہوا تھا جس کی وجہ کر قارئین کو کئی قسم کی الجھنیں درپیش ہوتی تھیں۔ بفضلہ تعالیٰ یہ ترجمہ ایک ہی جلد میں مکمل شائع ہو رہا ہے۔ امید قوی ہے کہ یہ ترجمہ ہر سطح کے قارئین کے لئے مفید و کارآمد ہوگا اور اہل نظر کے لئے ماخذ بھر سے قابل استفادہ ہو جائے گا۔ **فالحمدللہ علی ذلک۔**

رب تعالیٰ کے حضور میں بواسطہ جملہ پیران فردوس دست بدعا ہوں کو اس ترجمے کو اور فاضل مترجم کو قبول فرمالے۔ خانقاہ معظم کو ہر لمحہ ایک زندگی و تابندگی بخشتا ہے تا کہ ایسا مفید لٹریچر اس کے مکتبۂ شرف کے ذریعہ بھی دنیا کو حاصل ہوتا رہے اور بالخصوص فاضل مترجم کی صحت و تندرستی، جوصد و توفیق اور شوق و وجدان میں خوب خوب برکتیں عطا فرمائے جس کے نتیجے میں ان کے ذریعہ چل رہے تراجم کا سلسلہ جاری و ساری رہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس ترجمے کے ذریعہ قارئین کو بھی مشائخ کرام کی سیرت طیبہ کے ساتھ شغف عطا فرمائے اور ان کی محبت واطاعت سے نوازے۔ آمین ثم آمین!!

پروفیسر سید شاہ شمیم الدین احمد منعمی
سجادہ نشین خانقاہ منعمیہ قمریہ، میتن گھاٹ، پٹنہ سیٹی
صدر شعبۂ عربی، اورینٹل کالج، پٹنہ سیٹی

تمہید مؤلفؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الذی ملک نفوس العابدین فصرفها فی خدمته و صدق قلوب العارفین فشرفها بمعرفته واحاط عقول القاصدین فتیمّها و شاهد اسرار الواحدین فهیّمها واستوی اشباح من عبده فلاطفها بنواله و فضاله و استوی علی ارواح من حبه فکشفها بعت جلاله و وصف جماله والصلوٰة علی حبیبه الذی محبة ذرء ما کان ومولاه ما کان و کوشف بتجلیات الجمال و بسع فیها غایات الکمال و لقد رائی من ایات ربه الکبری ثم دنی فتدلی فکان قاب قوسین او ادنی فاوحی الی عبده ما اوحی و رضوان اللہ علی السابقین الاولین من المهاجرین و الانصار الذین لوّح فی قلوبهم طوالع الانوار و قطع اسرارهم عن شهود الاغیار و افرد قصودهم عن دنس الاثار المبتغین من الفضل والرضوان وعلی الذین اتبعوهم باحسان و السلام علیٰ شرذمة من رجال اللہ بعدهم الی هذ الاوان واللاحقین بهم ثم فتم فی اخر الزمان رجالٌ دعاهم النبی بالاخوان الذین ترقوا عن منازل الطلب و الاستدلال الی ساحات الاتصال و مقامات الوصال حبهم فی حبهم ما هدهم رسول اللہ فی قوله واشوقا الیهم صلی اللہ علیه وعلیهم

ترجمہ

ساری تعریف اللہ پاک کی شایان شان ہے جو عابدین کے نفوس کا مالک ہے اور انہیں اپنی بندگی میں لگا رکھا ہے عارفین کے دلوں کو اپنی محبت عطا کر کے انہیں اپنی معرفت سے نوازا

سالکین و حالسین کی عقلوں کو اپنی گرفت میں لے کر انہیں پایۂ تکمیل تک پہنچایا اور عاشقین کے اسرار و رموز کا مشاہدہ کر کے انہیں اپنی نظر عطا کی اور اپنے عبادت گزار بندوں کے ظاہر کو درست کر کے انہیں اپنی داد و دہش سے اور مہربانیوں سے نوازا اور اپنے محبین کو خصوصی قربت سے نواز کر اپنے جلال و جمال کے وصف سے انہیں باخبر کیا اور اللہ کی رحمت کاملہ نازل ہو اس کے حبیب حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر جو اللہ کے محبوب ہیں، جو ساری مخلوق میں برگزیدہ ہیں اور ساری کائنات جن کی مطیع و فرمانبردار ہے۔ جن کے سامنے جمال خداوندی کی تجلیات کھول دی گئی ہیں اور آپ ان میں درجۂ کمال کو پا چکے ہیں۔ اور بیشک آپ نے پروردگار کی قدرت کے بڑے بڑے عجائبات دیکھے۔ پھر وہ جلوہ نزدیک ہوا پھر خوب اتر آیا، تو اس جلوے اور محبوب میں دو ہاتھ کا فاصلہ رہا بلکہ اس سے بھی کم۔ پھر وحی فرمائی اپنے بندے کو جو وحی فرمائی ۔ اور اللہ کی رضامندی ہو سابقین، اولین، مہاجرین اور انصار پر جن کے دلوں کو انوار و تجلیات سے معمور کر دیا گیا ہے اور اغیار کو دیکھنے سے جن کے اسرار منقطع کر دیے گئے ہیں اور ان لوگوں پر بھی جو اللہ کے فضل و رضامندی کے طالب ہیں اور جن کے ارادوں کو ملامتوں کی گندگیوں سے الگ کر دیا گیا ہے۔ اور ان لوگوں پر بھی اللہ کی رضامندی ہو جو اخلاص کے ساتھ اُن کی اتباع کرنے والے ہیں اور سلام ہو ان کے بعد آج تک اللہ والوں کی جماعت پر اور ان کے تابعین اور تبع تابعین پر اور یکے بعد دیگرے آخری زمانے تک آنے والوں پر۔ یہ ایسے لوگ ہیں جن کو رسول اکرم نورِ مجسم ﷺ نے بھائی کے لقب سے یاد کیا جو طلب و استعداد سے ترقی کر کے اتصال و وصال کے مرتبے تک پہنچ چکے ہیں جن کی محبت میں ان سابقین کی محبت ہے جیسا کہ حضور نبی کریم ﷺ نے اپنے فرمان میں رہنمائی کی ہے کہ مجھے اپنے بھائیوں سے ملاقات کا بے حد شوق ہے اور اپنے کلام میں ان کے تذکرے کو شرف بخشا ہے کہ ان سے ملاقات کا مجھے بے حد شوق ہے۔ درود و سلام ہو آپ ﷺ پر اور ان تمام پر۔ صلی اللہ علیہ و علیہم

اما بعد! شیخ الاسلام والمسلمین حضرت مخدوم بدر الحقیقۃ والدین شیخ حسین معز شمس بلخی متع اللہ المومنین بطول بقائہ و ادام علیہم نعمۃ لقائہ کے پیروں کا یہ شجرہ حضرت کے مریدوں کی نجات کا ذریعہ اور ہدایت و رہبری کا سبب ہے۔ آپ کے وابستگان نے اس شجرہ طیبہ کو حبل متین سمجھ کر مضبوطی کے ساتھ پکڑ لیا ہے اور اس کو اپنے ایمان و اسلام کا سرمایہ بنا لیا ہے۔ اس

بات پر ان کو جو فخر و ناز ہے اس کا شور و غوغا ملائکہ مقربین اور ملائے اعلیٰ تک پہنچ چکا ہے۔ یہ دونوں جہاں میں سر افتخار کیوں بلند نہ کریں یہ تو اس کے مستحق ہی ہیں اس لئے کہ انہوں نے بڑ مضبوط حلقہ تھام لیا ہے فقد استمسک بالعروۃ الوثقیٰ (البقرہ ۲۵۶) اور اس شجرہ طیبہ کو ان لوگوں نے اپنا نصب العین بنا لیا ہے، جس کے بارے میں کہا گیا ہے اصلھا ثابت وفرعھا فی السماء (ابراہیم ۲۴)۔ (جس کی جڑ قائم اور شاخیں آسمان میں)۔ خاص طور پر اس زمانے میں جب کہ جھوٹے دعویداروں اور تصنع کرنے والوں نے ساری دنیا میں فسق و فجور اور جھوٹ و مکر کی آلودگیوں سے تاریکی پھیلا دی ہے، ایسے پرفتن دور میں بارگاہ خداوندی کے ان برگزیدہ بندوں کی بابرکت و سعادت بخش ہستیوں کے طفیل شجرۂ طیبہ کا فیضان عام ہوا کوکب دری یوقد من شجرۃ مبارکۃ ـــ النور ۳۵ (جیسے ایک ستارہ چمکتا ہوا تیل جلتا ہے اس میں ایک برکت کے درخت کا)۔ یہ شجرہ مبارکہ ان نیک بخت اور خوش نصیب غلاموں کے لئے نور ہی نور بن کر آیا جن کی قسمت میں عنایت ازلی لکھدی گئی ہے ان غلاموں نے اس نور سے رہنمائی کا کام لیا۔ اور اس کی روشنی میں چل کر حضرت شیخ کے قدموں میں خود کو پہنچا دیا اور بارگاہ مخدوم سے شرف قبولیت کی سند حاصل کر لی۔ یھدی اللہ لنورہ من یشاءُ ـــ النور ۳۵ (اللہ اپنے نور کی راہ بتاتا ہے جسے چاہتا ہے) اس قبولیت کا جتنا شکرانہ ادا کریں وہ جائز ہے اس کے لئے وہ حق بجانب ہیں۔ ان کے غلاموں نے رات دن دل سے اور زبان سے اس شجرہ کو اپنا وظیفہ بنالیا ہے اور اس کو وہ اپنا قبلۂ جاں و کعبۂ امن و اماں سمجھتے ہیں۔

لیکن اس شجرہ طیبہ کے اکثر وابستگان اپنے پیروں کی جائے پیدائش اور ان کے احوال و واقعات سے بہت کم واقفیت رکھتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے صدیقوں اور پاک بازوں نے اللہ تبارک و تعالیٰ کی عبادت و ریاضت خلوت میں رہکر اور وحدت کے پردہ میں چھپ کر کی ہے۔ اس لئے غیرت الٰہی کے سلطان نے بھی اپنی بارگاہ کے ان نازنینوں کو چھپا کر رکھا ہے تاکہ اغیار کی نظر سے محفوظ رہیں۔

(اکابرین فردوس کے) متوسلین اپنے مشائخ کے احوال و آثار سے متعلق واقفیت حاصل کرنا چاہتے اور اس سلسلہ میں وہ سوالات بھیجتے۔ اس لئے اس تذکرہ اور تحریر کے مؤلف نے (اللہ اس کی غلطیوں کو درگزر فرمائے) اس شجرہ طیبہ کے تمام پیروں کی جائے پیدائش، احوال و

کیفیات، نسبت و ہدایت تصوف کے معاملات، مناقب و کلمات اور تاریخ وفات وغیرہ کو جہاں تک ممکن ہو سکا ان اوراق میں جمع کر دیا اور اس کتاب کا نام مناقب الاصفیاء رکھا ہے تاکہ جس کو بھی ان اکابرین کے احوال و مناقب جاننے کی خواہش ہو وہ اس کتاب کا مطالعہ کر کے اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کرے اور اس فقیر مؤلف کے لئے سلامتی ایمان کی دعا کرے۔

احوال واقعی کا اظہار جو ہمارا مقصد ہے اس کو پیش کرنے سے پہلے ایک مقدمہ بھی شامل کر دیا ہے جس میں اس شجرہ طیبہ کے مشائخ کرام کی روش، ان کے مذہب و روش پر مریدوں کی تقلید و اتباع، اعتقاد کا صحیح معنی مشائخ کے مناقب اور مریدوں پر غیرت پیر کے مفہوم کو بیان کیا گیا ہے تاکہ ان مشائخ عظام کی روش، ان کے غلاموں کے عقیدہ اور اس کتاب کے سبب تالیف کا حقیقی مقصد بھی ظاہر ہو جائے۔

المقدمہ

مشائخ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو مختلف طریقوں اور متعدد واسطوں سے سند صحبت اور خرقہ ارادت حاصل ہے اور مشائخ کرام کے تمام شجارٔ کی سند چاہے وہ جس واسطے سے بھی ہو حضرت محمد ﷺ تک پہنچتی ہے یعنی ہر شجرہ حضور ﷺ سے جا کر مل جاتا ہے۔ ہاں اس شجرۂ طیبہ (یعنی شجرۂ فردوسیہ) کی تو بات ہی کچھ اور ہے۔ اس کی سند بے انتہا اعلیٰ، اور اس سلسلہ کا نظم و طریقہ سب سے ممتاز ہے۔ اس شجرہ مبارکہ کے مشائخ ساری دنیا کے مشائخ کرام میں ممتاز مقام رکھتے ہیں اور ان صدیقوں کی روش دوسرے تمام خانوادوں کے مشائخ زاہدوں عابدوں اور صالحین سے ممتاز ہے۔ عشق و محبت، توحید و معرفت کے بیان میں ان بزرگوں کے کلمات و ارشادات اس قدر لطیف و اعلیٰ مرتبہ ہیں کہ یہ بات اور دوسرے کلمات کو حاصل نہیں۔ خلاصہ یہ کہ اس شجرہ طیبہ کا اپنا ایک الگ رنگ ہی ہے جو اور دوسری جگہ نہیں ملتا۔ صبغۃ اللہ و من احسنُ من اللہ صبغۃً — بقرہ ۱۳۸ (رنگ دیا ہے ہم کو اللہ نے اور کون ہے بہتر خدا سے رنگ میں)۔

سلسلۂ فردوسیہ کے ان مشائخ عظام کے غلاموں اور متوسلین کی روش، ان کا اعتقاد اور ان

کا طریقہ بھی دوسروں کی روش اور طریقے سے بالکل مختلف اور ممتاز ہے۔ جو ان مشائخ میں سے
کسی ایک سے بھی ظاہری ومعنوی نسبت رکھتے ہیں ان کے بارے میں کیا کہا جا سکتا ہے اور ان
کی روش اور اعتقاد کے متعلق کون کلام کر سکتا ہے۔

ذرہ بود بخورشید رسید   قطرہ بود بدریا پیوست

(وہ ایک ذرہ تھا خورشید تک اس کی رسائی ہوگئی وہ تو ایک قطرہ تھا جو دریا میں مل گیا)۔

وہ لوگ جو ظاہری طور پر ان اکابرین سے وابستہ ہوتے ہیں اور عقیدہ و اعتقاد رکھتے ہیں
انہوں نے بھی اپنے حسن اعتقاد کے بلے سے سعادت و نیک بختی کی گیند کو دولت کے میدان
سے آگے بڑھا دیا ہے۔

معلوم ہے اعتقاد کیا ہے؟ اعتقاد لغت میں اس بات کو کہتے ہیں جو محبت کی وجہ سے دل
میں آجائے اور قرار پکڑ لے۔

صوفیائے کرام کی جماعت میں پیر سے محبت یہ ہے کہ مرید کے دل میں پیر کی محبت پیدا
ہو جائے۔ اس کا دل پیر کی عظمت کی طرف متوجہ و مشغول ہو جائے یعنی پیر کی عظمت مرید کے
دل پر پوری طرح بیٹھ جائے۔ اور اس کی توجہ پیر ہی کی طرف ہو۔ یہ ایک خاص لطیفہ ہے جو خدا
کی طرف سے کسی صاحب دولت یعنی قسمت والے کو ہی عنایت ہوتا ہے۔ جس کو اس اعتقاد کی
دولت ہاتھ آئی اس کو سب کچھ مل گیا۔ اور جو اس سے محروم رہا اس کو کچھ بھی نہیں ملا۔ حضرت محمد
رسول ﷺ نے اس اعتقاد کی شان میں فرمایا ہے ما فضل علیکم ابو بکر بکثرۃ صوم
ولا صلوٰۃ ولکن بما وقر فی صدرہ (ابو بکر کو تم لوگوں پر جو فضیلت حاصل ہے وہ نماز اور
روزہ کی کثرت کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ یہ اس نعمت عظمیٰ کی وجہ سے ہے جو ان کے دل کو
حاصل تھی یعنی محبت وعظمت رسول کا نیر تاباں ان کے افق دل پر درخشاں تھا)۔

معلوم ہوا کہ طالبوں کے مقصود کی انتہا، مریدوں کے مطلوب کا خلاصہ، دولت ابدی کا
مرکز، اور سعادت سرمدی کا سرمایہ بس یہی اعتقاد ہے اور اس کے مراتب و درجات کی کوئی انتہا
بھی نہیں ہے۔ ان صدیقوں کے وابستگان کی روش کا مطالعہ کرنے اور اس سے متعلق جو کچھ لکھا
جا رہا ہے اس کو پڑھنے سے ان کے اعتقاد کا ادنیٰ درجہ معلوم ہو جائے گا۔ اس سلسلہ کے اکابرین

کے غلاموں کی یہ روش ہے کہ وہ پیر کو اللہ کا خلیفہ اور حضرت محمد ﷺ کا قائم مقام تصور کرتے ہیں۔ اور جو حسن ادب نبیؐ کے لئے جائز سمجھتے ہیں وہی پیر کے ساتھ برتتے ہیں۔ شرعی امور میں بھی پیر کی اجازت کے بغیر کچھ نہیں کرتے اور پیر کو ہی اپنی نجات کا ذریعہ جانتے ہیں۔ ان کو امام ابو حنیفہؒ کے اقوال اور امام شافعیؒ کے مذہب سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ کہا جاتا ہے کہ مذہب کو اختیار کرنے میں مرید کو ایسا ہونا چاہیے کہ وہ اپنے کفر ایمان اور دین و مذہب سب کو پیر کی بارگاہ ارادت میں اس طرح ڈال دے کہ وہ مفلس و بے مایہ ہو کر رہ جائے۔ اگر یہ بات حاصل نہیں ہوئی تو پھر پیر کو محیط احدیت سے آیا ہوا سمجھے گا وہ تو اس دولت سے محروم رہ جائے گا۔

ہر چہ اوکرد کردۂ حق داں، ہر چہ اوگفت رازِ مطلق داں

(پیر کے عمل کو اللہ کا عمل سمجھو اور پیر کی باتوں کو اللہ کا راز تصور کرو)

پیر کو مجتہد کے درجہ میں سمجھنا چاہئے اور دین کے اصول و فروغ میں اسی کی اتباع و پیروی کرنی چاہئے۔ اگر مرید سے پوچھا جائے کہ کس مذہب پر ہو تو مریدی کا ادب یہ ہے کہ وہ یہ جواب نہ دے کہ میں شافعی مذہب کا ماننے والا ہوں یا امام ابوحنیفہ کے مذہب کا پابند ہوں۔ تاکہ غیرت پیر کے غصہ سے محفوظ و مامون رہ جائے۔ اس لئے کہ غیرت پیر دراصل غیرت الٰہی کا پرتو ہے اگر مرید نے پیر کی اجازت کے بغیر شرعی امور اور دینی کاموں میں امام ابوحنیفہ یا امام شافعی کے اقوال و اصول پر عمل کر لیا تو غیرت پیر کی سیاست کا تازیانہ لگنے میں دیر نہیں ہوگی۔ ہلاکت میں ڈالدئے جانے کا خطرہ لگا ہوا ہے، رد و انکار کی تلوار اس وقت سر پر لٹکتی ہوگی۔ اور پھر وہ انوار ہدایت سے محروم بھی کر دیا جائے گا۔ اور یہ ویسی بات نہیں جیسا کہ لوگ کہتے یا سمجھتے ہیں کہ مرید پیر کے عتاب میں پڑ گیا۔ معاذ اللہ اللہ نے کرے کوئی پیر کے عتاب میں پڑے۔ یہ سب جاہلوں کا عقیدہ ہے۔ پیر تو سراپا رحمت ہی رحمت ہوتے ہیں۔ چوں کہ یہ سارے جہاں کیلئے رحمت بنکر آتے ہیں اس لئے مخلوق کو ان سے رحمت و نعمت ہی ملتی ہے، ہاں! جب مرید سے کوئی ایسی حرکت صادر ہو جائے جس سے پیر کے دل کو تکلیف پہنچ جائے تو یہ مرید کے لئے افلاس کا سبب ہوتا ہے۔ اس لئے کہ غیرت الٰہی حرکت میں آجاتی ہے۔ دریائے جلال جوش میں آجاتا ہے۔ اور عتاب الٰہی کا گھڑیال اس مرید کو اپنا شکار بنا لیتا ہے۔ اور یہ سب جو

کچھ ہوتا ہے وہ پیر کے ارادہ اور خواہش سے نہیں ہوتا۔ یعنی ایسا نہیں ہوتا کہ پیر مرید کو ہلاکت میں ڈال دینا چاہتا ہے اس لئے کہ پیر تو اشفق الناس علی خلق اللّٰہ ہوتے ہیں وہ تو اللہ کی ساری مخلوق پر سب سے زیدہ شفقت فرماتے ہیں۔ وہ تو سراپا رحمت ہیں اور بادشاہوں کو اپنی بیگمات پر جتنی غیرت ہوتی ہے اس سے کہیں زیدہ پیروں کو اپنے مریدوں پر غیرت ہوتی ہے۔ اور غیرت پیر سے متعلق متقدمین و متاخرین کے بہت سارے واقعات موجود ہیں اور شرع شریف میں بھی اس کی سند ملتی ہے۔ ایک بار صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تشریف فرما تھے اور اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دست مبارک میں کاغذ کا ایک ٹکڑا تھا جس پر توریت کی عبارت درج تھی جب رسول خدا ﷺ جلوہ افروز ہوئے اور آپ کی نگاہ مبارک حضرت عمرؓ کے ہاتھ کے اس کاغذ پر گئی تو آپ کا چہرہ متغیر ہوگیا اور آپ نے فرمایا کہ ''کیا تم لوگ بھی یہود و نصاریٰ کی طرح بے احتیاطی کی وجہ سے مشکل میں پڑنا چاہتے ہو یعنی اپنے دین کو برباد کرنا چاہتے ہو۔ اللہ کی قسم! اگر اس وقت موسیٰ اس روئے زمین پر ہوتے تو ان کو بھی یہ ہمت نہیں ہوتی کہ اپنے مذہب پر رہتے بلکہ میری ہی اتباع کرتے۔'' حضور ﷺ کا یہ ارشاد گرامی سنکر حضرت عمر نے توبہ کی اور اس کاغذ کو ڈالدیا۔

اب یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب یہ بات طئے ہوگئی کہ مرید کو پیر کے مذہب پر ہونا چاہئے تو پھر پیر کس مذہب پر ہوگا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ پیر بشری عقل اور انسانی وہم وگمان کی پہنچ سے پرے ہوتا ہے۔ پیر کے معاملات معمولی عقل و سمجھ کے ترازو پر تولے نہیں جا سکتے۔ پیر کے اعمال و افعال بے وقعت اور معمولی نہیں ہوتے بلکہ ان کے بارے میں تو ارشاد خداوندی ہے کہ ''میں ان کی آنکھ ہو جاتا ہوں، اور میں ان کا کان بن جاتا ہوں'' ان کے معاملات کا تعلق ہی دوسرے عالم سے ہے۔ یہ تو محققانہ جواب ہوا۔ لیکن عوام کو مطمئن کرنے کے لئے یہ جواب دیا جائے گا کہ پیر بھی تو کسی کے مرید ہوتے ہیں اور ان کے بھی کوئی پیر ہوتے ہیں دین و مذہب کے اصول و فروع میں وہ پیر اپنے پیر کی اتباع و پیروی کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ یہ سلسلہ حضرت محمد رسول ﷺ تک پہنچ جاتا ہے۔ عوام کا یہ خیال کہ پیر چاروں مذاہب میں سے کسی ایک کے متبع ہوتے ہیں بالکل غلط ہے ہرگز ہرگز ایسی بات نہیں۔ پیر جب کشف و مشاہدہ کی منزل میں ہوتے ہیں تو پھر

ان کے لئے علمائے ظاہر کی اتباع جائز نہیں ہے اور یہی سلف صالحین یعنی اگلے بزرگوں کی روش بھی ہے (اللہ تعالیٰ ان پر رحمتوں کا نزول فرمائے)۔ قوت القلوب میں آیا ہے کہ بزرگان سلف کی یہ روش رہی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ ان پر معرفت اور علم الیقین کا انکشاف فرماتے ہیں تو علماء میں سے کسی کی بھی پیروی اپنے لئے جائز نہیں سمجھتے وطريقة السلف اذا كاشفه الله بالمعرفة و علم اليقين لا يسعه تقليد احد من العلماء لیکن فروعی مسائل میں احتیاط سے کام لیتے ہیں۔ اسی وجہ سے کبھی ان کا عمل امام ابوحنیفہ کے قول کے مطابق ہو جاتا ہے اور کبھی امام شافعی کے قول سے مطابقت ہو جاتی ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ مرید پیر کے مقام کو نہ سمجھ سکتا ہے نہ اس کے معاملات تک اس کی رسائی ہو سکتی ہے مرید کے پاس وہ دل ہی نہیں ہوتا جس میں وہ پیر کے بارے میں غور و فکر کر سکے اور نہ وہ زبان ہوتی ہے جس سے پیر کی منقبت بیان کر سکے۔

لب سعدی و دهانش زکجا تا بکجا   ایں قدر بس کہ رود نام لبش بر دہنم

(سعدی کا ہونٹ اور اس کا دہن، کہاں یہ اور کہاں وہ۔ ہاں! یہ بھی کم نہیں ہے کہ اس کے لب کا ذکر میرے ہونٹ پر ہے)۔

صوفیائے کرام کے کلمات اس بات پر شاہد ہیں کہ مرید پیر کی منقبت بیان کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ ہاں! اگر اس کے شب و روز میں سے کسی وقت بھی ان کا دل عظمت پیر کے احساس سے خالی رہ گیا تو وہ اس کو گناہ کبیرہ سمجھتے ہیں جو ان کے کتوں کی ڈور میں بندھ گیا اور جو ان کی بارگاہ کے غلاموں میں شامل ہو گیا وہ ان کے ذکر کے بغیر طمانیت اور ان کی مدح کے بغیر تسکین نہیں پا سکتا۔ ایک طرف تو مرید کا یہ حال ہوتا ہے اور دوسری طرف پیر کی عظمت و حقیقت تک مرید کی رسائی بھی ممکن نہیں۔ بیچارہ مرید جو ہوا و ہوس کی تاریکیوں میں گھرا ہوا ہے اور آلائش دنیاوی کی پستی کی جانب مائل ہے وہ مشائخ کے باطنی احوال کی بلندیوں کا ادراک کہاں حاصل کر سکتا ہے۔ وہ احوال جن کے متعلق ارشاد گرامی ہے لی مع اللہ وقت (میرا اپنے رب کے ساتھ خاص وقت ہوتا ہے)۔

ایسی صورت میں بیچارہ مرید کیا کرے۔ ان کے ظاہری احوال و آثار کو مشعلِ راہ بنائے گا اور ان ہی کے تذکرہ و طلب میں مشغول ہوگا۔ اس فقیر مؤلف نے شجرہ طیبہ کے پیروں کے

احوال و آثار کی جو تلاش و جستجو کی ہے اس کوشش میں بھی درحقیقت یہی جذبہ کار فرما ہے

گر نتوانم شکر خریدن می‌توانم / بارے مگس از تنگ شکر می‌راندن

(اگر میں شکر کی بوری خرید نہیں سکتا، شکر کی بوری سے مکھی تو ہٹا سکتا ہوں۔)

جو باتیں قابلِ اعتبار کتابوں میں نظر آئیں اور لائق اعتبار شخصیتوں سے سنی گئیں جن کی صحت و روایت پر پورا بھروسہ ہوا ان سب کو اس کتاب میں جمع کر دیا ہے تاکہ ... ان کے تاریخیوں کا کچھ تذکرہ ہو جائے۔ اس فقیر کو جو من تشعب به الهموم (... میں الجھ کر رہ گیا) کی وادیوں میں بھٹک رہا ہے پیروں کا یہ تذکرہ سعادت کی راہ میں اس کے لئے نشانِ منزل بن جائے۔ اس کو بھی معمولی دولت نہ سمجھی جائے۔ اس لئے کہ اللہ کے دوستوں کا ذکر بھی حقیقت میں اللہ ہی کا ذکر ہے۔ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے اسی معنی میں فرمایا ہے عند ذکر الصالحين تنزل الرحمة (اچھے لوگوں کے تذکرہ کے وقت رحمت الٰہی کا نزول ہوتا ہے)۔ اللہ تعالیٰ اس فقیر مولف پر بھی اپنی رحمتوں کی بارش فرمائے اور اس دولت و نعمت کی برکتوں سے محروم نہ رکھے۔

ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ اس کتاب کی کسی بات سے کسی طالب صادق کا وقت خوش ہو جائے اور اس کتاب کو پڑھ کر انبساط و مسرت حاصل ہو جائے تو یہ بھی اس فقیر مولف کی نجات کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ اس لئے کہ حضرت یحییٰ عمار کا واقعہ مشہور ہے، حضرت یحییٰ عمار ہری کے امام اور شیخ عبداللہ انصاریؒ کے استاد تھے۔ جب آپ کی وفات ہوئی اور لوگوں نے آپ کو خواب میں دیکھا تو دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیسا معاملہ کیا؟ آپ نے فرمایا کہ مجھ سے اللہ تعالیٰ نے کہا کہ اے یحییٰ! میں تمہارے ساتھ سختیوں سے پیش آتا لیکن ایک روز تم کسی مجلس میں میری حمد و ثنا کر رہے تھے، اس طرف میرے ایک دوست کی گزر ہو گئی اور تمہاری زبان سے حمد و ثنا کے دو کلمات سن کر میرے اس دوست کا دل خوش ہو گیا۔ بس اسی دوست کی خوشی کے صدقہ میں تم کو معاف کر دیا۔ نہیں تو تمہارے ساتھ وہ کرتا کہ تم دیکھتے۔

اے بار الٰہا! اس فقیر و مفلس کو جو تیرے دوستوں کا دامن تھامے ہوئے ہے اپنی بارگاہ امید سے ناامید نہ لوٹا۔ اور مشائخین کے غلاموں کے صدقہ مغفرت فرما۔ انک بالا جابة

جدیر و علی ما تشاء قدیر (بیشک قبولیت کا حق تجھ ہی کو ہے اور جو تو چاہتا ہے اس پر قادر ہے)

اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کی محبت اور اپنے ولیوں کی اتباع و پیروی کی توفیق عطا فرمائے۔

سنئے اصحاب، تابعین اور تبع تابعین کے بعد مشائخ کے دو طبقے ہوئے۔ ایک جبقہ تو عراق، عرب اور بغداد میں ابھرا ان میں سے اکثر بغداد ہی میں رہے اور وہیں ان کی آرام گاہ بھی ہے اسی لئے بغداد کو ''برج اولیا'' کہتے ہیں وہ شیخ جنید بغدادیؒ کا زمانہ ہے۔ وہ بزرگان جن کا ذکر فریدالدین عطارؒ نے تذکرۃ الاولیاء میں کیا ہے اور حضرت شیخ علی عثمان جلالی نے کشف المحجوب میں کیا ہے وہ سب بھی اسی زمانہ میں تھے اور اپنے عہد کے پیر طریقت و شیخ وقت گزرے ہیں۔

دوسرا طبقہ ان بزرگوں کا ہے جو عراق عرب[1]، عراق عجم[2]، خراسان، ماوراالنہر کے شہروں خوارزم، ھمدان اور طوس وغیرہ میں مسند رشد و ہدایت پر جلوہ افروز تھے، اور وہ حضرت خواجہ نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ کا زمانہ ہے شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردی، شیخ محمد برکہ، امام محمد غزالی اور شیخ محی الدین عربی بھی اسی زمانہ میں تھے۔

یہ بات بھی واضح رہے کہ ان دونوں عہد میں جو بزرگان بھی توحید و معرفت اور عشق و محبت کی اعلیٰ منزلوں پر فائز رہے اور بلند مقامات پر متمکن ہوئے وہ سب کے سب اسی شجرۂ طیبہ کی شاخ ہیں اور کہیں نہ کہیں سے اسی شجرہ سے وابستگی رکھتے ہیں۔ اور جو اس شجرہ سے وابستگی نہیں رکھتے ان کے اندر تنظیم نہیں ہے۔ ہر ایک بزرگ کا تذکرہ اور اس شجرہ سے ان کو پہنچنے والی نسبت و سند کی تفصیل اگر لکھی جائے تو یہ کتاب بہت طویل ہو جائے گی اور کئی جلدوں میں اس کی شرح ہوگی۔ ہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ وہ بزرگانِ دین جن کے کلمات توحید و معرفت کے بیان میں بے انتہا بلند اور شہرۂ آفاق ہیں۔ مثلاً خواجہ بایزید بسطامی، حسین منصور حلاج شیخ فریدالدین عطار، مولانا جلال رومؒ، قاضی عین القضات ھمدانی مصلح الدین شیخ سعدی شیرازی، قاضی حمیدالدین ناگوری اور شیخ شرف الدین پانی پتی رحمۃ اللہ علیہم ان میں سے ہر ایک اسی شجرہ طیبہ کے مشائخ میں سے کسی نہ کسی سے نسبت و سند رکھتے ہیں اور جن کو جس بزرگ سے نسبت پہنچی ہے ان کے تذکرہ میں یہ بات سامنے آجائے گی۔

---

[1] جو ملک دریائے دجلہ و دریائے فرات کے کنارے پر ہے اسے عراق عرب کہتے ہیں

[2] جو ملک دریائے جیحون کے کنارے پر ہے اسے عراق عجم کہتے ہیں۔

اس کتاب میں شجرۂ فردوسیہ کے جن اکابرین کا تذکرہ کیا جا رہا ہے ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

شجرہ

خداوندا[1] بحق خاک آں پاک — محمد تاجدار تخت لولاک
خداوندا بعلم شاہ مرداں — ولی حق علی آں شیر یزداں
خداوندا بحق خاک آں شاہ — حسین ابن علی مقبول درگاہ
خداوندا بزیب ماہتابی — کہ زین العابدیں دارد خطابی
خداوندا بہ نطق رہبرجاں — محمد باقر اندر علم عرفاں
خداوندا بصدق آں یگانہ — کہ خواندش جعفر صادق زمانہ
خداوندا بحکم شیخ راحم — شہی عیشی نفس موسی کاظم
خداوندا بگیسوئے شہ دیں — علی موسیٰ کہ آں مرد رضادیں
خداوندا بشوق پیر موصوف — رئیس کرخ عرفاں خواجہ معروف
خداوندا بشوق سروری بود — سری کا ندر رہ بینش سری بود
خداوندا بذوق شاہ تلویں — جنید آں قبلۂ بغداد تمکیں
خداوندا بلطف معرض ازحور — جہانِ معرفت ممشاد دینور
خداوندا بحق مرد چالاک — نبی وش احمد دینوری پاک
خداوندا بحق پیر احبار — محمد ابن عبد اللہ دیں دار
خداوندا بوجہ الدیں ابوحفض — علمہا زیر علمش منکسر حفض
خداوندا بشیخ ضیاء دینی — مہی تابندہ براوج یقینی
خداوندا بنور مہر معنی — سپہر فیض نجم الدین کبری
خداوندا بذوق شاہ ابدرز — جہان عشق سیف الدین باخرز
خداوندا بحال خود نماندہ — ملک بدر سمر قندیش خواندہ
خداوندا بقرب شیخ کامل — شہ دیں رکن فردوسی واصل
خداوندا بشیخ قطب اقطاب — نجیب الدیں کہ دیں روشد شرفیاب
خداوندا بشرف الدیں احمد — کہ قدمش بود بر قدم محمد؟
خداوندا بذکر شاہ تجرید — مظفر مظہر برہان تفرید

---

[1] یہ اشعار مطبوعہ نسخہ میں نہیں ہیں۔ لیکن میرے پاس دو قلمی نسخے ایسے ہیں جن میں یہ اشعار موجود ہیں، مطبوعہ میں صرف اسمائے گرامی آئے ہیں۔ (مترجم)

جن بزرگوں کے احوال اس کتاب میں آئیں گے ان کے ناموں کی فہرست کی جگہ پر منظوم شجرہ لکھدیا گیا ہے۔

نام خوباں بر زباں من گذشت　　شد دھن شیریں، چہ شیریں نامہا ست

(ان حسینوں کے نام کتنے میٹھے نام ہیں کہ جیسے ہی میری زبان پر آئے میرا منہ میٹھا ہو گیا۔)

شجرۂ طیبہ کا جو اصول و طریقہ ہے اس کے مطابق سب سے پہلے حضرت مخدوم شیخ مظفر اور ان کے بعد حضرت شیخ جہاں شرف الحق والدین قدس اللہ اسرارھم کے تذکرہ سے ابتدا کی جاتی لیکن یہ جرات نہیں ہو سکی کہ ان مشائخ کے مناقب و احوال سے شروع کروں اور نہ اس بات کی ہمت ہوئی کہ حضرت محمد رسول ﷺ کے ذکر خیر سے پہلے بزرگان دین کے مناقب بیان کروں۔ حضور ﷺ کے ظاہری احوال میں بزرگوں نے بہت کچھ کہا ہے اور کتابوں میں تحریر کیا ہے۔ ان کے نقل اور ترجمہ کو وسیلہ بنا کر آپ کا آپ کے اہل بیت کا بزرگان سلف کا تذکرہ شروع کر رہا ہوں تاکہ آپ کے صدقہ و طفیل میں جو تمام وسیلوں میں سب سے بہتر و افضل وسیلہ ہے حضرت مخدوم شیخ جہاں کا تذکرہ آسان ہو جائے۔

حضرت رسول خدا ﷺ کی ولادت ہجرت اور وفات کی تاریخ میں مورخوں کا بہت اختلاف ہے اور مختلف روایتیں ملتی ہیں۔ یہاں پر صحیح روایت کو ترجیح دی ہے اور دوسری روایتوں کو چھوڑ دیا ہے تاکہ طوالت سے بچا جائے اور جہاں پر صحیح اور مستند روایت نہیں ملی وہاں پر ضرورتاً روایت و اقوال کے اختلاف کا ذکر کر دیا ہے۔ اور مشائخ کرام کی جائے پیدائش، تاریخ وفات، قیام گاہ، اور ان کے ظاہری معاملات کی ابتدا و انتہا سے متعلق تلاش و تحقیق کے بعد جو کچھ دریافت کر سکا اس کو یہاں تحریر کر دیا ہے اور جو کچھ تذکرہ میں نہیں آ سکا اس کو میری غفلت اور بھول پر محمول کیا جائے۔ حضرت شیخ کے غلاموں میں سے جس کو بھی تحقیق و تصحیح کے بعد اگر مزید واقفیت حاصل ہو تو اس کتاب میں اضافہ فرما دیں اور اس فقیر مولف کی خامیوں اور غلطیوں کو ستاری و عصمت کے دامن سے چھپا لیں و نحمد الله علی خیر الالاء واجل النعماء ان الحقنا بشجرة طیبة اصلها ثابت و فرعها فی السماء و نصلی علی محمد سید الانبیاء و علی احبائه من الاولیاء والاصفیاء (ہم تعریف بیان کرتے ہیں اللہ کی اس کی بہترین نوازشوں اور جلیل القدر نعمتوں پر کہ اس نے مجھے اس شجرہ طیبہ سے منسلک کر دیا جس کی جڑیں مستحکم و برقرار ہیں، اور جس کی شاخیں آسمان کو چھو رہی ہیں اور ہم درود و سلام پیش کر رہے ہیں حضرت محمد رسول ﷺ پر جو سارے انبیاء کے سردار ہیں اور اولیاء و اصفیا میں سے ان سب پر جو آپ سے محبت کرتے ہیں)۔

ذکر

حضرت محمد مصطفی ﷺ

خداوندا بحق خاک آں پاک

محمد تاجدار تخت لولاک

آداب والقاب

سلطان انبیاء، شہنشاہ، تقی واصفیاء، مقصود وجود عالم مطلوب آفرینش آدم، روی قلبی عن ربی کی روایت کے راوی، لانبی بعدی کی ولایت کے والی، معام اسریٰ کی سیر فرمانے والے، دنی فتدلی کی بارگاہ میں قیام فرمانے والے، مااوحی کے نکات کے اسرار کو جاننے والے قاب قوسین او ادنی کے قرب میں وصل محبوب کی لذتوں سے آشنا ہونے والے، سید الاولین والآخرین، خاتم الانبیاء، والمرسلین سب سے پشت پناہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ۔

ساری کائنات کا وجود آپ ہی کے وجود پاک کے صدقہ طفیل میں ہوا، اور کون ومکاں کا ظہور آپ ہی کے دریائے جود وسخا کا ایک قطرہ ہے۔ ایسے بزرگ و برتر کہ ساری کائنات آپ ہی کے لئے بنی۔ مخلوق آپ کی تعریف کیا بیان کرے جب کہ خود خالق کائنات آپ کی مدح کر رہا ہو، جس نے آپ کی تعریف میں لولاک لما خلقت الافلاک کا ڈنکا بجوا دیا اور برگزیدگی کی انتہائی منزل پر آپ کو جلوہ افروز فرما دیا۔

لحسبک ان اللہ ربی   فما لی قد مدحتک یا مربی

(اے مربی! آپ کی توصیف کے لئے یہی کافی ہے کہ اللہ رب العزت خود آپ کی تعریف بیان فرماتا ہے۔ میرے پاس وہ الفاظ کہاں اور میری یہ صلاحیت کہاں کہ آپ کی تعریف بیان کر سکوں)۔

نسب

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ابن عبداللہ ابن عبدالمطلب ابن ہاشم ابن عبد مناف قریشی تھے،

اور قبیلہ قریش کی عظمت و فضیلت احادیث کی کتابوں میں موجود ہے۔ آپ کے نسب کا تذکرہ جو حضرت آدم علیہ السلام تک مل جاتا ہے بہت ساری کتابوں میں شرح و بسط کے ساتھ موجود ہے اور آپ ﷺ کے نسب کے سلسلہ میں عبداللہ سے عدنان تک اکیس زینے ہیں اس میں کسی کو اختلاف نہیں۔ سب متفق ہیں اور نضر بھی انہیں میں آتے ہیں جن کی اولاد میں قریش ہیں ہاں! عدنان کے بعد سے آدم علیہ اسلام کے درمیان جو نام آتے ہیں ان میں بہت اختلاف ہے۔ علماء کہتے ہیں کہ اس سلسلہ میں جتنی روایتیں بھی آتی ہیں ان میں سے کوئی بھی ایسی نہیں جسکی صحت پر اعتماد کیا جائے لیکن اکثر اقوال سے یہ بات ثابت ہے کہ حضور کا سلسلۂ نسب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔

حضورؐ کی والدہ ماجدہ بی بی آمنہ بنت وہب بن عبدمناف بن زہرہ بن کلاب بن مرہ بھی قبیلۂ قریش سے تھیں۔

تاریخ ولادت اور اس دن کے عجائبات

روایتوں میں آتا ہے کہ جمادی الاول کے آخر مہینے میں پیر کے دن حضور ﷺ اپنی والدہ ماجدہ کے شکم مبارک میں منتقل ہوئے اور نو مہینے شکم مبارک میں رہنے کے بعد ۸، ربیع الاول پیر کے دن آخر حصہ میں مکہ مبارکہ میں آپ کی ولادت ہوئی یہ وہی سال تھا جس سال واقعۂ فیل ہوا۔

جس روز آپؐ کی ولادت ہوئی اس روز بہت سارے واقعات ایسے ہوئے جس نے

---

[1] راحت القلوب حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری قدس سرہٗ کا ایک اہم ملفوظ ہے اس کا اردو ترجمہ حضرت حکیم شاہ محمد طاہر عثمانی فردوسی سملوی زادہ اللہ عنایۃ نے کیا ہے اور فارسی متن کے ساتھ شائع ہو چکا ہے۔ اس کتاب میں حضرت مخدوم جہاںؒ نے حضور ﷺ کا جو نسب بیان کیا ہے وہ اس طرح ہے (ص ۵۵) حضرت محمد ﷺ بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوے بن غالب بن فہر بن ، یک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان بن ادین اود بن ہمیسع بن عامر بن سلامان بن ثابت بن حمل بن قیدار بن اسمٰعیل ذبیح اللہ بن ابراہیم خلیل اللہ بن آذر بن ناخور بن شاروخ بن ارغو بن فالخ بن عابر بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح بن لمک بن ہود بن مہلائل بن متوشالخ بن اخنوخ بن یادو بن قینان بن انوش بن شیث علیہ السلام بن حضرت آدم صلی اللہ صلوٰۃ اللہ علیہ والسلام۔

لوگوں کو حیرت و استعجاب میں ڈال دیا، مثلاً کفار نے جن بتوں کو کعبہ میں رکھا تھا وہ زمین پر منہ کے بل گر گئے، نہر ساوہ جو بہت بڑی نہر تھی، کافروں کی عبادت گاہ بھی تھی اور کبھی خشک نہیں ہوئی اس روز خشک ہو گئی، اسی طرح فارس میں کسریٰ کا محل ڈول گیا وہ جو ایک بہت بڑی عمارت تھی اس پر لرزہ طاری ہو گیا اور اس کے چودہ کنگرے گر گئے، آتش پرستوں کی وہ آگ جو ایک ہزار سال پہلے روشن کی گئی تھی کبھی ٹھنڈی نہیں ہوئی تھی اس روز خود بخود سرد ہو گئی نبوت کے علامات اور رسالت کے آثار وانوار کا معائنہ علم نجوم سے واقفیت رکھنے والوں نے اپنی رصد گاہوں میں کر لیا، اس طرح کے اور بہت سارے تعجب خیز و حیرت انگیز واقعات رونما ہوئے۔ حضورؐ ختنہ شدہ اور ناف بریدہ پیدا ہوئے اور جیسے ہی دنیا میں تشریف لائے سجدہ میں چلے گئے، شہادت کی دونوں انگلیاں گریہ وزاری کرنے والوں کی طرح آسمان کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔

رضاعت

ابی لہب کی ایک آزاد کردہ کنیز تھیں جن کا نام ثوبیہ تھا (ثوبیہ میں ث کو پیش ہے) انہوں نے کئی روز تک آپ کو دودھ پلایا، پھر آپ کے جد بزرگوار عبدالمطلب کی مرضی و خواہش سے حلیمہ رضی اللہ عنہا نے یہ خدمت انجام دی، حلیمہ بنت ابی ذویب قبیلہ بنی سعد بن بکر کی ایک فرد تھیں اور اسی وجہ سے آپ کو حلیمہ سعدیہ کہا جاتا ہے، وہ فرماتی ہیں کہ آپ بہت تیزی کے ساتھ بڑھ رہے تھے، آپ ایک دن میں اتنی نشوونما پا لیتے جتنی دوسرے بچوں کو ایک ماہ میں حاصل ہوتی، فرماتی ہیں کہ جب آپ ہماری گود میں ہوتے اور میں اپنی دونوں پستان آپ کو پیش کرتی تو آپ اپنی خواہش کے مطابق دودھ پی لیتے اور آپ کے رضاعی بھائی یعنی بی بی حلیمہ کے صاحبزادے بھی شکم سیر ہو کر پیتے پھر دونوں سو جاتے، حالانکہ حضورؐ سے پہلے مجھے اتنا دودھ بھی نہیں ہوتا تھا کہ اپنے ایک بچے کو بھی آسودہ کرتی، اس طرح آپ کے قدم مبارک کی برکتوں کا نزول ہمارے گھر میں بے شمار ہوتا رہا۔ گھر میں دولت کی فراوانی ہو گئی، اونٹ اور بکریوں میں خوب خوب اضافہ ہوا اور ایسی کشود وفتوح ہوا کہ پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔

شق صدر

بی بی حلیمہ فرماتی ہیں کہ ابھی آپ دو ہی سال کے تھے کہ ایک روز اپنے رضاعی بھائی

کے ساتھ بکریاں چرانے کے لئے تشریف لے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد آپؐ کے بھائی دوڑتے ہوئے آئے اور کہا کہ دو آدمی سفید لباس میں آئے اور میرے قریشی بھائی کو پہلو کے بل لٹا کر اور ان کے پیٹ کو چاک کر کے ہلا رہے ہیں۔ بی بی حلیمہ نے کہا کہ میں اس وقت کیا کرتی فوراً اسی طرف کو چلی گئی جس طرف یہ واقعہ ہوا تھا دیکھا کہ آپؐ کھڑے ہیں، اور آپؐ کے چہرۂ انور کا رنگ کچھ بدلا ہوا ہے جب حال دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ دو آدمی آئے انہوں نے مجھ کو پہلو کے بل لٹایا میرے پیٹ کو چاک کیا پھر اس کے اندر کسی چیز کو تلاش کرنے لگے، میں نہیں جانتا کہ وہ کیا تلاش کر رہے تھے۔ یہ سن کر میں آپؐ کو اپنے گھر لے آئی اور جب یہ بات میرے شوہر کو معلوم ہوئی تو انہوں نے کہا کہ اے حلیمہ! مجھے اس بات کا خدشہ ہے کہ کہیں اس بچہ پر آسیب یا جن کا سایہ نہ پڑ گیا ہو اس لئے آثار ظاہر ہونے سے قبل ہی اس بچہ کو ان کے لوگوں تک پہنچا دینا بہتر ہے، میں آپؐ کو لے کر جب والدہ محترمہ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو آپؐ کی والدہ نے فرمایا کہ اے حلیمہ! آخر کیا بات ہے؟ کہاں تو آپ اس بچہ کو لینے کے لئے بہت زیادہ خواہشمند تھیں اور کہاں اس کو میرے پاس واپس لے کر آگئیں۔ بی بی حلیمہ کہتی ہیں کہ میں نے کچھ جواب نہیں دیا، خاموش رہ گئی۔ جب آپؐ کی والدہ ماجدہ نے اصرار کیا تو سارا واقعہ بیان کر دیا۔ انہوں نے یہ سن کر فرمایا کہ خدا کی قسم! شیطان کی گزر اس بچہ پر کبھی بھی نہیں ہو سکتی۔ اس بچہ کے معاملات ہی دوسرے ہیں۔ اگر کہیئے تو میں ان واقعات کو بیان کروں۔ میں نے کہا ضرور بیان فرمائیں۔ انہوں نے فرمایا کہ سنئے! جب یہ میرے شکم میں آئے تو میں نے خواب دیکھا کہ ایک نور مجھ سے نکلا اور اس نے بصرہ کے محلات کو روشن کر دیا جو ملک شام میں ہے۔ جب یہ حمل میں تھے تو اس طرح رہے کہ مجھ پر کچھ بھی اثر نہیں ہوا۔ اس لئے اے حلیمہ! آپ ان کو اطمینان کے ساتھ لے جائیں اور ہرگز فکرمند نہ ہوں۔

حضور ﷺ جب دو سال چار ماہ کے ہوئے تو آپؐ کے والد بزرگوار کا مدینہ پاک میں انتقال ہو گیا۔ بعض روایت میں آیا ہے کہ آپؐ سات مہینے کے تھے اور کسی نے دو مہینے بھی لکھا ہے۔

حضور ﷺ کو اپنے والد کے ترکہ میں ایک کنیز ملی تھی جن کا نام ام ایمہ حبشیہ تھا، انہوں نے حضور ﷺ کی خدمت بھی کی تھی جب آپؐ بڑے ہوئے تو ان کو آزاد کر کے زید بن حارثہ

کی زوجیت میں دیدیا۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ انہیں کے صاحبزادے ہیں۔

جب آپؐ چھ سال کے ہوئے اور بعض روایتوں میں آتا ہے کہ چار سال کے تھے کہ ابوا میں آپؐ کی والدہ ماجدہ کا انتقال ہو گیا۔ (ابوا میں ہمزہ یعنی پہلی الف کو زیر اور ب ساکن ہے) ابوا مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے، وہیں انتقال ہوا اور وہیں مدفون ہوئیں خلاصۃ السیر میں آیا ہے کہ حجون میں مدفون ہوئیں جو مکہ کے راستہ میں ایک پہاڑ ہے اور وہ بہت ہی لائق احترام عظمت والا مقبرہ ہے۔

والدہ ماجدہ کی مغفرت

حضور اکرم ﷺ کی والدہ ماجدہ کی مغفرت و بخشائش کے سلسلہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ایک روایت آتی ہے ان النبی علیہ السلام نزل الحجون کئیباً فاقام به ماشاء الله عز وجل ثم رجع مسرور اقال سالت ربی عزوجل فاحی لی امی فامنت بی ثم ردها حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن حجون تشریف لے گئے اس وقت آپؐ حزن وملال کی کیفیت میں تھے، کچھ دیر وہاں قیام فرمایا پھر وہاں سے مسرور و شاداں واپس آئے اور ارشاد فرمایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ وہ میری ماں کو زندہ کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے میری دعا قبول کر لی۔ میری ماں زندہ ہو گئیں، انہوں نے مجھ پر ایمان لایا اور پھر اپنی حالت پر لوٹا دی گئیں۔

شیخ محی الدین نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب تہذیب الاسماء واللغات میں اس حدیث کے وضع وافترا پر بحث کی ہے اور لکھا ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث کے گڑھنے والے علم وفہم دونوں کے اعتبار سے بہت کم تھے، اگر انہیں علم ہوتا تو ایسی بات نہیں کرتے، وہ اس بات کو اچھی طرح سمجھتے کہ موت کے بعد کافر کا ایمان لانا نفع بخش نہیں ہوتا ہے اور لوگوں کے سامنے ایمان بھی لے آئے تو یہ ایمان قابل قبول نہیں، مذکور الصدر حدیث کی رد میں تین دلائل پیش کئے ہیں۔

ان کی پہلی دلیل تو یہ ہے کہ اس حدیث کی رد میں بس یہ آیت کریمہ کافی ہے" وَمَن يرتدد منكم عن دينه فيمُت وهُو كافرٌ فأولٰئک حَبِطت اعمَا لُهم فى الدنيا والاخرة

واولئک اصحاب النار هم فیھا خالدون٥ ــ بقرہ ۲۱۷ (اور تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے پھرے پھر کافر ہو کر مرے تو ان لوگوں کے اعمال اکارت گئے دنیا میں اور آخرت میں اور وہ دوزخ والے ہیں، انہیں اس میں ہمیشہ رہنا ہے)۔

وہ اپنی دوسری دلیل میں مسلم شریف کی یہ حدیث پیش کرتے ہیں قال استاذنت ربی ان استغفر لامی فلم یاذن لی فاستاذنتہ ان ازور قبرھا فاذن لی ــ صحیح مسلم شریف (حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اپنے پروردگار سے اس بات کی اجازت مانگی کہ میں اپنی والدہ کی مغفرت کے لئے دعا کروں لیکن مجھے اس بات کی اجازت نہیں ملی پھر میں نے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی خواہش کا اظہار کیا اور اجازت طلب کی مجھے اس بات کی اجازت مل گئی)۔

ان کی تیسری دلیل یہ ہے کہ تمام صحیح اور مستند روایتوں سے یہ ثابت ہے کہ آپؐ کی والدہ ماجدہ کا انتقال ابواء میں ہوا اور وہیں مدفون ہوئی ہیں حجون میں ان کی قبر نہیں ہے۔

امام محی الدین نووی کی دلائل کی تردید

امام نوویؒ نے جو دلائل پیش کئے ہیں ان کی تردید کرتے ہوئے لوگوں نے کہا ہے کہ حضور ﷺ کی والدہ ماجدہ کے دوبارہ زندہ ہونے اور ایمان لانے کے واقعہ کو آپؐ کی ذات مبارک کے لئے مخصوص سمجھنا چاہئے۔ یعنی یہ واقعہ عام نہیں ہے بلکہ صرف آپؐ کے لئے مخصوص ہے اور آپؐ کی دعا سے آپؐ کی والدہ ماجدہ اس طریقہ پر زندہ کی گئی ہوں کہ انہیں مکلف بھی بنا دیا گیا ہو و ذلک بانساہ ما عاینتہ فی القبر (اور اپنی قبر میں جو کچھ دیکھا ہو سے اللہ تعالیٰ نے ان کے دل سے بھلا دیا ہو) جس طرح تمام روحوں نے میثاق کے دن جو خدا کی ربوبیت کا اقرار کیا تھا اور پھر بعد میں اس کو بھلا دیا اور مکلف بنا دئے گئے۔ لہذا ایسا ایمان غیر تسلی بخش نہیں ہو سکتا، اور ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ پہلی موت جو ہوئی اس کے بعد آخرت کے احوال ان سے پوشیدہ رکھے گئے ہوں۔ ثمّ بعثناکم من بعد موتکم لعلکم تشکرون ــــ بقرہ ۵۶ (پھر مرنے کے بعد تم لوگوں کو دوبارہ زندہ کر دیا تاکہ تم لوگ شکر گزار بن جاؤ)۔ یہ بھی تو ایک واضح دلیل ہے۔ جب موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے ساتھ ایسا ہو سکتا ہے تو پھر اگر حضور ﷺ کی دعا سے آپؐ کی والدہ ماجدہ کے ساتھ ایسا ہو تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔

امام نووی نے تردید ایمان سے متعلق جو آیت پیش کی ہے اس کے جواب میں لوگوں نے کہا ہے کہ اس آیت میں مرتد کا ذکر ہے یعنی جو ایمان لانے کے بعد پھر ایمان سے پھر گئے (معوذ باللہ منہا) یہ تو کفر غلیظ (یعنی بہت سخت کفر) ہے، اور یہاں آپؐ کی والدہ کے ساتھ مرتد ہونے کی تو بات ہی نہیں ہے۔ اس لئے یہ آیت آپ کی والدہ کے حق میں نہیں ہو سکتی۔

امام نووی نے جو حدیث پیش کی جس میں دعائے مغفرت کی اجازت مانگی گئی تھی یا پھر یہ آیت کریمہ ماکان للنبی والذین امنوا ان یستغفروا للمشرکین — (توبہ ۱۳) (نبی اور یہاں والوں کے لئے یہ لائق نہیں کہ مشرکوں کی بخشش چاہیں) ۔ لوگوں نے یہ جواب دیا ہے کہ طلب مغفرت کی یہ ممانعت ویسی حالت کے لئے ہے جب کوئی شرک پر قائم ہو۔ لیکن دوبارہ زندہ ہونے کے بعد ایمان پر مکلف ہونے کی بات ہی دوسری ہے۔ اس واقعہ کو اس سے نہیں ملایا جا سکتا۔

امام نووی کا کہنا ہے کہ بی بی آمنہ کا انتقال ابواء میں ہوا اور وہیں مدفون ہوئیں پھر حجون میں قبر کا ہونا غلط ہے اس کے جواب میں لوگوں نے کہا کہ اس میں اس قدر تعجب کی کیا بات ہے؟ حضور نبی کریم ﷺ کے لئے جہاں بہت ساری باتیں مخصوص تھیں وہیں آپ کو یہ خصوصیت بھی حاصل تھی کہ ایک ماہ کی راہ آگے اور ایک ماہ کی راہ پیچھے یعنی اتنی دوری تک آگے پیچھے دیکھتے تھے جتنی دوری کو ایک ماہ میں طے کیا جا سکتا تھا کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ آپؐ نے حجون میں دعا فرمائی اور ابواء میں والدہ محترمہ زندہ ہو گئی ہوں اور حجون سے آپؐ نے ان کے زندہ ہونے اور ایمان لانے کو دیکھ لیا ہو۔

پرورش و نگہداشت

جب آپؐ یتیم ہو گئے تو آپؐ کے دادا عبدالمطلب نے آپؐ کی پرورش کی ذمہ داری سنبھالی لیکن ابھی آپؐ آٹھ ہی سال کے تھے کہ عبدالمطلب بھی دنیا سے رخصت ہو گئے اور دادا بزرگوار کی وصیت کے مطابق یہ خدمت ابو طالب کے ذمہ آئی۔ اب آپ ﷺ ابو طالب کے ساتھ رہنے لگے لیکن اس قربت کے باوجود اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایام جاہلیت کے تمام رسم و رواج سے پاک رکھا۔ آپؐ نے نہ کبھی کسی بت کی تعظیم کی اور نہ کبھی ان کے بت خانوں اور

مذہبی اجتماع گاہوں میں تشریف لے گئے۔ ان لوگوں کی طرف سے آپ کو برابر دعوت ملتی رہی مگر آپ کبھی بھی شریک نہیں ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہمیشہ محفوظ رکھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قالَ مَاعَبدتُ صنماً قطُ وما شربتُ خمراً قطُ و مَازِلت اعرفُ انّ الّذی ھُم علیہ کُفراً (حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں نے نہ کبھی بت پرستی کی نہ کبھی شراب کو منہ لگایا بلکہ میں ہمیشہ یہ سمجھتا رہا کہ یہ لوگ جو کچھ کرتے ہیں وہ کفر ہے اور یہ حضور ﷺ پر اللہ کی خاص مہربانی تھی جو ایسے ماحول میں آپ کو ہر طرح محفوظ رکھا اور حُسنِ اخلاق کی دولت آپؐ پر نچھاور کر دی، آپؐ طہارت، صداقت اور امانت جیسی صفتوں کے امین تھے اور انہیں صفتوں کی وجہ سے لوگ آپ کو محمد امین کے نام سے پکارتے تھے اور اسی نام سے پہچانے جاتے تھے۔

شام کا سفر اور آپؐ کی نبوت سے متعلق ایک عیسائی کی نشاندہی

جب آپؐ بارہ سال کے ہوئے تو ابوطالب کے ساتھ شام کے سفر پر نکلے، راستہ میں جس مقام پر ٹھہرے، وہاں ایک عیسائی سے ملاقات ہوئی جس کا نام بُحیرا تھا۔ (بحیرا میں ب کو پیش ہے اور ح کو زبر ہے) اس نے حضور کو دیکھ کر پہچان لیا، آپ کا دست مبارک ہاتھ میں لے کر کہا ھذا سید العلمین، ھذا رسول رب العلمین یبعثہ اللہ رحمۃ العلمین (یہ سارے عالم کے سردار ہیں، جو سارے جہان کا رب ہے، اس کے رسول ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو سارے عالم کے لئے رحمت بنا کر مبعوث کرے گا) لوگوں نے اس سے سوال کیا کہ آپؐ نے کیسے پہچان لیا، بحیرا نے کہا کہ جب آپؐ لوگ پہاڑ کے درہ سے نکل کر ادھر آئے تو کوئی بھی پتھر اور کنکری ایسی نہیں تھی جو حضور کو سجدہ نہ کر رہی ہو اور میں نے اپنی کتابوں میں پڑھا ہے کہ جمادات صرف پیغمبروں کو سجدہ کرتے ہیں۔ اس کے بعد بحیرا نے ابو طالب سے کہا کہ اگر آپؐ ان کو عزیز رکھتے ہیں اور ان پر آپؐ کی شفقت و محبت ہے تو ان کو لے کر شام نہ جائیں بلکہ واپس ہو جائیں۔ اس لئے کہ شام میں یہودی ان کو نہیں چھوڑیں گے اور یہودیوں کے ہاتھ سے ان کا محفوظ رہنا مشکل ہے، یہ سنکر ابو طالب آپ کو لے کر واپس آگئے۔

دوسرا سفر بغرض تجارت

دوسری بار آپ تجارت کی غرض سے شام کے سفر پر نکلے، بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا کا

سامانِ تجارت لے کر ان کے غلام میسرہ بھی ساتھ تھے، آپؐ کا یہ سفر بصرہ تک ہوا، میسرہ نے اس سفر میں آپؐ کے ساتھ رہ کر بہت ساری انوکھی اور تعجب خیز باتیں دیکھیں جن کا تعلق علاماتِ نبوت سے تھا۔ جب واپسی ہوئی تو میسرہ نے وہ ساری باتیں بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا سے بیان کیں۔

بی بی خدیجہؓ سے عقدِ مناکحت

بی بی خدیجہ میسرہ سے وہ ساری باتیں سن کر اور شرافت نسب، حسنِ اخلاق، امانت و بزرگی کی واقفیت حاصل کرنے کے بعد آپؐ سے نکاح کی خواہشمند ہوئیں۔ آپؐ نے یہ رشتہ قبول فرمایا اور پچیس سال کی عمر میں بی بی خدیجہ سے آپ کا نکاح ہو گیا۔

کعبہ کی تعمیر میں آپؐ کی معاونت

جب آپؐ کی عمر شریف پینتیس سال کی ہوئی تو اس وقت کعبہ کی تعمیر ہو رہی تھی۔ آپؐ اس میں شریک رہے، پتھر کو لانے اور لگانے میں قریش کی مدد کی اور قریش نے بھی آپ کو اپنا حَکم اور سردار بنایا۔

خلوت نشینی اور مشغولی بحق

اسی زمانے میں آپؐ کی طبیعت خلوت نشینی کی طرف مائل رہتی۔ آپ کا دل ہر وقت اللہ تعالی کے ساتھ ہوتا ذکر و فکر میں مشغول رہتے۔ نزول وحی سے قبل آپ کا زیادہ وقت خلوت میں گذرتا اور رات رات بھر غار حرا میں رہ کر خدا کی عبادت میں مشغول رہنا آپ کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔ غار حرا مکہ کے اس پہاڑ کا نام ہے جہاں جبرئیل علیہ السلام سب سے پہلی وحی لے کر آئے۔

بی بی خدیجہ اور دوسری ازواج مطہرات سے آپؐ کی شادی کے واقعات، آپؐ کی اولاد و اعمام کا تذکرہ بعثت و نبوت کے آثار اور نزول وحی کی تفصیل دوسری ضخیم کتابوں میں بہت شرح و بسط کے ساتھ تحریر ہیں اور بہت کچھ مشہور و معروف بھی ہیں۔ اگر ان سب کو یہاں لکھا جائے تو

بہت طویل ہو جائے۔

بعثت و نبوت

جب آپؐ پورے چالیس سال کے ہوئے تو مشیّتِ ازل نے وما ارسلنک الا کافۃ للناس (السبا ۲۸) کے تحت پر آپ کی رسالت کے جمال جہاں آرا کی جلوہ نمائی کی اور ساری دنیا میں وما ارسلنک الا رحمۃ للعلمین (الانبیاء ۱۰۷) کے خطبہ کی آواز پہنچا دی۔

شجر و حجر کا سجدہ ریز ہونا اور سلام پیش کرنا

حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم جس راستہ سے گزرتے درخت اور پتھر آپؐ کے آگے جھک جاتے اور ان الفاظ میں سلام پیش کرتے السلام علیک یا رسول اللہ، السلام علیک یا حبیب اللہ۔

آپؐ کے معجزات ریگ اور سنگریزوں کی تعداد سے بھی کہیں زیادہ ہیں۔ چاند کا دو ٹکڑے ہونا، انگلیوں سے پانی کا جاری ہونا وغیرہ بہت مشہور معجزے ہیں۔

قرآن آپ کا سب سے بڑا معجزہ ہے

حضور اکرم ﷺ کے تمام مشہور معجزوں میں سب سے اہم اور بڑا معجزہ قرآن کریم ہے۔ عرب کے سارے فصحاء اس کے جیسی کتاب پیش کرنے سے عاجز و مجبور رہ گئے۔ اور کوئی بھی اس کا مثل پیش نہیں کر سکا و لو کان بعضھم لبعض ظہیرا — بنی اسرائیل ۸۸ (اگرچہ ان میں سے ایک دوسرے کا مددگار ہو۔)

مکارم اخلاق

بعثت کے بعد تیرہ سال تک آپ مکہ مکرمہ میں قیام پذیر رہے اور بعثت لاتمم مکارم الاخلاق کے سجادہ پر رہ کر دعوت کا کام انجام دیتے رہے۔ حضور نبی کریم ﷺ حسن اخلاق میں

اتنے کامل تھے کہ اگر آپ کا کوئی دوسرا معجزہ نہ بھی ہوتا تو آپؐ کے اخلاق حسنہ اور اوصاف حمیدہ ہی آپ کی نبوت و رسالت کی صداقت پر گواہی کے لیے کافی تھے۔ جیسے کہ مثالوں میں موجود بھی ہے کہ ایک بار چند کفار اور منکرین حاضر خدمت ہوئے، ان لوگوں نے کسی معجزہ کی فرمائش نہیں کی بلکہ آپؐ کا جمال باکمال ہی دیکھ کر کہنے لگے لیس ھذا وجہ الکذابین (یہ تو کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں ہے) اور بغیر کسی دلیل و معجزہ کے اسی وقت ایمان قبول کر لیا اور داخل اسلام ہو گئے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے لوگوں نے حضورؐ کے اخلاق کے بارے میں جب دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کان خلقہ القرآن یعنی قرآن نے جن اخلاق حسنہ کو بیان کیا ہے آپؐ میں وہ سب موجود تھے۔

آپؐ کے چند اَخلاق

آپؐ لوگوں کے درمیان حُسنِ اخلاق کے ساتھ رہتے۔ سب کی خیریت دریافت کرتے۔ لوگوں کے ساتھ تواضع سے پیش آتے۔ بھوکوں کو کھانا کھلاتے۔ بلا تفریق مذہب و ملت مسلم اور کافر دونوں طرح کے مریضوں کی عیادت کے لئے تشریف لے جاتے، مسلمانوں کے جنازہ میں شرکت فرماتے۔ پڑوسیوں کے ساتھ اچھی زندگی گذارتے اس میں بھی کافر اور مسلم کا فرق نہیں کرتے (ضعیف و عمر رسیدہ افراد) جن کی داڑھی سفید ہو گئی ہو ان کا احترام کرتے۔ کھانے کی گر دعوت ملتی تو اسے شرف قبولیت بخشتے، غصہ ضبط کر لیتے، آپؐ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ حلیم یعنی بردبار تھے، اگر کسی سے ناراض ہوتے تو صرف خدا کے لئے ہوتے، اپنی ذات کے لے کبھی کسی پر غصہ کا اظہار نہیں کیا، اگر آپ کو نقصان بھی پہنچ جاتا تو حقداروں کو حق دلانے سے باز نہیں رہتے، انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے دس سال تک حضورﷺ کی خدمت کرنے کا شرف حاصل رہا لیکن آپؐ نے کبھی بھی مجھے یہ نہیں کہا کہ تم نے اس کام کو بگاڑ دیا یا ایسا کیوں کیا؟ مجھ سے جب کوئی کام بہتر طریقہ پر ہوتا تو آپؐ دعاؤں سے نوازتے، اور جب کوئی کام خراب ہو جاتا تو فرماتے وکان امر اللہ قدراً مقدوراً ـــ الاحزاب ۳۸ (اور اللہ کا کام اندازے پر (پہلے سے) مقرر کیا ہوا ہے۔) آپ گھر کے اندر خادموں کے ساتھ کام میں

لگ جاتے، اور اگر کوئی نادانی سے آپ کو کوئی کام بڑھا دیتا تو آپؐ انکار نہیں کرتے۔ اگر صحابہ یا کوئی اور آپ کو پکار لیتے تو آپؐ لبیک کہتے، بچوں کی طرف اگر آپ تشریف لے جاتے تو ان کو سلام کرتے، مسلمانوں کی عیب پوشی کرتے، صحابہ اگر کسی پریشانی ومصیبت میں ہوتے تو آپؐ ان کی مدد کرتے، اگر کسی وقت نہیں دیکھتے تو ان کو تلاش کرتے، جب آپؐ نماز میں ہوتے اور اگر اس وقت کوئی حاجتمند آجاتا تو نماز کو جلد پوری کر کے اس کی طرف مخاطب ہوجاتے، اور اس کی حاجت روائی فرماتے پھر اپنی نماز شروع کرتے، آپؐ سب سے مسکراتے ہوئے ملتے، اور صحابہ کے درمیان جب آپ کو ہنسی آجاتی تو اکثر آپؐ کے دندان مبارک ظاہر ہو جاتے۔ آپؐ کبھی کسی کھانے میں عیب نہیں نکالتے، جو سواری مل جاتی چاہے وہ گھوڑا ہو، اونٹ ہو یا کوئی اور سواری آپؐ استعمال کر لیتے، کبھی پیدل بھی سفر کرتے کبھی ننگے پاؤں اور کبھی بغیر عمامہ اور ٹوپی کے نکل جاتے، جب اور جس حال میں چاہتے بازار چلے جاتے، امیر، غریب، بادشاہ اور فقیر سب کے ساتھ یکساں سلوک کرتے یعنی نہ فقیروں کو حقارت بھری نظروں سے دیکھتے اور نہ بادشاہوں کی تعظیم کرتے، جب کسی کو مخاطب کرتے تو فرماتے اے فلاں، اے فلاں! جب کسی کو مکتوب بھیجتے تو اس طرح املاء کرواتے من محمد بن عبدالله الیٰ فلاں بن فلاں (محمد بن عبد الله کی طرف سے فلاں ابن فلاں کو)۔ گھر میں کھانا مانگنے میں آپؐ شرم محسوس کرتے اور مانگنے سے پرہیز کرتے جب مل جاتا اور جو کچھ ملتا تناول فرمالیتے، اکثر خود سے کھانا نکال لیتے، اور اپنے دست مبارک سے کھانا پانی لے لیتے، کسی کو حکم نہیں دیتے۔

لباس میں ہر جائز پوشاک استعمال فرماتے، کبھی ایک کمبل پر گزارا کر لیتے، ایک بڑی چادر کو دائیں اور بائیں طرف سے لپیٹ کر پیٹھ کی جانب کر کے گرہ ڈالدیتے اسی لباس میں جنازہ کی نماز بھی پڑھ لیتے، اور گھر کے اندر نفل نمازیں بھی ادا کر لیتے۔

آپؐ کے اوصاف حمیدہ اتنے ہیں کہ نہ ان کو بیان کیا جا سکتا ہے اور نہ تحریر میں لا سکتے ہیں۔

ہرآں لطافتِ وخوبی کہ آفریدحدائی   چو نیک نیک بد یدم یکاں یکاں داری

(میں نے اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ لطافت وخوبی کو جب اچھی طرح غور سے دیکھا تو وہ سب کی سب آپؐ کے اندر موجود ملیں)

حضور نبی کریم ﷺ جن مکارم اخلاق اور محاسن آداب سے آراستہ تھے وہ لاکھوں کی تعداد میں ہیں۔ ان کو نہ زبان بیان کر سکتی ہے اور نہ قلم کے اندر لکھنے کی صلاحیت ہے۔ آپؐ ہمیشہ گریہ وزاری کے ساتھ بارگاہِ خداوندی میں دست بدعاء رہتے اور امت کی تعلیم کی غرض سے یوں دعاء کرتے، اللھم احسن خلقی وخلقی وجنبنی من منکرات الاخلاق اے بارالٰہٰ! میرے ظاہر و باطن کو آراستہ کردے اور مجھے بُرے اخلاق سے محفوظ رکھ۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اخلاق کامل سے متصف فرمایا تھا اس لئے قرآن کریم میں آپؐ کے اخلاق کی تعریف انک لعلی خلق عظیم — القلم ۴ (بیشک آپؐ خلق عظیم پر فائز ہیں) سے کی ہے۔ جب ساری کائنات کا مالک و خالق آپؐ کے خُلق عظیم کی مدح سرائی کر رہا ہے تو انسان کیا تعریف کر سکتا ہے، یہ تو آپؐ کے اخلاق کا بس ایک مختصر سا ذکر تھا۔ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا۔

حلیۂ مبارک اور ظاہری صفات

آپؐ میانہ قد تھے۔ اس کے باوجود طویل دکھائی دیتے۔ اگر دو طویل مردوں کو آپس میں ملا کر کھڑا کر دیا جاتا تب بھی حضورؐ ہی دراز اور اونچے نظر آتے پھر بھی آپؐ میانہ قد ہی کہے جاتے ہیں۔ اس لئے کہ میانہ اور اوسط قد ہی کو بہتر کہا گیا ہے۔

آپؐ کے چہرہ انور کا رنگ سفید، روشن اور صاف تھا، نہ تو بہت زیادہ اجلا پن تھا نہ زرد تھے اور نہ سرخ۔ آپ کا پسینہ خالص مُشک سے بھی زیادہ معطر تھا۔ زلف مبارک کبھی کاندھے تک رکھتے، کبھی کان کے لو تک، کبھی گیسوئے مبارک کو چار حصے میں منقسم کر لیتے، کبھی کانوں تک رکھ لیتے، جب کنگھی کرتے تو اس وقت بالوں کی کیفیت ایسی ہوتی کہ گویا پانی میں ہموار کی موجیں ہیں۔ آپ کی ریش مبارک اور گیسوئے عنبریں میں سفید بالوں کی تعداد سترہ سے زیادہ نہیں تھی۔ آپ کی تعریف اور مدح کرنے والے جنہوں نے آپ کی زیارت کی ہے انہوں نے آپؐ کے رخ انور کو چودھویں رات کے چاند سے ضرور تشبیہ دی ہے اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نظر حضورؐ کے جمال باکمال کی طرف اٹھتی تو اکثر یہ شعر پڑھتے۔

امین مصطفےٰ بالخیر یدعوا   کضوء البدر زائلۃ الظلام

(حضور ﷺ امین اور خدا کے برگزیدہ ہیں۔ آپؐ بھلائی کی طرف اسی طرح دعوت
دیتے ہیں جس طرح چودھویں رات کے چاند کی روشنی تاریکی کو دور کرتی ہے۔)

آپؐ کا چہرہ انور اتنا صاف وشفاف تھا کہ خوشی و ناخوشی دونوں کے آثار فوراً نمایاں ہو جاتے تھے، آپؐ کی پیشانی مبارک چوڑی، ابرو کشادہ، آنکھیں بڑی بڑی سرخی مائل، بینی مبارک استوار، دندان مبارک کشادہ تھے، جب ہنسنے کے وقت دندان مبارک کھلتا تو آپؐ کے دندان شریف بجلی کی طرح چمکنے لگتے۔ آپؐ ہمیشہ مسکراتے رہتے لیکن قہقہہ لگا کر نہیں ہنستے، آپؐ کے دونوں لب بہت خوبصورت تھے، چہرہ انور پر گھنی داڑھی تھی، اس کو لمبائی اور وسعت کی وجہ سے بیچے کر لیتے ایک مشت تھی، جس کو ادا بھی نہیں کہہ سکتے، سینہ مبارک چوڑا تھا، سینہ سے ناف تک برابر تھا، سینہ اور شکم مبارک میں بالوں کی ایک باریک لکیر تھی، شکم مبارک میں تین شکن تھے، ان میں سے ایک کو تہبند کے اندر کر لیتے اور دو کو باہر رکھتے، بازو پُر گوشت، دونوں ہاتھ دراز اور کلائی مضبوط تھی، ہتھیلی چوڑی اور ریشم سے زیادہ نرم تھی، حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ مامسست دیبا حاولاحریرا الیں من کف رسول الله صلی الله علیه وسلم (میں نے حضرت رسول خدا ﷺ کی ہتھیلی سے زیادہ نرم دیبا و حریر یعنی ریشمی کپڑے کو بھی نہیں پایا۔) آپؐ کی ہتھیلی مبارک بغیر خوشبو کے بھی معطر رہتی جو بھی آپؐ کے ہاتھ کو چھو لیتا اس کا ہاتھ دن بھر معطر رہتا۔ اگر آپ کسی بچے کے سر پر ہاتھ رکھ دیتے تو وہ بچہ اس خوشبو کی وجہ سے دوسرے بچوں کے درمیان ممتاز ہو جاتا۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ بیت الخلاء گئے تو میری نظر اسی طرف تھی کہ آپؐ جیسے ہی باہر تشریف لائیں گے میں اندر جاؤں گی اور جو کچھ ہوگا اسے اٹھاؤں گی میں نے ویسا ہی کیا اور جیسے ہی آپؐ باہر آئے میں اندر گئی، لیکن میں نے بول و براز کچھ نہیں پایا۔ صرف زمین پر پانی کی نمی تھی۔ میں نے اس مٹی کو اٹھا لیا اور کپڑے میں لپیٹ کر رکھ لیا۔ اس کی خوشبو مشک خالص سے بھی زیادہ لطیف تھی۔ میں جہاں کہیں دعوت میں جاتی اس کپڑے کو جیب میں رکھ لیتی۔ پوری مجلس خوشبو سے معطر ہو جاتی۔ آپؐ کے بول و براز کو کسی نے بھی نہیں دیکھا۔ زمین اس کو اپنے اندر جذب کر لیتی تھی۔ تہذیب الاسماء والصفات میں لکھا ہے کہ لوگ آپؐ کے پیشاب اور خون کو تبرک بنا لیتے تھے وکان یتبرک ببوله ودمه اور یہ

حضور ﷺ کے لئے مخصوص تھا کہ جیسے ہی آپ کا ناخن اور موئے مبارک جدا ہوتا لوگ اسے تبرک کے طور پر رکھ لیتے۔

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے لئے بہت ساری چیزیں مخصوص تھیں۔ ان میں سے اکثر نکاح کے احکام میں ہیں، علماء نے ان خصوصیت کو چار حصوں پر منقسم کیا ہے۔ اور ہر ایک قسم کے لئے تفصیل و شرح کی ضرورت ہے۔ ان میں سے بعض کا تعلق وجبات سے ہے جیسے چاشت اور تہجد وغیرہ کی نماز۔ بعض مباح تھیں جیسے صوم وصال بغیر احرام کے مکہ میں داخل ہونا۔ بیک وقت چار بیویوں سے زیادہ کا رکھنا۔ پھر یہ کہ آپؐ جس عورت سے نکاح کے خواہشمند ہوتے ان پر نکاح کا قبول کرنا واجب تھا۔ اس عورت سے کسی دوسرے مرد کا نکاح کرنا حرام تھا، صرف یہی نہیں بلکہ اگر وہ عورت کسی دوسرے مرد کے نکاح میں ہوتی تو اس عورت کو طلاق دینا اس کے شوہر پر واجب تھا، اسی طرح کچھ چیزیں ایسی بھی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے محرمات قرار دیا تھا جیسے شاعری، کتابت اور ان عورتوں سے باز رہنا جن سے زوجیت کے معاملہ میں آپ کی جانب سے کراہت صادر ہوئی ہو۔

اور بعض چیزوں کا تعلق تو خاص فضل و کرم سے ہے جیسے آپ کی شریعت کا ہمیشہ کے لئے قوی و مستحکم ہونا، آپ کی ازواج مطہرات کا آپؐ کے بعد بھی دوسرے مسلمانوں کے لئے حرام ہونا۔ اگر آپ کسی کو آواز دیتے اور وہ حالت نماز میں بھی ہوتا تو اس پر نماز کو چھوڑ کر آنا واجب تھا اور اس سے نماز فاسد بھی نہیں ہوتی بلکہ وہ پھر آ کر اپنی بقیہ نماز پوری کر لیتا۔ آپ کو پیچھے کا علم بھی اسی طرح تھا جس طرح آگے کا یعنی آئندہ کی باتوں کو بھی اسی طرح جانتے تھے جس طرح سامنے کی باتوں کو۔ نیز یہ کہ کسی کے لئے یہ بھی جائز نہیں کہ وہ آپؐ کا نام لے کر پکارے بلکہ یا نبی اللہ اور یا رسول اللہ کہنا چاہئے۔

آپؐ کے اسمائے گرامی

حضور نبی کریم ﷺ کے اسمائے گرامی بہت ہیں۔ بعض صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ اللہ عزوجل لله اسم و للنبی علیه السلام الف اسم اللہ تعالیٰ کے ہزار نام ہیں اور حضور نبی اکرم ﷺ کے اسمائے گرامی بھی ہزار ہیں۔ بعض قدیم محدثین نے ننانوے ناموں کو جمع کیا ہے

اور ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے چونسٹھ ناموں کا ذکر کیا ہے جیسا کہ صحاح کی حدیثوں میں آیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا میرے بہت سے نام ہیں۔ میں محمد بھی ہوں احمد بھی ہوں اور ماحی بھی ہوں۔ مجھے ماحی اس لئے کہا جاتا ہے کہ میں کفر کو مٹانے کا سبب ہوں۔ اور حاشر بھی ہوں اس لئے کہ کل قیامت کے دن لوگوں کا حشر میرے بعد ہوگا۔ آپ کو عاقب بھی کہا جاتا ہے اس لئے کہ آپؐ کے بعد کوئی رسول مبعوث نہیں ہوں گے۔ آپؐ مقفّی بھی ہیں مقفی کے ف کو زیر ہے یہ باب تفعیل کا اسم فاعل ہے کیوں کہ آپؐ نبیوں میں سب سے آخر میں تشریف لائے اور آپؐ کے بعد رسالت کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ آپؐ نبی التوبہ، نبی الرحمۃ اور نبی الملحمہ بھی ہیں۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ آپؐ نبی الملاحم ہیں اور ملاحم جنگ کو کہتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میرا نام قرآن میں محمد ہے۔ انجیل میں احمد ہے اور توریت میں احید۔ وَانما سُمّيتُ احید لانی احید امتی عن نار جهنم میرا نام احید اس لئے رکھا گیا کہ میں اپنی امت کو دوزخ کی آگ سے نکال لوں گا یعنی ان کو نار جہنم سے بچالوں گا۔ اور علماء نے آپؐ کے ناموں میں کچھ اور بھی اضافہ کیا ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں آپ کو رسول - نبی - امی - مبشر - بشیر - نذیر - سراج - منیر - رؤف - رحیم - شاهد - امین - داعی - هادی - طٰه - یٰسین - مزمل - مدثر - مذکر - خاتم کے اسمائے گرامی سے یاد فرمایا ہے، آپ کو رحمۃ للعٰلمین، عبداللہ، عبد، اور نعمت و رحمت بھی کہا جاتا ہے، ان کے علاوہ بھی آپ ﷺ کے بہت سارے نام ہیں جیسے مصطفیٰ، متوکل، امین۔

آپؐ کی کنیت

آپؐ کی کنیت ابوالقاسم مشہور ہے۔ لیکن جبرئیل علیہ السلام نے ابوابراہیم کہا ہے۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا تسموا باسمی و لاتکنوا بکنیتی میرے نام پر کسی کا نام رکھ سکتے ہو لیکن میری کنیت سے کسی کو نہ پکارو۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ اس حدیث میں جو ممانعت آئی ہے وہ نام اور کنیت دونوں کو ایک ساتھ رکھنے کی ممانعت ہے یعنی جس کسی کا نام محمد ہے اس کی کنیت ابوالقاسم نہیں کی جائے۔ اور بعض علماء کہتے ہیں کہ اس حدیث کو نام اور کنیت دونوں کو ایک ساتھ جمع کرنے پر محمول نہیں کریں گے یعنی اگر کسی کا نام محمد

ہے تو اس کی کنیت ابوالقاسم رکھ سکتے ہیں دوسرے کو ابوالقاسم نہیں کہہ سکتے۔ لیکن بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ ممانعت آپ کی حیات بابرکات تک کے لئے محدود تھی۔ اگر ایسا نہیں ہوتا تو متقدمین اور متاخرین میں بہت سارے لوگوں کے نام اور کنیت آپ کے نام اور کنیت پر نہیں ہوتے نام اور کنیت ایک ساتھ بھی پائے جاتے ہیں اور الگ الگ بھی ہیں۔ ایسی صورت میں اس حدیث پر محمول نہیں ہو سکتا ہے۔

اس حدیث پاک کے وارد ہونے کے سلسلہ میں کہتے ہیں کہ سرور کائنات فخر موجودات حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ کہیں تشریف لے جا رہے تھے پیچھے سے کسی منافق نے یا اباالقاسم کہہ کر پکارا آپ نے جب پیچھے کی طرف مڑ کر دیکھا تو اس منافق نے کہا کہ میں آپ کو نہیں پکار رہا ہوں بلکہ دوسرے شخص کو آواز دے رہا ہوں۔ اس منافق کی یہ حرکت رنج و تکلیف دینے کی غرض سے تھی اسی وقت آپ نے یہ فرمایا اور ممانعت کی۔ اور یہ تو معلوم ہی ہے کہ مکہ کے کفار اور منافقین اس طرح کی تکلیفیں دیا کرتے تھے اور اکثر اس طرح اپنی دشمنی کا اظہار کرتے تھے۔ منکرین کی دشمنی اور ظلم کا تذکرہ موجود ہے مثلاً ابولہب کی بیوی حضورؐ کو مذمم کہہ کر پکارتی اور قریش بھی آپ کو محمد کی جگہ پر مذمم کہہ کر ہجو کرتے اور گالیاں دیتے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا **الا تعجبون کیف یصرف اللہ عنی شتم قریش ولعنھم و یشتمون مذمما و یلعنون ملذمما انا محمدٌ** یعنی تمہیں اس میں کچھ تعجب کی ضرورت نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح مجھ سے دور کر دیا قریش کی لعنت و گالی کو جو وہ مذمم کہہ کر مجھے دیا کرتے تھے۔ میں تو محمد ہوں۔

جب ابوطالب کا انتقال ہو گیا اور بی بی خدیجہؓ دنیا سے رخصت ہو گئیں تو قریش کا ظلم و ستم اور زیادہ بڑھ گیا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو مدینہ ہجرت کرنے کا حکم آ گیا نصیبین میں جنوں کا ایمان لانا، پنجوقتہ نمازوں کی فرضیت، واقعۂ معراج وغیرہ تشریح طلب اور تفصیل کا محتاج ہے۔ اور یہ سب مکہ مبارکہ میں واقع ہوا ہے۔

ہجرت

ہمارے آقا و مولا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ترپن سال کے ہوئے تو وحی کے مطابق مکہ

معظمہ سے ہجرت کی۔ آپؐ کے ساتھ دو شخص تھے ایک تو حضرت ابو بکر صدیقؓ اور دوسرے عامر بن فہیرہ جو حضرت ابو بکر صدیقؓ کے غلام تھے (فہیرہ میں ف کو پیش ہے اور ہ کو زبر) ان حضرات کو راستہ دکھانے کا کام عبداللہ اریقط کر رہے تھے جو اس وقت کافر تھے او اسلام کے بارے میں کچھ واقفیت نہیں تھی۔ (اریقط میں الف کو پیش ر کو زبر ی کو سکون اور قاف کو زیر ہے)۔ ہجرت کی وجہ اور اس کا واقعہ بہت معروف و مشہور ہے سب لوگ جانتے ہیں کہ پیر کے دن ۱۲ ربیع الاول کو آپؐ مدینہ منورہ زادھا اللہ تعالیٰ شرفا میں بنی نجار کے محلہ میں داخل ہوئے۔ بنی نجار میں عبدالمطلب کے ننھیالی لوگ تھے۔ حضور کی تشریف آوری کے وقت مدینہ کے مرد، عورتیں، بچے، بچیاں خوشی و مسرت، سے جھوم رہے تھے، ایک دوسرے کو خوشخبری سنا رہے تھے، جاء محمد و جاء رسول اللہ (محمد آ گئے، اللہ کے رسول آ گئے) کوچہ و بازار میں اور مکانوں کی چھت پر لوگ یوں نغمہ سرا تھے۔

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع وجب الشکر علینا مادعی للہ داع

ہم پر وداع کی پہاڑیوں سے چودھویں کا چاند طلوع ہو گیا

جب تک اللہ کا نام لیوا رہے گا ہم پر شکر ادا کرنا واجب رہے گا۔

اسلامی سنہ کی ابتدا

تہذیب نوادی[1] میں مرقوم ہے کہ اسلامی تاریخ کی ابتداء ہجرت نبویؐ سے لی جاتی ہے۔ اس پر سب کا اتفاق ہے اور کسی کو اختلاف نہیں ہے۔ ہجرت کے سترہویں سال میں حضرت عمرؓ نے اسلامی تاریخ کو لاگو کیا۔

ہجرت کے بعد آپؐ دس سال تک مدینہ پاک میں جلوہ افروز رہے، ہجرت نبوی سے رحلتِ نبوی تک دس سال کی مدت کا ہر ایک سال مشہور مشہور واقعات کے لئے مخصوص ہے مثلاً۔

ہجرت کا پہلا سال

ہجرت کے پہلے سال حضور اکرم ﷺ نے مسجد اور قیام گاہ کی تعمیر کا کام کیا۔ مہاجر و انصار

---

[1] مطبوعہ نسخہ میں تہذیب نوامری

کے درمیان بھائی چارگی قایم کی۔ عبداللہ بن سلام[1] مشرف باسلام ہوئے۔ نماز کے لیے اذان قایم کی گئی۔

ہجرت کا دوسرا سال

ہجرت کے دوسرے سال یعنی ہجرت سے سولہ (۱۶) مہینے کے بعد شعبان کے مہینے میں تبدیل قبلہ کا حکم آیا۔ صدقۂ فطر اور رمضان کا روزہ فرض ہوا۔ اسی سال رمضان اور شوال میں غزوۂ بدر ہوا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے عقد اور بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی اسی سال ہوئی۔

ہجرت کا تیسرا سال

ہجرت کے تیسرے سال ۷ شوال پنجشنبہ کے دن غزوۂ احد ہوا اس کے علاوہ بھی بہت سارے غزوات اور سریے ہوئے۔ دوسری جنگ بدر جس کو غزوہ بدر صغریٰ بھی کہتے ہیں۔ پہلی ذی قعدہ کو ہوئی۔ جنگ نضیر بھی اسی سال ہوئی۔ اسی سال شراب کو حرام کیا گیا۔ بی بی حفصہ اور بی بی زینب سے عقد اسی سال ہوا۔ اسی سال ام کلثوم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں دی گئیں۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی ولادت اسی سال ہوئی۔ لیکن تاریخ کی بعض کتابوں میں آیا ہے کہ غزوہ بدر صغریٰ کی تاریخ تو وہی پہلی ذی قعدہ ہے لیکن یہ ہجرت کا چوتھا سال تھا۔

ہجرت کا چوتھا سال

ہجرت کے چوتھے سال بی بی ام سلمہ سے عقد ہوا۔ نماز میں قصر کرنے کا حکم آیا۔ تیمم کی آیت نازل ہوئی۔ اور اسی سال جنگ خندق بھی ہوئی۔

ہجرت کا پانچواں سال

ہجرت کے پانچویں سال جنگ دومہ قریظہ ہوئی اور اسی سال پردہ کی آیت نازل ہوئی۔

---

[1] عبداللہ بن سلام یہود کے بڑے زبردست عالم تھے۔ بحوالہ تاریخ اسلام مصنف اکبر خاں نجیب آبادی جلد اول ص ۵۳

ہجرت کا چھٹا سال

ہجرت کے چھٹے سال جنگ حدیبیہ ہوئی، بیعت رضوان' جنگ بنی مصطلق، کسوف شمس اور آیت ظہار[1] کا نزول سب اسی سال ہوا۔

ہجرت کا ساتواں سال

ساتویں سال جنگ خیبر ہوئی، ام حبیبہ، بی بی میمونہ اور بی بی صفیہ سے اسی سال عقد ہوا۔ ماریہ قبطی کا آنا، دلدل کا آنا، حضرت جعفرؓ اور ان کے ساتھیوں کا حبشہ سے پہنچنا، حضرت ابو ہریرہؓ کا اسلام قبول کرنا سب اسی سال ہوا۔

ہجرت کا آٹھواں سال

جنگ موتہ، ذات السلاسل، فتح مکہ، حضرت ابراہیم کی ولادت، بی بی زینب دختر رسول اکرم ﷺ کی وفات، جنگ حنین و طائف، یہ سارے واقعات اسی سال ہوئے۔ اس سال چیزوں کی قیمت بھی بہت زیادہ ہو گئی تھی، لوگ سعرلنا سعرلنا یعنی قیمت مقرر کی جائے کی آواز بلند کرنے لگے۔

ہجرت کا نواں سال

ہجرت کے نویں سال جنگ تبوک ہوئی، حضرت ابو بکرؓ نے حج کیا، ام کلثوم کی وفات ہوئی، نجاشی کا انتقال ہوا، اس سال بہت سارے وفود (مدینہ) پہنچے، وفد اس جماعت کو کہتے ہیں جو کسی دوسری جگہ سے آئے۔

ہجرت کا دسواں سال

ہجرت کے دسویں سال خاتم المرسلین رحمۃ اللعالمین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ حجۃ الوداع

---

1. سورۂ مجادلہ آیت ا سے آیت ۴ تک یعنی اٹھائیسویں پارہ کی ابتدائی چار آیتیں جن میں "ظہار" کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے۔

کے لئے تشریف لے گئے۔ اسی سال حضرت ابراھیم کا انتقال ہوا۔ حضرت جریر نے اسلام قبول کیا اور اسی سال سورۂ اذاجاء نازل ہوئی۔

ہجرت کا گیارھواں سال

جب حجۃ الوداع سے واپس آئے تو ایک روز منبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا ان عبدا خیرہ اللہ بین ان یوتیہ من زھرۃ الدنیا مایشاء و بین ما عندہ فاختار ما عندہ تحقیق یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندہ کو یہ اختیار دیا کہ وہ دنیا کی زیب و زینت اور اللہ کے نزدیک جو لائق اکرام ہے ان دونوں میں سے جو پسندیدہ ہو اسے اپنے لئے منتخب کریں تو اس بندہ نے اس چیز کو پسند کر لیا جو خدا کے نزدیک لائق اکرام ہے۔" یہ سنکر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رونے لگے اور کہنے لگے اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپؐ پر فدا ہوں۔ اس حدیث کے راوی حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے ابوبکر صدیق کا یہ حال دیکھ کر تعجب ہوا اور دوسرے لوگ بھی محو حیرت تھے کہ آخر ان کو کیا ہو گیا ہے یہ بھی عجب آدمی ہیں کہ اللہ کے رسول تو اپنے کسی بندہ کے بارے میں یہ خبر دے رہے ہیں کہ اللہ نے اسے اختیار دیا کہ وہ زینت دنیا اور خدا کی پسند دونوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرے اور یہ کہہ رہے ہیں کہ میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہو جائیں (یہ بات اس وقت کسی کی سمجھ میں نہیں آئی) حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ چند روز کے بعد معلوم ہوا کہ اس بندہ سے جس کو اختیار دیا گیا حضورؐ ہی مراد ہیں اور ابوبکر صدیقؓ ہم لوگوں میں سب سے زیادہ دانشمند ہیں۔

حضور کی علالت اور وفات

۲۷، صفر چہار شنبہ کے دن حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے مکان میں آپ کی علالت کا سلسلہ شروع ہوا۔ پنجشنبہ کے دن پیشانی مبارک پر پٹی باندھ کر گھر سے باہر تشریف لائے۔ منبر پر جلوہ فروز ہونے کی خواہش ظاہر کی۔ منبر کے آخری زینہ پر بیٹھ گئے۔ اس وقت چہرہ انور زرد ہو رہا تھا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم ہوا کہ لوگوں کو پیغام دے دو اور اعلان کر دو کہ رسول خدا کی آخری وصیت سننے کے لئے سب آ کر جمع ہو جائیں۔ حضرت بلال نے حکم کی تعمیل کی۔

چھوٹے بڑے سارے لوگ جمع ہو گئے۔ لوگ اپنے مکانوں اور دکانوں کو کھلی چھوڑ کر نکل آئے، یہاں تک کے کنواری لڑکیاں بھی رسولِ خدا کی آخری وصیت سننے کے لئے گھروں سے باہر آ گئیں مسجد نبوی اندر سے باہر تک بھر گئی۔ جب سارے لوگ جمع ہو گئے تو اللہ کے رسول ﷺ کھڑے ہوئے، سب سے پہلے اللہ کی حمد و ثنا بیان کی پھر بلیغ خطبہ دیا۔ لوگوں کو اگلے انبیائے کرام کی رحلت کی یاد دلاتے ہوئے اپنی رحلت کی خبر دی۔ مہاجرین کے اکرام و احترام کی وصیت بہت پرزور انداز میں کی۔ اور بعض روایتوں میں آیا ہے کہ وصیت کی ابتدا ان الفاظ میں کی یا ابن ادم عش ما شئت فانک میت واعمر ما شئت فانک تارکه واحب من شئت فانک مفارقه (اے آدم کی اولاد! جیسی زندگی چاہو گذار لو لیکن پھر موت کا مزہ چکھنا ہے، جتنی عمارت چاہو آباد کر دو لیکن پھر اس کو چھوڑ جانا ہے اور جس سے چاہو محبت کر لو لیکن اس محبوب سے جدا ہونا ہی ہے)۔

وصیت کے بعد منبر سے نیچے آئے، قیام گاہ میں تشریف لے گئے۔ مرض کا زور ہونے کا پھر اس کے بعد خطبہ کے لئے باہر نہیں آئے۔ چودہ دنوں تک علالت کا سلسلہ رہا اور جب ترسٹھ (۶۳) سال کی عمر شریف ہوئی تو ۱۲ ربیع الاول پیر کے دن چاشت کے وقت اس دنیوی منزل سے منه المبدا والیه یعود (اسی سے عالم وجود میں آئے اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے) کی قیام گاہ کی طرف رحلت کی۔ یہ ہجرت کا گیارہواں سال تھا۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں ان من نعم الله تعالی علی ان رسول الله ﷺ توفی فی بیتی وفی یومی و بین سحری و نحری و ان الله جمع ریقی و ریقه عند موته اللہ تعالیٰ نے مجھ پر جو نوازش و کرم کیا ہے ان میں سے یہ بھی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے جس روز وفات پائی اس روز میرے گھر میں تھے۔ اس روز میرے یہاں رہنے کی باری تھی جس وقت آپؐ کی وفات ہوئی اس وقت آپؐ میرے پھیپھڑے اور قلب کے درمیان یعنی میرے سینے پر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی رحلت کے وقت میرے لعاب دہن کو آپؐ کے لعاب دہن سے ملا دیا۔ اس کی صورت یہ ہوئی کہ میں آپؐ کو سہارا دیے ہوئے تھی کہ اسی وقت حضرت ابوبکر کے صاحبزادے حضرت عبدالرحمٰن تشریف لائے۔ ان کے ہاتھ میں مسواک تھی۔ میں نے دیکھا کہ حضورؐ اس مسواک کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ مجھے معلوم تھا کہ حضورؐ کو مسواک بہت پسند ہے اس

لئے میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا یہ مسواک آپؐ کے لئے لے لوں۔ آپؐ نے اثبات میں جواب دیا۔ میں نے عبدالرحمن سے مسواک لے کر آپؐ کے دست مبارک میں دیدیا۔ وہ مسواک بہت سخت تھی۔ میں نے کہا یا رسول اللہ میں اسے نرم کر دوں؟ آپؐ نے فرمایا ہاں! پھر میں نے اس کو چبایا اور اپنے منہ سے نرم کر کے پیش کیا آپؐ اس سے مسواک کرنے لگے۔

آپؐ کے سامنے پاک وصاف پانی رکھا ہوا تھا، دونوں ہاتھ اس میں ڈالتے، چہرہ مبارک پر ملتے اور فرماتے لا الہ الا اللہ ان للموت سکرات لا الہ الا اللہ (بیشک موت میں سکرات بھی ہے) پھر ہاتھ اٹھایا اور فرمانے لگے ھو الرفیق الاعلی ھو الرفیق الاعلی یہاں تک کہ اسی عالم میں رفیق سے مل گئے، دونوں ہاتھ سامنے کی طرف لٹک گئے۔ صلی اللہ علی النبی الامی وعلی آلہ وصحبہ

حضور کی رحلت کے بعد صحابہ کی کیفیت

جب حضور نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم نے رحلت فرمائی تو فرشتوں نے آپؐ کے اوپر چادر اوڑھا دی۔ اس وقت صحابہ کرام کی مختلف کیفیت تھی۔ بعض حضرات اس قدر دہشت زدہ تھے کہ آپؐ کی وفات ہی سے انکار کرنے لگے۔ بعض سکتہ میں آگئے۔ خاموش ہو گئے اور دوسرے روز گفتگو کی۔ صرف حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما اپنے حال پر قائم رہے (یعنی ان دونوں نے اپنے ہوش وحواس کو قائم رکھا) حضرت بی بی فاطمہ اس وقت کہہ رہی تھیں یا ابتاہ اجاب ربا دعاہ یا ابتاہ من ربہ ما ادناہ یا ابتاہ من جنۃ الفردوس ماواہ یا ابتاہ الی جبرئیل ینعاہ

(اے میرے والد گرامی! آپ نے اپنے رب کی پکار پر لبیک کہا۔ اے میرے باجان! آپؐ اپنے رب کے کس قدر قریب تر ہیں۔ اے میرے والد بزرگوار! جنت الفردوس آپ کا مسکن ہے۔ اے میرے والد ماجد! آپؐ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کی جانب اپنی راہ اختیار کی۔)

اور حضور ﷺ کی رحلت پر مرثیہ کے یہ اشعار بھی کہے۔

ماذا علی من شم تربۃ احمد ان لا یشم مدی الزمان غوالیا

صبت علی مصائب لو انہا　　　　صبت علی الایام صرن لیالیا

(جس نے احمد ﷺ کے قبر کی مٹی سونگھ لی ہے اگر وہ عمر بھر کوئی خوشبو نہ سونگھے تو اس کا کیا نقصان ہوگا؟ (یعنی وہ عمر بھر کسی عطر کے سونگھنے سے بے نیاز ہو گیا)
مجھ پر وہ مصیبتیں ٹوٹ پڑی ہیں کہ اگر یہ مصائب دن (روز روشن) پر اترے تو وہ رات میں تبدیل ہو جاتا۔)

حضورؐ کو غسل دینے کا مسئلہ

اس کے بعد آپ کو غسل دینے کی بات ہونے لگی کہ اتنے میں حجرے کے دروازے سے کسی کی آواز آئی لاتغسلوہ فانہ طاھر ومطھر (آپ کو غسل نہ دو اس لئے کہ آپؐ پاک و طاہر ہیں) اس آواز کے بعد فوراً دوسری آواز آئی کہ اغسلوہ فان ذالک ابلیس وانا الخضر (آپ کو غسل دو بیشک یہ تو ابلیس تھا جو منع کر رہا تھا اور میں خضر ہوں) اس وقت خضر علیہ السلام نے صحابہ اور اہل بیت کی تسلی و تعزیت کے کلمات بھی کہے۔

اس کے بعد اس موضوع پر اختلاف ہونے لگا کہ آپؐ کے جسم مبارک سے کپڑا اتارا جائے یا اسی کپڑے میں غسل دیا جائے۔ اتنے میں پھر آواز آئی اغسلوا فی ثیابہ (اسی کپڑے میں غسل دیا جائے) لہذا اسی کپڑے میں آپ کو غسل دیا گیا۔ لوگ غسل کے وقت آپؐ کے جس عضو کو بھی حرکت دینا چاہتے خود بخود حرکت ہو جاتی اور آپ کروٹ بدل دیتے۔ اس وقت لوگوں نے یہ آواز سنی ارفقوا برسول اللہ فانکم مستکفون یعنی رسول خدا ﷺ کو غسل دینے میں نرمی سے کام لو اس لئے کہ تم لوگوں سے اس کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔

حضورؐ کو غسل دینے والے حضرات

حضرت علی، حضرت عباس، حضرت عباس کے صاحبزادگان فضل و قثم اور حضورؐ کے موالی میں سے اسامہ اور شقران نے غسل دینے کی سعادت حاصل کی اور حضرت اوس انصاری بھی اس خدمت میں شریک رہے۔ حضرت علیؓ اس پانی کو اٹھا رہے تھے جو آپؐ کے جسم اطہر سے گر رہا تھا

اور اس وقت یہی کہ رہے تھے صلی اللہ علیک لقد طبت حیا و میتا اللہ کی رحمت ہو آپؐ پر۔ آپؐ حیات و ممات دونوں حال میں خوشبو ہی خوشبو ہیں۔

تکفین اور نماز جنازہ

حضورؐ کو بغیر سلے ہوئے تین کپڑوں کا کفن دیا گیا اور پھر جنازہ تیار کیا گیا اور لوگ تنہا تنہا فرداً فرداً جنازہ کی نماز پڑھی گئی۔ اور ایسا اس لیے کیا گیا تاکہ ہر شخص نماز جنازہ میں براہ راست شریک ہو اور کوئی کسی کے تابع نہ ہو۔ نماز کا وقت کافی بڑھایا گیا تاکہ مدینہ کے اطراف میں جو لوگ رہتے ہیں وہ بھی اس دولت سے مشرف ہو جائیں۔

آخری آرامگاہ

حضورؐ کی آخری آرامگاہ کہاں بنائی جائے اب یہ مسئلہ زیر غور آیا۔ اور لوگوں کی مختلف رائیں سامنے آئیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا کہ حضور نبی کریم ﷺ سے میں نے سنا ہے کہ انبیاء کرام کی جہاں وفات ہوتی ہے وہیں وہ مدفون ہوتے ہیں۔ لہذا حضور ﷺ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں دفن کیے گئے۔ جن صحابہ کرام نے غسل دیا تھا تدفین کے وقت وہی حضرات قبر میں اترے۔

وفات نبویؐ پر حضرت انسؓ کا تاثر

جب حضورؐ کی تدفین عمل میں آ گئی تو حضرت بی بی فاطمہؓ رنج و غم اور درد و الم کی جس شدت میں مبتلا تھیں اس کا بیان ممکن نہیں۔ انہوں نے حضرت انسؓ سے فرمایا یا انس اطابت انفسکم ان تحثوا علی رسول اللہ التراب اے انس! کیا آپ لوگ اللہ کے رسول پر خاک ڈال کر خوش ہیں؟ انس بن مالک نے جواب دیا کہ جس روز اللہ کے رسول ﷺ مدینہ میں تشریف لائے اس روز سے بہتر مبارک اور روشن و تابناک کوئی دوسرا دن نظر نہیں آیا۔ اس روز مدینہ کی ساری چیزیں منور ہو گئی تھیں۔ اور جس روز اللہ کے رسولؐ نے پردہ فرمایا اس روز سے برا

تاریک کوئی دوسرا دن نظر نہ آیا۔ اس دن ساری چیزوں پر تاریکی چھا گئی تھی جس وقت ہم لوگ آپؐ کی تدفین میں مشغول تھے ہم لوگوں کے ہاتھوں میں مٹی لگی ہوئی تھی اور ابھی ہاتھ کو صاف بھی نہیں کیا تھا کہ اسی وقت سے ہم لوگوں کے دل کی حالت ہی دوسری ہونے لگی۔ نہ دل میں وہ صفائی باقی تھی اور نہ رقت کی وہ کیفیت قائم رہی جو پہلے تھی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون روائتوں میں آتا ہے کہ ایک اعرابی مزار مبارک کے قریب کھڑے ہو کر یہ اشعار پڑھ رہے تھے۔

يا خير من دفنت في القبر اعظم   وطاب من طيبهن القاع والاكم

نفسي الفدا لقبر انت ساكنه   فيه الجس وفيه الجود والكرم

اے سراپا خیر ان سب میں اعظم جو قبر میں دفن کئے گئے۔ آپ کے جسد اطہر کی خوشبو سے بلند و پست تمام زمین مشک بار ہیں۔

جس قبر شریف میں آپ آرام فرما ہیں اس پر میری جان قربان۔ اس میں سخاوت کرم اور جنتیں ہیں۔

ہاتف غیبی نے آواز دی یا اعرابی انا قد غفرنا لک بھذین البیتین

(اے اعرابی! آپ ان دونوں اشعار کی وجہ سے بخش دے گئے۔)

حضرت عائشہ صدیقہؓ کا ایثار

حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حجرہ شریف میں حضور نبی کریم ﷺ کی قبر مبارک کے علاوہ دو قبروں کی جگہ اور تھی۔ حضرت عائشہ نے ان دونوں جگہوں میں سے ایک جگہ تو اپنے والد ماجد حضرت ابو بکر صدیقؓ کے لئے دیدی تاکہ ان کو حضورؐ کی قربت حاصل رہے اور دوسری جگہ اپنی قبر کے لئے رکھی۔ جب حضرت عمرؓ کو سفر آخرت پیش آیا تو انہوں نے حضرت عثمانؓ کو بلا کر ان کے سامنے خاندان نبوتؐ کی تعریف کی، اہلِ بیت رسولؐ کے ایثار و کرم اور احسان کی مدح سرائی کی اور ان سے کہا کہ ام المومنین عائشہ صدیقہ کے پاس جائیے اور ان سے عرض کیجئے کہ آپؓ نے اپنے لئے جو جگہ رکھی ہے وہ رسول خدا ﷺ کی محبت کے صدقہ مجھے عنایت فرما دیجئے اور ایثار کر دیجئے۔ حضرت عثمانؓ ام المومنین کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جس طرح حضرت عمر نے

کہا تھا اسی طرح عرض کیا ان کی درخواست پیش کی ، ام المومنین حضرت عائشہ نے فرمایا اگرچہ میرے نزدیک یہ جگہ دنیا اور دنیا کی ساری چیزوں سے زیادہ بہتر اور افضل ہے لیکن جب حضور کا وسیلہ دیا گیا ہے تو میں نے ایثار کیا اور یہ جگہ عمر کو دیدی۔ حضرت عثمان کو روانہ کرنے کے بعد حضرت عمر کی نگاہیں دروازہ پر لگی ہوئی تھیں کہ دیکھئے کیا جواب آتا ہے۔ جب حضرت عثمان نے حضرت عائشہ کا جواب عمر تک پہنچایا اور یہ خوشخبری دی کہ ام المومنین نے وہ جگہ آپ کو دیدی تو حضرت عمر نے فرمایا کہ اے عثمان! یقین نہیں آتا کہ حضرت عائشہ نے واقعی مجھ پر اتنا بڑا کرم کیا ہے اس لئے آپ پھر دوبارہ جایئے اور اچھی طرح سمجھ کر آیئے۔ حضرت عثمان نے بہت زیادہ یقین دلایا لیکن حضرت عمر نے فرمایا کہ آپ پھر جایئے۔ لہذا حضرت عثمانؓ پھر حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فرمایا کہ اے ام المومنین! اس مقام کو جو انتہائی عزت و شرف حاصل ہے اس کی وجہ سے حضرت عمر کو یقین نہیں آرہا ہے کہ آپؓ نے یہ جگہ ان کو عنایت کردی ہے اس لئے انہوں نے دوبارہ آپؓ کے پاس بھیجا ہے۔ حضرت عائشہ نے فرمایا میرا تعلق اس خانداں سے ہے جو ایثار و کرم کے پیکر ہیں۔ جو چیز ایک بار دیدی وہ دیدی۔ جایئے، عمر کو خوشخبری سنا دیجئے۔ حضرت عثمان نے حضرت عمر کو خوشخبری سنا دی، حضرت عمر نے خدا کا شکر ادا کیا، رسول اور خاندان رسول کی خوب خوب تعریف کی۔ جب حضرت عمرؓ نے وفات پائی تو اسی جگہ ان کی آخری آرامگاہ بنی۔

قبہ اور چہار دیواری کی تعمیر

شروع میں سرکار دو عالم ﷺ کے مزار مبارک پر کوئی قبہ اور چہار دیواری نہیں تھی۔ زائرین جو زیارت کے لئے آتے وہ قبر مبارک کے نزدیک گریہ وزاری کرتے، لوٹ پوٹ کرتے اور اپنے کو مزار مبارک سے ملتے اور اسی طرح کی دوسری بے ادبیوں کا ارتکاب کرتے۔ مدینہ کے بعض بزرگوں نے جب یہ دیکھا تو اس جرأت و بے ادبی کو روکنے کے خیال سے مزار مبارک کے چاروں طرف چہار دیواری دیدی۔ وہ چہار دیواری اتنی اونچی تھی کہ لوگ کھڑے ہو کر باہر سے زیارت کر لیتے۔ اس کے بعد یہ ہوا کہ کچھ نادان اور گستاخ لوگ دیوار تڑپ کر اندر جانے کی جرأت کرنے لگے۔ پھر ہارون رشید کی بیوی زبیدہ نے اس پر قبہ بنوا دیا۔ اور اس قبہ کا اوپری

حصہ کھلا ہوا تھا۔ ایک بار خلیفہ روضۂ انور کی زیارت کے لئے حاضر ہوا۔ اس نے قبہ کے اندر جا کر مزار مبارک کی زیارت کرنے پر اصرار کیا۔ لوگوں نے بہت منع کیا لیکن وہ راضی نہیں ہوا اپنی ضد پر قایم رہا۔ اور قبہ کے اوپری حصہ سے جو کھلا ہوا تھا اندر داخل ہو گیا۔ قبر مبارک کی تابش و تابناکی ایسی تھی کہ اس خلیفہ کی آنکھیں تیرہ و تاریک ہو گئیں۔ جب وہ زیارت کر کے باہر آیا تو اس نے قبہ کے اوپری حصہ کو جو کھلا ہوا تھا بند کروا دیا۔ وہ قبہ خلیفہ منصور کے زمانہ تک اسی حال میں رہا۔

لیکن اس وقت روضۂ انور جس ہیئت و ساخت میں ہے اس کی تعمیر کا واقعہ یہ ہے کہ خلیفہ منصور جس وقت مصر میں تھے انہوں نے حضور اکرم ﷺ کو خواب میں دیکھا آپ فرما رہے ہیں کہ اے منصور! چار اشخاص جن کا تعلق آتش پرستوں سے ہے زاہدوں کے جامہ میں میرے روضہ کی مجاوری کر رہے ہیں۔ اور میرے جسم کو باہر نکالنے کے لئے سرنگ کھود رہے ہیں۔ عنقریب وہ میرے جسم تک پہنچنے والے ہیں۔ جہاں تک ممکن ہو سکے جلد سے جلد وہاں پہنچ کر ان لوگوں کو گرفتار کرو۔ منصور نے بیدار ہونے کے بعد اپنے امراء وزرا کو بلایا اور ان سے کہا کہ مجھے ایک ضروری کام درپیش ہے اور جلد از جلد مدینہ پہنچنا ہے جو میرا ساتھ دینا چاہتا ہو میرے ساتھ چلے، یہ کہہ کر وہ روانہ ہو گئے، اور جس راستہ کو چالیس دنوں تک رات دن چل کر طئے کیا جا سکتا تھا اس کو صرف سات دنوں میں پورا کیا۔ مدینہ پہنچے، حضور کی زیارت سے مشرف ہوئے، مدینہ کے علماء اور شرفاء کو بلوایا، اور کہا کہ میں نے ایک منت مانی ہے اس کو پوری کرنے کے لئے آیا ہوں، حضور کے روضۂ مبارک کے جتنے مجاور ہیں سب کو دعوت دی جائے تاکہ میں ان کو اپنی نذر پیش کروں سارے مجاور جمع ہو گئے۔ خلیفہ نے دریافت کیا کہ کوئی باقی تو نہیں رہا؟ لوگوں نے بتایا کہ صرف چار آدمی رہ گئے ہیں جو زاہد و پرہیزگار ہیں وہ لوگوں سے بہت کم ملتے ہیں۔ وہ پورے دن باغ میں خدا کی عبادت کرتے ہیں اور رات مسافر خانہ میں گذارتے ہیں۔ خلیفہ نے حکم دیا کہ ان لوگوں کو بلانا تو بہت ضروری ہے تاکہ ان سے ملاقات ہو جائے۔ ان چاروں کو بہت ہی عزت و اکرام کے ساتھ لایا گیا، خلیفہ نے کہا کہ میں ان کی عبادت گاہ کی زیارت کرنا چاہتا ہوں۔ اس کے بعد اٹھا اور ان کی قیام گاہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ جب ان کے حجرہ کا دروازہ کھولا گیا تو دیکھا کہ سرنگ کھدی ہوئی ہے۔ ہر جگہ مٹی اور پتھر کا تودہ لگا ہوا ہے۔ لوگ اس سرنگ میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ حضورؐ کے مزار مبارک تک پہنچنے کے لئے صرف ایک

گز یا دو گز باقی رہ گیا ہے۔ ان چاروں منافقوں کو گرفتار کر لیا گیا یہ سب زنار بند تھے، اب خلیفہ نے اس خواب کو بیان کیا جو اس نے دیکھا تھا۔ جب یہ خواب سچ ثابت ہو گیا اور لوگوں نے حضور کے اس معجزہ کو دیکھ لیا تو ان چاروں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا۔ خلیفہ چند روز تک وہاں رہا اس سرنگ کو ہفت جوش[1] سے بند کر دیا گیا۔ قبہ مبارک کی نئے سرے سے تعمیر کی گئی۔ گہری نیو کھودی گئی اور یہ بنیاد ہفت جوش سے بھری گئی، جب زمین کے برابر ہو گئی تو اس کے اوپر قبہ بنوایا گیا۔ اور آج بھی حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کی قبریں اسی قبہ کے اندر ہیں۔ ان مزارات پر قبہ کے باہر زیارت کرنے والوں کے لئے علامتیں لگا دی گئی ہیں اور یہ عبارت درج ہے ھذا قبر رسول اللہ ھذا قبر ابو بکر ھذا قبر عمر

نقل ہے کہ خواجہ جمال موصلیؒ کئی برسوں تک روضۂ مبارک کی مجاوری کرتے رہے بہت مال و دولت خرچ کیا، اور روضۂ پاک کے مجاوروں سے گھل مل گئے ان کی نیت یہ تھی کہ اگر مجھے حضورؐ کے قدموں میں دفن کر دیا جائے تو یہ میرے لئے انتہائی خوش قسمتی کی بات ہوگی اور اس سے بڑی کوئی سعادت نہیں، انہوں نے لوگوں کو وصیت کی کہ اگر اس دولت سے میں مشرف ہو گیا تو میری قبر کے اوپر یہ لکھ دینا ـــ و کلبھم باسط ذراعیہ بالوصید (کہف ۱۸)

(ان میں چوتھا ان کا کتا ہے جو اپنی کلائیاں پھیلائے ہوئے ہے غار کی چوکھٹ پر)

حضرت مولفؒ کی دعائیں

اے خدا! حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کے وسیلہ سے اور تمام انبیاء و اولیاء کے طفیل حضور ﷺ کے روضۂ انور اور قبۂ اطہر کی زیارت کی دولت سے سرفراز فرما اور روضۂ پاک کے قرب و جوار کی خاک نصیب فرما۔ یا ارحم الراحمین یا الٰہ العٰلمین! آج مجھے اس سعادت سے محروم مت رکھ اور کل قیامت کے دن حضور کے غلاموں کے ساتھ میرا حشر کر۔ آپؐ کی گلی کے کتوں کے صدقے مجھے درگزر فرما صلی اللہ علیہ وسلم و علی الہ و ازواجہ و اولادہ و اصحابہ و عترتہ واحفادہ و علی جمیع الانبیاء والمرسلین والھم الطیبین الطاھرین اجمعین۔

---

[1] سونا، چاندی، لوہا، تانبا، جست، سیسہ اور رانگ کے مرکب اور مجموعہ کو ہفت جوش کہتے ہیں۔

ذکر

امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہ

حداوندا بعلم شاہ مردان
ولی حق علی آن شیر یزدان

آداب و القاب

حجت نبوی کے برہان، ملت مصطفوی کے سلطان، ولیوں کے قبلہ، مومنوں کے امام، صوفیوں کے پیشوا، کرم و احسان کے آفتاب ضیاء بار صاحب ذوالفقار رسول اکرم ﷺ کے علم کے حامل، صفی کامل، سارے مومنوں کے ولی، سب کے آقا و مولی جن کی شان میں من کنت مولاہ فعلیؓ مولاہ آیا۔ جو سارے اہل طریقت کے لئے پیشوا بنائے گئے۔ وہ معدنِ صفا و وفا وہ مرتضیٰ و برادر مصطفیٰؐ اسداللہ الغالب علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہ تمام صحابہ کرام میں جلیل القدر صحابی، حضور نبی کریم ﷺ کی حقیقی چچازاد بھائی اور داماد تھے، اصحاب صفہ عشرۂ مبشرہ اور ارباب شوریٰ میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ حضور ﷺ اپنی پوری زندگی میں ان سے خوش رہے۔ خلفائے راشدین اور علمائے ربانین میں آپ بھی شامل ہیں۔

علمی تفوق

مسیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت علیؓ اور ابن عباسؓ کے سوا اور کسی نے بھی سلونی (جو پوچھنا ہے مجھ سے پوچھو) نہیں کہا حضرت مسیب فرماتے ہیں کہ علم کا نو حصہ حضرت علی کو ملا۔ اور ایک حصہ میں باقی دوسرے لوگ ہیں بلکہ خدا کی قسم! اس ایک حصہ میں بھی حضرت علی کا حصہ ہے۔ حضرت مسیب ہی کا قول ہے کہ جب میں کسی مسئلہ کی تحقیق حضرت علی سے کر لیتا تو پھر دوسروں کی طرف رجوع نہیں ہوتا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تمام صحابہ کو

اس پر اتفاق تھا کہ اقضی اهل المدینة علي (سارے مدینہ والوں میں علی بہترین قاضی ہیں)
بڑے بڑے صحابہ آپ سے علم حاصل کرتے۔ معاملات و واقعات میں فتویٰ کے لئے آپ ہی کی
طرف رجوع ہوتے مشکل مسائل اور حالات میں آپ کے قول و ارشادات بہت زیادہ مشہور ہیں۔

زہد وتقویٰ

زہد میں آپ اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ حضرت سفیان عیینہ نے فرمایا کہ آپ نے کبھی اینٹ
پر اینٹ اور لکڑی پر لکڑی نہیں رکھی (یعنی کبھی مکان نہیں بنوایا) آپ کے پاس ایک تہبند تھا جو
سخت کھردرا تھا اس کو پانچ درم میں خریدا تھا اسی کو پہنتے تھے۔ حضرت حنبلؒ نے مسند میں تحریر
فرمایا ہے کہ حضرت علی کا ارشاد ہے کہ میں بھوک کی حالت میں پیٹ پر پتھر باندھتا ہوں۔ لیکن
میرے صدقہ کی مقدار آج چار ہزار دینار کو پہنچ چکی ہے۔ اور ایک روایت میں چالیس ہزار دینار
آیا ہے۔ علماء کہتے ہیں کہ اس صدقہ سے مال کی زکوۃ مراد نہیں ہے۔ اس لئے کہ آپ نے
پوری زندگی میں اتنی دولت جمع ہی نہیں کی جس پر زکوۃ واجب ہو۔ اس صدقہ سے وقف کی
زمینیں مراد ہیں جن کو آپ نے صدقہ جاریہ کے طور پر صدقہ کیا تھا۔ اور اس زمین سے جو غلہ
حاصل ہوتا اس کی رقم اتنی تھی جس کا اوپر ذکر آیا۔

طریقت میں آپ کی مقتدائی وپیشوائی

حضرت علی طریقت میں تمام اہل فن کے مقتداء اور پیشوا ہیں۔ اور سارے مشائخ کے
مرکز توجہ اور مرشد آپ ہی ہیں۔ حضرت جنید بغدادیؒ نے فرمایا شیخنا في الاصول والبلاء
علي المرتضی یعنی اس راہ کے علم اور معاملات میں ہمارے امام اور خواجہ حضرت علی مرتضیٰؓ ہیں
اہل طریقت نے اس راہ کے علم کو اصول کا نام دیا ہے اور معاملات کو بلاء کہتے ہیں۔

معرفت خداوندی میں آپ کا قول

حضرت جنید فرماتے ہیں کہ حضرت علی مرتضی نے معرفت خداوندی کے سلسلہ میں جو کچھ
ارشاد فرمایا ہے اگر وہ خاموش رہتے اور یہ سب کچھ نہیں کہتے تو ارباب طریقت پھر کیا کرتے

(یعنی حضرت کے یہ اقوال اصحاب طریقت کے لئے مشعل راہ ہیں) آپ سے لوگوں نے دریافت کیا کہ آپ نے خدا کو کیسے پہچانا تو فرمایا کہ اس نے اپنی پہچان خود کروائی کہ میں خدا ہوں اس لئے کہ اس کی تو کوئی شبیہ نہیں نہ اس کو کسی شکل میں لایا جا سکتا ہے نہ اس کو کسی جنس میں شامل کیا جا سکتا ہے نہ اس کو کسی مخلوق پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔ وہ دور رہتے ہوئے بھی نزدیک ہے اور نزدیک رہتے ہوئے بھی دور ہے۔ وہ تمام چیزوں سے بالا ہے لیکن اس کی بلندی ایسی نہیں جس کے تحت کوئی چیز ہو۔ وہ نہ کسی چیز کے مثل ہے، نہ کسی چیز میں شامل ہے نہ کسی چیز سے پیدا ہوا ہے نہ کوئی چیز اس سے پیدا ہوئی ہے وہ خدائے واحد "ایسا ہے اور ویسا نہیں ہے" جیسے وہم و خیال سے پاک ہے۔ اس کے سوا کسی کا وجود نہیں۔ "حضرت جنید" فرماتے ہیں کہ اگر حضرت علی کے اس قول کی کوئی شرح کرنا چاہے تو کئی جلدیں ہو جائیں۔

آپ کا ایک قیمتی مشورہ

ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا یا امیرالمومنین! مجھے کچھ وصیت کیجئے آپ نے فرمایا لا تجعلن اکثر شغلک باھلک و ولدک فان یکن اھلک و ولدک من اولیاء اللہ فان اللہ لا یضیع اولیاء ہ و ان کانوا اعداء اللہ فما ھمک و شغلک لاعداء اللہ اپنی بہترین مشغولیت میں بیوی بچوں کو حائل ہونے نہ دو۔ اگر یہ خدا کے دوست ہیں تو پھر ان کے لئے فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔ خدا اپنے دوستوں کو ضائع نہیں کرے گا۔ اور اگر یہ خدا کے دشمن ہیں تو خدا کے دشمنوں کے لئے تم کیوں فکرمند ہوتے ہو۔

بہترین کسب

لوگوں نے آپ سے دریافت کیا کہ سب سے پاکیزہ کسب کیا ہے؟ آپ نے فرمایا غناء القلب باللہ جو دل خدا کے ساتھ تونگر ہو۔ یعنی اگر اس کے پاس دنیا نہیں ہے تو وہ اپنے کو مفلس نہ سمجھے اور اگر دنیا ہے تو دنیوی عیش و عشرت میں گم نہ ہو جائے۔

حضرت علی ﷺ کے کلمات، باریک نکات و اشارات اور آپ کی تحقیق کردہ عبارات بہت مشہور و معروف ہیں۔ رشید الدین وطواط نے آپ کے ہر ایک قول کو فارسی اشعار میں نظم کر کے

کتابی شکل دیدی ہے، آپ کے لطیف کلمات اتنے ہیں کہ وہ شمار میں نہیں آسکتے۔ آپ کا مقام اتنا ارفع واعلیٰ ہے کہ آپ قدر و منزلت کی بزم میں صدر نشیں رہے طریقت میں بھی آپ اتنے عظیم المرتبہ اور عجیب مقام رکھتے ہیں کہ اس مختصر کتاب میں اس کا احاطہ ممکن نہیں ہے۔

آپ کی کنیت

آپ قریشی وہاشمی ہیں۔ ابوالحسن اور ابوتراب آپ کی کنیت ہے۔ ابوتراب کی کنیت حضور نبی کریم ﷺ نے رکھی تھی۔ وکان احب مایادی به الیه فهو احو رسول الله صلی الله علیه وسلم یعنی حضور اکرم ﷺ آپ کو بھائی کہہ کر مخاطب کرتے۔ اور مواخات کا واقعہ مشہور ہے۔ اس لئے جب آپ کو یا اخا رسول اللہ (اے رسول اللہ کے بھائی) کہہ کر پکارا جاتا تو آپ بہت خوش ہوتے۔ اور یہ انداز تخاطب آپ کو بیحد پسند آتا۔

آپ کا نسب

آپ کے نسب کے بیان کی یہاں پر ضرورت نہیں اس لئے کہ آپ کا نسب تو وہی ہے جو رسول اللہ ﷺ کا ہے، آپ کے والد کا نام ابو طالب عبد مناف تھا جو عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف کے صاحبزادے تھے۔

آپ کی والدہ ماجدہ

آپ کی والدہ ماجدہ فاطمہ بنت اسد بن ہاشم بن عبد مناف بھی ہاشمیہ ہیں اور وہ حضور رسول کریم ﷺ کے عہد رسالت میں بھی بقید حیات تھیں۔ حضورؐ پر ایمان لائیں۔ مکہ سے مدینہ کو ہجرت کی، حضور ﷺ کی موجودگی میں وفات پائی۔ حضورؐ نے جنازہ کی نماز پڑھی۔ اور قبر میں اتارا۔ وہ پہلی ہاشمیہ خاتون ہیں جن کے بطن سے ہاشمی پیدا ہوئے۔ یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی جو ہاشمی ہیں۔

آپ کو کرم اللہ کہنے کی وجہ

آپ بچپن سے کافروں کے درمیان رہے لیکن کبھی بتوں کے سامنے سجدہ ریز نہیں ہوئے۔ اسی وجہ سے آپ کو کرم اللہ وجہہ کہا جاتا ہے۔

والد کی وصیت اور آپ کا مشرف باسلام ہونا

جب آپ کمسن تھے اسی وقت آپ کے والد ابو طالب نے آپ کو وصیت کی تھی کہ محمد ﷺ کے ساتھ رہنا اور آپ جو کچھ فرمائیں ان پر عمل کرنا۔ اسی لئے حضرت علی اس پر قائم رہے، ایک روز حضرت علیؓ حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اس وقت آپ نماز میں مشغول تھے۔ حضرت علی نے دریافت کیا کہ آپ یہ کیا کر رہے ہیں۔ اس وقت حالت نماز میں گفتگو جائز تھی۔ حضور نے جواب دیا کہ اس کو نماز کہتے ہیں۔ اور خداوند تعالیٰ کی عبادت اسی طرح کی جاتی ہے۔ آؤ تم بھی نماز میں شریک ہو جاؤ۔ اس وقت حضرت علی کو اپنے والد بزرگوار کی وصیت یاد آئی (اور وہ نماز میں شریک ہو گئے) اس کے بعد ہادی برحق رسول اکرم ﷺ نے آپ کو ایمان کی تلقین کی اور وہ ایمان لے آئے۔ آپ اس وقت کتنے سال کے تھے اس میں بہت اختلاف ہے۔ کسی نے دس سال کہا ہے کسی نے آٹھ سال۔ کسی روایت میں بارہ سال ہے اور ایک روایت پندرہ سال کی بھی ملتی ہے۔

سب سے پہلے ایمان کس نے لایا؟

صحابہ میں سب سے پہلے ایمان کس نے لایا؟ اس میں بھی اختلاف ہے۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ سب سے پہلے بی بی خدیجہؓ نے ایمان لایا۔ کسی روایت میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بارے میں کہا جاتا ہے اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے حضرت علی مشرف باسلام ہوئے۔ لیکن سب سے پہلے بی بی خدیجہؓ کے ایمان لانے پر اکثر روایتیں ملتی ہیں۔ ہاں ان کے بعد والوں میں اختلاف ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ سب سے درست اور بہتر خیال یہ ہے کہ آزاد مردوں میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ ایمان لائے بچوں میں حضرت علی،

عورتوں میں بی بی خدیجہ، موالی میں زید بن حارث، غلاموں میں حضرت بلال۔

وقت ہجرت حضور کی نیابت

جس وقت سے حضرت علی داخلِ اسلام ہوئے ہمیشہ حضور کی خدمت میں رہتے۔ جب حضور ﷺ مکہ سے ہجرت کرنے لگے تو آپ کو چند روز کے لئے اپنی جگہ پر مکہ میں چھوڑ دیا۔ اور حکم دیا کہ جن لوگوں کی امانتیں اور وصیتیں حضور کے ذمہ ہیں ان کو ادا کر کے آجائیں۔ اور اپنے اہل و عیال میں مل جائیں۔ لہذا آپ نے ویسا ہی کیا اور ساری ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے بعد حضور کی خدمت میں آگئے۔

حضورؐ سے آپ کی قربت

حضرت علیؓ کو آقائے نامدار رسولِ پروردگار حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے جو قربت حاصل تھی اس کا اظہار حضورؐ نے ان لفظوں میں فرمایا ہے۔ **علی منی و انا من علی ولا یؤدی عنی الا انا او علی**۔ یعنی علی مجھ سے ہیں اور میں علی سے ہوں اور جن چیزوں کی ادائیگی میرے ذمہ ہے ان کو میں ادا کروں یا علی۔ ایک ہی بات ہے۔

اس حدیث کا شانِ ورود

اس حدیث پاک کے ورود کا پس منظر یہ ہے کہ جس سال حضور ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کو حج کے لئے بھیجا اور جب سورۂ برأت کی یہ آیت **انما المشرکون نجس فلایقربوا المسجد الحرام بعد عامھم ھذا** (بیشک مشرکین ناپاک ہیں اس سال کے بعد وہ مسجد حرام میں داخل نہ ہوں) اور مشرکین سے متعلق اسی طرح کے دوسرے احکام نازل ہوئے تو مشرکین پر قید و بند لگانے کی ضرورت پیش آئی۔ لہذا اس کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ مقرر کیے گئے اور اسی وقت سرور کائنات حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا۔ اور اس کی وجہ یہ بھی ہوئی کہ اہل عرب کی یہ عادت تھی کہ جب صلح، اور عہد و پیمان کی کوئی بات ہوتی یا کوئی معاہدہ

ہوتا تو سردارِ قوم ہی اس معاہدہ کو کراتے یا ان کے کسی نزدیکی قرابت دار کے ذریعہ وہ معاہدہ طے پاتا۔ اس کے علاوہ اگر اور کوئی دوسرے افراد طے کرا دیتے تو اہل عرب اس کو قبول نہیں کرتے۔

آیت مباہلہ

حضرت سعد ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث مروی ہے۔ اس حدیث کا آخری حصہ یہ ہے کہ جب یہ آیت تعالو ندع ابناء نا و ابناء کم و نساء نا ونساء کم (آؤ! ہم بلائیں اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے اور اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں) نازل ہوئی تو حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت علی، بی بی فاطمہ، حضرت حسن، حضرت حسین کو بلایا اور فرمایا اللھم ھولاء اھلی اے بارالہا! یہ سب ہمارے اہل ہیں۔

قرآن پر عمل اور اہل بیت سے اُنس کی تاکید

حضرت زید ارقم رضی اللہ عنہ سے بھی ایک طویل حدیث مروی ہے جس میں وہ روایت کرتے ہیں کہ ایک بار سرورِ کائنات حضرت محمد رسول اللہ ﷺ مکہ و مدینہ کے درمیان مقام حمراء میں اترے جہاں چشمہ تھا۔ وہاں کھڑے ہوئے خطبہ دیا۔ پہلے اللہ تبارک و تعالیٰ کی تعریف بیان کی، لوگوں کو نصیحت فرمائی اور اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ دیکھو ہوشیار اور باخبر رہو کہ جہاں تک بشر ہونے کا سوال ہے میں بھی تمہاری طرح ہوں۔ عنقریب اللہ کا فرشتہ میرے پاس آئے اور میں اللہ کی طرف سے جو بلاوا آرہا ہے اس پیغام کو قبول کرلوں، ایسی صورت میں میں تمہارے لئے دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں۔ پہلی چیز تو خدا کی کتاب ہے جس میں نور اور ہدایت ہے اس کتاب الٰہی پر عمل کرنا اور اسے مضبوطی سے پکڑ لینا۔ اس کتاب کی طرف رغبت دلانے اور مائل کرنے کے لئے اور جملے بھی فرمائے۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ دوسری چیز جو چھوڑ رہا ہوں وہ میرے اہل بیت ہیں پھر تین بار اس جملہ کی تکرار فرمائی۔ اذکر کم اللہ فی اھل بیتی میں اپنے اہل بیت کے سلسلہ میں تم کو خدا کی یاد دلاتا ہوں، دیکھو ان کو کسی طرح کی تکلیف نہ پہنچانا۔

اہل بیت کی تشریح

مذکورہ بالا حدیث کے راوی حضرت زید سے لوگوں نے دریافت کیا کہ اے زید! حضورؐ کے اہلِ بیت کون لوگ ہیں؟ کیا امہات المومنین اہلِ بیت نہیں ہیں؟ زید نے جواب دیا کہ وہ بھی ہیں لیکن اہلِ بیت میں وہ لوگ آتے ہیں جن پر صدقہ حرام ہے۔ پھر لوگوں نے سوال کیا کہ وہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ وہ حضرت علی، آلِ عقیل، آلِ جعفر، اور آلِ عباس ہیں۔

مَن کُنتُ مَولاہ فعلی مولاہ کا شانِ ورود

حضرت عمران حصینؓ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک علی مجھ سے ہیں اور میں علی سے ہوں اور وہ تمام مومنوں کے مولا ہیں یعنی سارے مومنوں کے مددگار، دوست اور حاکم ہیں، حضور نے یہ بھی فرمایا ہے کہ میں جس کا مولیٰ ہوں علی اس کے مولیٰ ہیں۔ اور مولیٰ بہت معانی میں استعمال ہوتا ہے جیسے دوست، ولی وغیرہ۔ اس حدیث کی تاویل حدیث کی کتابوں کی جو شرح لکھی گئی ہیں اس سے معلوم ہوگی۔ لیکن اس حدیث کا شانِ ورود یہ ہے کہ ایک بار حضرت اسامہ بن زیدؓ نے حضرت علی سے کہہ دیا کہ آپ میرے حاکم نہیں ہیں، میرے حاکم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ جب یہ بات حضور کو معلوم ہوئی تو آپؐ نے فرمایا کہ جس کا میں مولیٰ ہوں اس کے علی مولیٰ ہیں۔ اس حدیث کے راوی ابوشریحہ ہیں یا زید ارقم ہیں۔ اور امام ترمذی نے لکھا ہے کہ یہ حدیث حضرت حسان سے مروی ہے۔ اس حدیث کی صحت پر ردوقدح کی گنجائش نہیں۔ اس لئے کہ جو صحابی بھی اس کے راوی ہیں کسی کے عدل پر شک وشبہ نہیں کیا جا سکتا ہے۔

آپ کی سخاوت اور کمالِ ایثار

آپ کی سخاوت اور ایثار کے بارے میں نہ کچھ کہا جا سکتا ہے اور نہ تحریر میں لایا جا سکتا ہے۔ آپ کی جوانمردی اور کمالِ ایثار پر اللہ کا کلام شاہد ہے۔ ایک روز جب آپ نے حالت

نماز میں اپنے ہاتھ سے انگوٹھی اتار کر فقیر کو دیدی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی شان میں یہ آیت کریمہ نازل فرمائی یؤتون الذکوہ وھم راکعون (مائدہ ۵۵)۔ (زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ کے حضور جھکے ہوئے ہیں) اسی طرح اس آیت شریفہ میں بھی آپ کے کمال جوانمردی وایثار و قربانی کا بیان ہے یوفون بالنذر ویطعمون الطعام علیٰ حبہ مسکینا و یتیما و اسیرا (دہر ۷۔۸)۔ (اپنی نذر پوری کرتے ہیں ....اور کھانا کھلاتے ہیں اس کی محبت میں مسکین، یتیم اور اسیر کو)

اہل بیت کی محبت واجب ہے

حضرت علیؓ کی فضیلت میں اور بھی دوسری آیات واحادیث بکثرت موجود ہیں۔ تفسیر میں آیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی قل لا اسالکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ (الشوریٰ ۲۳)۔ (آپ کہہ دیجئے میں اس پر تم سے کچھ اجرت نہیں مانگتا، مگر قرابت داروں کی محبت) صحابہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول' وہ کون لوگ ہیں جن کی محبت اور دوستی ہم لوگوں پر واجب کی گئی ہے؟ حضورؐ نے فرمایا کہ وہ علی، فاطمہ، حسن، حسین اور ان کی اولاد ہیں۔

آپ سے دشمنی منافقت کی علامت ہے

حضرت علیؓ نے قسم کھا کر فرمایا کہ حضور نبی کریم ﷺ نے میرے ساتھ یہ عہد کیا ہے کہ جو مومن ہوگا وہ مجھ سے محبت رکھے گا اور جو منافق ہوگا وہ مجھ سے دشمنی کرے گا۔ اور حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ جو علیؓ سے دشمنی رکھتا ہم لوگ اس کو منافق سمجھتے یعنی علیؓ کی دشمنی منافقت کی علامت تھی۔

حضرت علی خدا کے راز سے باخبر تھے

حدیثوں میں آتا ہے حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ جس روز رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی کو طائف بھیجا پہلے اپنے پاس بلایا اور خلوت میں کچھ راز کی باتیں کیں۔ لوگ کہنے لگے خدا کے رسولؐ اپنے بھائی سے بہت دیر تک راز کی باتیں کرتے رہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ میں نے

راز کی کوئی بات اپنی طرف سے نہیں کی بلکہ خداوند تعالیٰ نے جو راز کی بات ان کو کہنے کے لئے فرمایا میں نے وہی بات ان تک پہنچا دی۔

حضرت علی سے حضورؐ کی غایت محبت

ام عطیہؓ روایت کرتی ہیں کہ آقائے نامدار حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے ایک لشکر کو کہیں روانہ کیا۔ اس لشکر میں حضرت علی بھی تھے، میں نے سنا کہ حضور دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر دعا فرما رہے ہیں اللھم لا تمتنی حتی ترینی علیا۔ اے خدا میں جب تک علی کو نہ دیکھ لوں مجھے نہ لے جا۔ حضور کا اس طرح دعا مانگنا انتہائی اشتیاق کی علامت ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اشتیاق محبت کا ثمرہ ہے۔ حضور ﷺ کے دل میں حضرت علی کی کتنی محبت تھی اس کا اندازہ اس بات سے لگایئے کہ ایک مرتبہ لوگوں نے حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا کہ حضورؐ کو سب سے زیادہ محبت کس سے تھی۔ آپ نے فرمایا کہ فاطمہ سے۔ پھر لوگوں نے سوال کیا کہ مردوں میں سب سے زیادہ کس سے محبت تھی؟ آپ نے جواب دیا کہ علیؓ سے۔

چار حضرات سے محبت کی تاکید

حضرت بریدہؓ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے چار شخصوں سے محبت کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ وہ بھی ان چاروں سے محبت کرتا ہے۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسولؐ وہ کون لوگ ہیں ان کا نام بھی بتا دیا جائے آپؐ نے فرمایا کہ ان میں علی ہیں اور تین بار ان کے نام کی تکرار فرمائی اس کے بعد ابوذر، مقداد اور سلمان کا نام لیا۔

آپ خدا کے محبوب تھے

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ کی خدمت بابرکت میں پکا ہوا جانور پیش کیا گیا۔ آپ نے اس وقت دعا کی اے خدا! لوگوں میں تجھ کو جو سب سے زیادہ محبوب ہے اسے بھیج دے تاکہ وہ میرے ساتھ کھانے میں شریک ہو۔ اسی وقت حضرت علیؓ حاضر ہوئے اور

آپ کے ساتھ کھانے میں شریک ہوئے۔

آپ دونوں جہان میں حضور کے بھائی تھے

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے جب دو دو صحابیوں کو ایک دوسرے کا بھائی بنا دیا تو حضرت علی روتے ہوئے آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے اپنے صحابہ کے درمیان بھائی چارگی اور برادرانہ رشتہ قایم کر دیا لیکن میرا بھائی کسی کو نہیں بنایا یہ سنکر حضور نے فرمایا کہ اے علی! تم دنیا اور آخرت دونوں جگہ میرے بھائی ہو۔

جس طرح ہارون موسیٰ علیہ السلام کے لئے تھے
اسی طرح حضرت علی حضور کے لئے تھے

حضرت سعد ابی وقاصؓ سے مروی ہے کہ جب حضور ﷺ غزوہ تبوک کے لئے نکلے تو حضرت علی کو اپنے اہل و عیال کے درمیان اپنا قایم مقام بنا کر چھوڑ دیا۔ اس وقت حضرت علی نے عرض کیا یا رسول اللہ، مجھے عورتوں اور بچوں کے درمیان چھوڑ دیا گیا۔ حضورؐ نے جواب دیا کہ اے علی، کیا تمہیں یہ بات پسند نہیں آئی کہ جس طرح موسیٰ علیہ السلام کے لئے ہارون علیہ السلام تھے اسی طرح میری جگہ پر تم رہو۔ فرق صرف اتنا ہی ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔

جنگ خیبر میں حضورؐ نے آپ ہی کو علم عنایت فرمایا

حضرت سہل سعدؓ سے مروی ہے حضور نبی کریم ﷺ نے جنگ خیبر کے موقع پر فرمایا کہ میں کل یہ جھنڈا اس شخص کے ہاتھ میں دونگا جس کے ہاتھ سے اللہ تعالیٰ کامیابی عطا فرمائیگا وہ اللہ اور اللہ کے رسول کو دوست رکھتا ہے اور وہ بھی اللہ اور اللہ کے رسول کا محبوب ہے۔ جب رات آئی لوگ اس موضوع پر آپس میں گفتگو کرنے لگے اور اس بات پر غور کرنے لگے کہ دیکھئے کل یہ علم کس کو عنایت ہوتا ہے۔ جب صبح ہوئی سب لوگ حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ہر ایک شخص کی نگاہ امید اس بات پر لگی ہوئی تھی کہ علم اسی کو ملے گا۔ اس وقت

حضور نے فرمایا علی ابن ابی طالب کہاں ہیں؟ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ان کی آنکھ میں درد ہے آپ نے فرمایا کہ کسی کو بھیج کر ان کو بلاؤ۔ حضرت علی حاضر ہوئے۔ حضور نے اپنا آب دہن ان کی آنکھ میں لگا دیا۔ اسی وقت تکلیف دور ہو گئی۔ اور ایسے ہو گئے جیسے کوئی تکلیف ہی نہ تھی۔ حضور نبی کریم ﷺ نے علم حضرت علی کو عنایت فرمایا حضرت علی نے گذارش کی یا رسول اللہ میں ان لوگوں سے اس وقت تک لڑتا رہوں گا جب تک وہ اسلام قبول نہ کر لیں۔ حضور نے فرمایا کہ ہاں اسی طرح ان کے پاس جایئے ان کو اسلام کی دعوت دیجئے اور اللہ کے جو حقوق ان پر واجب ہیں ان سے ان کو باخبر کیجئے۔ اس کے بعد حضور نے قسم کھا کر فرمایا کہ اگر آپ کے ذریعہ ایک شخص بھی ہدایت پا لیتا ہے تو اجر و ثواب میں اس کا درجہ سرخ اونٹوں کو صدقہ کرنے سے بھی کہیں زیادہ ہے۔ سرخ اونٹ عرب کی ایک قیمتی دولت تھی۔

فتوحات

غزوات اور دوسری جنگوں میں سرور کائنات حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں اور بعد میں بھی حضرت علی کی شرکت کے بیشمار واقعات ملتے ہیں۔ آپ غزوۂ بدر، غزوۂ احد، غزوۂ خندق، بیعت الرضوان، جنگ خیبر، فتح مکہ، حنین اور طائف میں حضور ﷺ کے ساتھ رہے۔ غزوۂ احد میں آپ کو سولہ زخم لگے تھے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ مورخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ علیؓ ان شہادت گاہوں میں جن کا تذکرہ ہوا جن کے متعلق احادیث موجود ہیں اور غزوۂ تبوک کو چھوڑ کر باقی دوسری شہادت گاہوں اور غزوات میں بھی حضورؐ کے ساتھ رہے۔ اور حضور نبی کریم ﷺ کے بعد بھی حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں آپ ہی کے ذریعہ بصرہ فتح ہوا۔ اس کے علاوہ حضرت عمر کے عہد خلافت میں عراق کو فتح کرنے میں آپ نے جو تقویت پہنچائی وہ بھی مشہور ہے۔

اصحاب شوریٰ اور آپ کی خلافت

نقل ہے کہ جب حضرت عمرؓ کو سفر آخرت پیش آیا تو آپ نے فرمایا کہ خلافت کے لئے علی، عثمان، طلحہ، زبیر سعد ابی وقاص اور عبدالرحمن عوف سے زیادہ حقدار اور کوئی نہیں۔ اس لئے کہ حضور ﷺ آخر وقت تک ان سے خوش رہے۔ یہی چھ حضرات اصحاب شوریٰ میں ہیں۔ جن

کو حضرت عمرؓ نے اپنی وفات کے وقت آپس میں کسی کو خلیفہ بنانے پر مشورہ کرنے کا مجوز بنایا تھا۔ حضرت علیؓ نے خلافت سے احتراز کیا۔ اس لئے صحابہ نے حضرت عثمانؓ کو خلیفہ بنا دیا۔ حضرت عثمان کے بعد بھی حضرت علی خلافت کی طرف مائل نہیں تھے۔ حضرت سعید بن مسیبؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد چونکہ صحابہ میں سب سے افضل حضرت علی تھے اس لئے سب لوگ حضرت علی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور ان سے کہا کہ ہم لوگ آپ کو خلیفہ بناتے ہیں۔ اس لئے کہ آپ ہی اس کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اہلِ بدر جن کو قبول کر لیں وہی زیادہ حقدار ہیں۔ اس کے بعد سب لوگ جمع ہوئے صحابہ اور غیر صحابہ میں کوئی آدمی بھی ایسے نہیں تھے جو حضرت علی کی بارگاہ میں حاضر نہ ہوئے ہوں۔ جب حضرت علی نے یہ دیکھا تو باہر تشریف لائے۔ مسجد نبوی میں جا کر منبر پر جلوہ افروز ہوئے آپ کے دست مبارک پر بیعت کے لئے سب سے پہلے حضرت طلحہ منبر پر گئے۔ ان کے بعد دوسرے لوگوں نے بیعت کی۔ آپ ہجرت کے پینتیسویں (۳۵) سال ذی الحجہ کے مہینے میں عہدۂ خلافت پر متمکن ہوئے۔

مدتِ خلافت

آپ کی خلافت کی مدت پانچ سال رہی۔ اس مدت میں آپ نے جس نظم وضبط سے کام لیا، قلعوں کو فتح کیا، ممالک کو قبضہ میں لیا، خارجیوں کو قتل کیا، کفار سے جنگ کی، ان تمام واقعات کی تفصیل تواریخ کی کتابوں میں سند کے ساتھ موجود ہیں۔

آپ مسندِ خلافت کی زینت تھے

جب حضرت علیؓ کوفہ میں آئے تو عرب کے سارے علماء اور حکماء نے یہی کہا لقد زینت الخلافۃ یعنی آپ نے خلافت کو آراستہ کر دیا۔ آپ کو خلافت کی ضرورت تو نہیں تھی لیکن مسند خلافت کو آپ کی ضرورت تھی۔

حضرت علیؓ کے مناقب اتنے زیادہ ہیں کہ اس مختصر کتاب میں اس کا تفصیلی جائزہ ممکن

نہیں۔ آپ کے فضائل کو سمجھنے کے لئے مندرجہ بالا احادیث کی عبارت اور اشارے کافی ہیں۔
ان کے علاوہ بھی آپ کی شانِ فضیلت میں آیات قرانی اور احادیث عبارت نبویؐ موجود ہیں۔
حضور نبی کریم ﷺ نے آپ کو قبل ہی آپ کی شہادت سے باخبر کر دیا تھا کہ انک مستقتل
بیشک آپ عنقریب قتل کئے جائیں گے۔

آپ کی شہادت اور بطخوں کا نوحہ کرنا

روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت علیؓ کو اپنی شہادت کا سال، مہینہ اور دن سب کچھ معلوم تھا۔
عبدالرحمن ابن ملجم جو ایک خارجی تھا وہ ایک سال سے آپ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنا رہا تھا اور وہ
گھات میں لگا ہوا تھا۔ جس روز اس نے آپ پر وار کیا اس روز آپ کوفہ میں تھے۔ رمضان کی
سترہ تاریخ جمعہ کا دن تھا، جب آپ فجر کی نماز کے لئے باہر نکلے بطخوں نے آپ کے سامنے
آواز لگانا شروع کر دیا۔ لوگوں نے اس کو ہٹانا چاہا تو آپ نے فرمایا کہ اسے چھوڑ دو اس وقت
یہ نوحہ میں مشغول ہے (یعنی ماتم کر رہی ہے) آپ مسجد میں داخل ہوئے نماز شروع کر دی،
عبد رحمن ابن ملجم نے پیچھے سے "زہر آلود تلوار سے آپ کی پیشانی پر وار کر دیا۔ تلوار کی ضرب
دماغ تک پہنچ گئی۔ اس وقت آپ نے فرمایا فزت و رب الکعبۃ یعنی رب کعبہ کی قسم مجھے
نجات مل گئی۔

نماز میں آپ کی مشغولیت

لوگوں نے بیان کیا کہ حضرت علیؓ کا نماز میں یہ حال ہوتا اور ایسی مشغولیت ہوتی کہ جب
کسی جنگ میں آپ کو تیر لگ جاتا اس تیر کا نوک جسم مبارک میں رہ جاتا اور اس کا نکالنا دشوار
اور سخت تکلیف دہ ہوتا تو حالتِ نماز میں اس کو نکال لیا جاتا، یعنی جب آپ نماز میں مشغول
ہوتے تو لوگ اس تیر کو کھینچ لیتے اور آپ کو مطلق خبر نہ ہوتی۔ جب عبدالرحمٰن بن ملجم نے تلوار
سے حملہ کیا آپ نماز میں مشغول تھے، جب تک نماز پڑھتے رہے نہ خون جاری ہوا نہ وضو ٹوٹا
اور نہ آپ کو کچھ خبر ہوئی۔ جیسے ہی نماز سے فارغ ہوئے خون جاری ہو گیا۔ لوگ آپ کو گھر لے

آئے۔ آپ نے اس وقت وصیت کی اور جب وصیت سے فارغ ہوئے آپ نے کہا السّلامُ علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ اس کے بعد کچھ نہیں فرمایا صرف لا الہ الا اللہ کہتے رہے۔ یہاں تک کہ مالک حقیقی سے جا ملے۔ وفات کے وقت آپ کی عمر شریف ۶۳ سال تھی۔

تجہیز و تکفین

حضرت حسن، حضرت حسین اور حضرت عبداللہ جعفر نے آپ کو غسل دیا۔ حضور اکرم ﷺ کو تجہیز و تکفین کے وقت جو خوشبو لگائی گئی تھی حضرت علی نے اس میں سے (تبرکاً) تھوڑا سا رکھ لیا تھا اسی خوشبو سے آپ کو معطر کیا گیا۔ تین کپڑوں کا کفن دیا گیا۔ اس میں دستار اور پیرہن شامل نہیں ہے۔ حضرت حسنؓ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اتوار کی رات صبح کے وقت ۲۱ رمضان المبارک کو آپ کی تدفین عمل میں آئی۔ وہ ہجرت کا چالیسواں سال تھا۔

ذکر

امیر المومنین حسین شہید دشت کربلاؓ

خداوندا بحق خاک آں شاہ

حسین ابن علی مقبول درگاہ

آداب والقاب

خاتم نبوت کے نگینہ، کرم وفتوت[1] کے دریا کے دُرِّ بے بہا، جنت کے جوانوں کے سردار، دو موتیوں میں سے ایک موتی، اللہ کے لئے جان دینے والوں میں سرفہرست رہنے والے، راہ حق میں شہید ہونے والوں کی جماعت میں اولیت رکھنے والے، محبت کے اسرار و رموز کے مخزن، بارگاہِ خداوندی کی بلاؤں کے رازدار، فضائے محبت کے ماہ، شہبازِ عشق، قافِ معرفت کے سیمرغ، مقتول تیغ نازِ عشق، گلشنِ عظمت و بزرگی کے پھول، چمنِ رسالت کی خوشبو، آتشِ محبت میں سوختہ امیر المومنین حسین شہید دشت کربلاؓ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نواسہ ہیں جن کو حضورؐ نے الحسن و الحسین سیدا شباب اھل الجنۃ فرما کر جنت کی خوشخبری اور بشارت دی۔ آپ کا قدم اور آپ کے احوال ہر طرح صحیح و درست رہے اس پر کوئی کیا کہہ سکتا ہے جب کہ اس پر تمام اہلِ سلوک کا اجماع اور اتفاق ہے۔

دین، اسلام اور راہ حق تک جس کی بھی رسائی ہوئی آپ ہی کے خاندان کے ذریعہ ہوئی۔ اس راہ کے معاملات، اور طریقت کے مقامات میں آپ کو عظیم الشان مرتبہ حاصل ہے حقائق کے اسرار و رموز میں آپ کے کلمات بے انتہا لطیف ہیں۔

---

[1] ہمارے آقا و مولا حضرت مخدوم حسین نوشہ توحیدیؒ نے فتوت کی تعریف یوں کی ہے۔ مال و اسباب میں سخاوت کرنے کو مروت کہتے ہیں، اور جسم و جاں کی سخاوت کو فتوت کہتے ہیں۔ ... فتوت جان کا ایثار کرنا ہے۔ یہ اس بنا پر کہ ہر ایک چیز کسی نہ کسی چیز کے عوض حاصل ہو سکتی ہے لیکن محبوب کو جاں کی بازی ہارے بغیر نہیں پا سکتے۔ جب تک جان سے اس کی راہ میں سخاوت و ایثار نہیں کرتے اور اپنے اختیار سے دست کش نہیں ہو جاتے اس کا ثمرہ نہیں پا سکتے اور پھل نہیں کھا سکتے۔ مکتوبات حسین مکتوب نمبر ۸۰

دین سب سے مہربان اور شفیق بھائی ہے

آپ نے کیا خوب فرمایا اشفق الاخوان علیک دینک تمہارا سب سے مہربان اور شفیق بھائی تمہارا دین ہے اس لئے کہ دین کی پیروی اور اتباع میں نجات ہے اور اس کی مخالفت میں تباہی و بربادی ہے۔

آپ کے ظاہری اعمال کے بارے میں محدثین کہتے ہیں کہ کان الحسین فاضلاً کثیر الصلوۃ و الصوم و الصدقۃ و افعال الخیر جمیعا (حسین علیہ السلام کثرت نماز، روزہ، صدقہ اور تمام افعال خیر میں افضلیت کے حامل تھے)

پچیس بار کعبہ کا پیدل سفر کیا

آپ نے پچیس بار کعبۂ محترم کا پیدل سفر کر کے فریضۂ حج کی ادائگی کی۔ آپ کے اخلاق حسنہ، اوصاف حمیدہ، ایثار و کرم وفا اور دوسری تمام خوبیوں کی تشریح و توضیح کی حاجت ہی نہیں اس لئے کہ آپ خوان نبوت کے پروردہ، کان رسالت کے گوہر بے بہا اور معدن رسالت کے خلاصہ ہیں آپ تمام مشائخ کے مرجع ہیں اور ہمارے مشائخ کے شجرات بھی آپ ہی کے ذریعہ جاری ہیں۔ بعض مشائخ کے شجرات جو حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت علیؓ تک پہنچتے ہیں وہ بھی شاید حضرت حسین ہی کے واسطہ سے ہو ان واسطوں کا تذکرہ کتاب میں طوالت کی وجہ سے نہیں کیا گیا ہے۔ و اللہ اعلم

حسن بصری صحابیِ رسول نہیں تھے

بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت حسن بصریؒ سرور کائنات حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں پیدا ہوئے اور آپ نے حضرت علیؓ کو پایا تھا۔ یہ روایت صحیح نہیں ہے۔ اکابر علماء نے اس کی تصریح کی ہے۔ چنانچہ شیخ محی الدین نووی اپنی کتاب تہذیب الاسماء و اللغات میں حضرت حسن بصریؒ کی پیدائش سے متعلق یوں رقمطراز ہیں۔ ولد الحسن بسنتین بقیتا من خلافۃ عمرؓ و قیل انہ لقی علی ابن ابی طالب ولم یصح (حضرت عمرؓ کا دور خلافت دو

سال باقی بچا تو حسن بصری پیدا ہوئے اور کہا گیا ہے کہ علی ابن ابی طالب سے ان کی ملاقات اور شرف صحبت صحیح نہیں ہے۔)

حضرت حسن بصریؒ کے مناقب میں قال ابو بریدہ لم ارمن لم یصحب النبی علیہ السلام بصحابہ اشبھہ من الحسن (ابو بریدہ کا بیان ہے کہ میں نے ان لوگوں میں جنہوں نے حضور ﷺ کو نہیں دیکھا حسن بصری سے زیادہ صحابہ سے مشابہ نہیں دیکھا)۔

جود و سخا

ایک روز حضرت حسینؓ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور اس نے کہا اے رسول اللہ ﷺ کے نور عین! میں فقیر و نادار ہوں، بچوں کا باپ ہوں اور میرے پاس آج رات کھانے کے لیے کچھ نہیں ہے، آپ نے فرمایا کہ بیٹھ جاؤ، میری روزی آ رہی ہے ابھی راستہ میں ہے۔ تھوڑی دیر گزری تھی کہ حضرت معاویہؓ کے یہاں سے اشرفیوں کی پانچ تھیلیاں آئیں، ہر تھیلی میں ایک ایک ہزار اشرفیاں تھیں۔ لانے والے نے حضرت معاویہ کا یہ پیغام بھی پہنچایا کہ انہوں نے معذرت پیش کی ہے اور کہا ہے کہ یہ تھوڑی سی رقم معمولی کاموں میں صرف کریں۔ اس سے بہتر خدمت پھر انجام دوں گا۔ حضرت حسینؓ نے وہ پانچوں تھیلی اس فقیر بے نوا کو دیدی اور اس سے معافی مانگی کہ تمہیں بہت دیر تک انتظار کرنا پڑا اور بہت مختصر رقم عنایت کی گئی ہے اگر مجھے معلوم رہتا کہ اتنی مختصر رقم ہوگی تو تمہیں انتظار نہیں کراتا۔ مجھے معاف کر دو۔ ہم لوگ تو خود بلا و مصیبت والے ہیں، دنیا کی تمام راحتوں سے دور ہیں۔ اپنی مرادوں کو ختم کر کے دوسروں کی مرادوں کے لئے جی رہے ہیں۔

آپ کی کنیت

آپ کے مناقب اس قدر ہیں کہ امت کے کسی فرد سے پوشیدہ نہیں۔ آپ قریشی و ہاشمی ہیں۔ ابو عبد اللہ آپ کی کنیت ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ کی حیات میں اور آپ کے پردہ فرمانے کے بعد بھی لوگ آپ کو یاابن رسول اللہ کہہ کر خطاب کرتے۔ آپ اور آپ کے بھائی حضرت حسنؓ دونوں حضور کو یاابت کہتے اور حضرت علیؓ کو نام لے کر پکارتے۔ حضور ﷺ نے ان دونوں

شہزادوں کے بارے میں فرمایا کہ ھذ ان ابنائی یہ دونوں میرے بیٹے ہیں۔ یہ پوری حدیث پہلے گذر چکی ہے۔ آپ کی والدہ ماجدہ حضرت بی بی فاطمہؓ حضور نبی کریم ﷺ کی صاحبزادی ہیں۔ اور سیدۃ النساء اھل الجنۃ ہیں۔ حضرت حسینؓ کے نسب اور آپ کی والدہ ماجدہ بی بی فاطمہؓ کی عظمت و بزرگی کی فضیلت کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ اظہر من الشمس ہے اور سورج سے بھی زیادہ روشن و تابناک ہے۔ آپ کی عظمت و بزرگی پر کچھ بولنا اور لکھنا ایسا ہی جیسے "سورج کو کیا چراغ دکھانے لگا ہوں میں"۔

تاریخ ولادت اور تربیت

آپ ہجرت کے چوتھے سال ۵، شعبان کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے سرور کائنات فخر موجودات حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی آغوش شفقت میں اور آپ کی نگاہ محبت کے سامنے تربیت پائی۔ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ دونوں رات دن اپنے نانا جان کی خدمت میں رہتے، اور اگر کبھی اپنی والدہ محترمہ کے گھر چلے جاتے تو حضور فرماتے اے فاطمہ! میرے بچوں کو میرے پاس لاؤ۔ جب یہ دونوں نواسے تشریف لاتے تو آپ گلے لگا لیتے ان کو چوم لیتے، اور فرماتے یہ دونوں دنیا میں میری خوشبو ہیں۔

محبت حسینؓ سے متعلق حضور کی دعاء

حضرت اسامہؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا میں ایک رات کسی ضرورت سے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضورؐ اس حال میں باہر تشریف لائے کہ کوئی چیز اپنے اندر لپیٹے ہوئے تھے۔ جب اپنی بات پیش کر چکا تو عرض کیا یا رسول اللہ! یہ کیا چیز ہے جس کو آپؐ اپنے اندر لپیٹے ہوئے ہیں۔ یہ سنکر حضورؐ نے جب اپنی چادر مبارک ہٹائی تو دیکھا کہ آپؐ کی پشت مبارک پر حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ ہیں۔ حضور نے اس وقت فرمایا یہ دونوں میرے بیٹے ہیں اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں۔ اے خدا میں ان کو محبوب رکھتا ہوں تو بھی ان کو محبوب رکھ اور جو ان کو محبوب رکھے اس کو بھی محبوب رکھ۔ اور حضور ﷺ اکثر و بیشتر ان دونوں کا ہاتھ پکڑ کر اسی طرح دعاء فرماتے تھے۔

اہل بیت سے متعلق بیشمار احادیث اور روائتیں ملتی ہیں۔ جن میں سے بعض احادیث حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے تذکرہ میں گذر چکی ہیں۔ اور بعض احادیث واخبار جو حضرت حسینؓ کے لیے مخصوص ہیں وہ تو مشہور عام ہیں مثلاً حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا حسین مجھ سے ہیں اور میں حسین سے ہوں جو حسین کو محبوب رکھتا ہے خدا اس کو محبوب رکھے۔

سبط کا معنی

حسین اسباط میں سے ایک سبط ہیں اور سبط بہت معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ سبط کے معنی قبیلہ، درخت، امت، فرزند اور خاص اولاد کے ہیں۔ حدیث میں ہر ایک معنی کا احتمال ہو سکتا ہے۔

اچھا سوار اور اچھی سواری

حضرت عمر خطابؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز جب حضور رحمت سعالمیں صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ حضور حضرت حسینؓ کو اپنی پشت مبارک پر بیٹھائے ہوئے ہیں۔ اپنے منہ میں ایک ڈور لئے ہوئے ہیں، اور اس ڈور کا دوسرا سرا حضرت حسین کے ہاتھ میں ہے اور حضرت حسین کی خواہش کے مطابق حضور زانو کے بل چل رہے ہیں جب میں نے یہ منظر دیکھ تو کہا اے اباعبداللہ! آپ کی سواری کتنی اچھی سواری ہے یہ سنکر حضور نے فرمایا کہ اے عمر سوار کتنا اچھا ہے۔ یہ واقعہ حضور ﷺ کی حضرت حسین سے نہایت محبت کی دلیل ہے۔ حضرت حسینؓ کی فضیلت کے لئے بس یہی کافی ہے کہ آپ حضورؐ کے محبوب دل و جاں اور ثمر قلب ونظر تھے۔

اہل بیت میں سب سے زیادہ دونوں نواسے محبوب تھے

حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ اہل بیت میں آپ کے سب سے زیادہ محبوب کون ہیں؟ آپ نے فرمایا حسن اور حسین!

شفقت کی اعلیٰ مثال

بریدہؓ سے مروی ہے کہ رحمۃ اللعالمین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ منبر پر خطبہ دے رہے تھے، اچانک حضرت حسن اور حضرت حسین سرخ کپڑوں میں ملبوس سامنے آگئے چونکہ ان کا پیرہن بہت دراز تھا اس لئے اس میں الجھ کر لڑکھڑانے لگے آپ ؐ منبر سے نیچے اتر آئے، ان دونوں کو گود میں اٹھا کر منبر پر لے گئے، اپنے آگے بیٹھا دیا۔ اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے صحیح کہا ہے انما اموالکم و اولادکم فتنہ۔ تمہارا مال اور تمہاری اولاد تمہارے لئے فتنہ ہے جب میں نے ان دونوں بچوں کو گرتے ہوئے دیکھا تو مجھ سے برداشت نہیں ہوا میں نے اپنے خطبہ کو نامکمل اور اپنی حدیث کو درمیان ہی میں چھوڑ کر ان کو اٹھا لیا اور اپنے پاس لے آئے۔

شہادت کی پیشگی اطلاع

ان دونوں شاہ زادوں سے حضور نبی کریم ﷺ کو اس قدر محبت تھی کہ جب حضور کے قلب انور کا میلان ان دونوں کی طرف ہوا تو جبرئیل علیہ السلام آئے اور انہوں نے عرض کیا کہ خدا کا یہ فرمان ہے کہ ان دونوں سے اس درجہ وابستگی نہ بڑھائیے اس لئے کہ میرا یہ فیصلہ ہو چکا ہے کہ ان میں سے ایک کو زہر ہلاہل دے کر اپنی بارگاہ میں بلاؤں گا اور دوسرے کو ملعونوں کے نیزہ وتلوار سے شہید کراؤں گا۔ کہتے ہیں کہ جبرئیل علیہ السلام نے جب سرکار دو عالم ﷺ سے ان شہزادگان (حضرات حسنین علیہم السلام کی متذکرہ تقدیر وانجام کا انکشاف کیا تب سے جب بھی آپ کی نظر مبارک ان نواسوں پر پڑتی آپ کا کلیجہ منہ کو آتا اور دل بیٹھ جاتا اور آپ فرماتے رضیابقضائک (میں تیرے فیصلے سے راضی ہوں)۔

حضرت حسن کی عیب پوشی

لوگوں نے بیان کیا ہے کہ حضرت حسنؓ کو چند بار زہر دیا گیا لیکن کوئی اثر نہیں ہوا، اور جب آخری بار زہر دیا گیا تو وہ اپنا کام کر گیا۔ آپ نے اپنے گھر والوں کو بلایا۔ ان کو الوداع کہا۔ اس وقت حضرت حسینؓ نے دریافت فرمایا کہ یا حسن! فرمائیے آخر کیا بات ہے؟ آپ نے

فرمایا مجھے زہر دیا گیا ہے اس سے قبل بھی کئی بار زہر دیا گیا تھا لیکن کوئی اثر نہیں ہوا۔ اس دفعہ وہ اثر کر گیا ہے اور اب مجھے رسول اللہ ﷺ کے پاس جانا ہے۔ حضرت حسینؓ نے عرض کیا اے حسنؓ اگر آپ اس شخص کو جانتے ہیں جس نے آپ کو زہر دیا ہے تو اس کا نام بتائیں۔ آپ نے فرمایا جانتا ہوں مگر بتا نہیں سکتا۔ اس لئے کہ نہ میری ماں فاطمہؓ چغل خور تھیں اور نہ میرے والد علیؓ چغل خور تھے پھر میں کیسے چغل خوری کروں؟ اس کے بعد حق سبحانہ تعالیٰ کے جوار رحمت میں چلے گئے۔

حضرت حسینؓ کے ہاتھ پر اکابر صحابہ نے بیعت کی

حضرت حسینؓ اپنے برادر محترم حضرت حسنؓ کی وفات کے بعد دس سال تک اس عالم ظاہر میں رہے اور دس سال کی یہ مدت رنج والم، ابتلاء و آزمائش میں گذر گئی۔ جب حضرت معاویہ کا انتقال ہوا یزید نے ملک و امارت پر قبضہ کر لیا، شام کی سرزمین پر غلبہ حاصل کر لیا اور مدینہ میں یزید کی طرف سے جو امیر (حاکم) تھا اس نے حضرت حسینؓ سے بیعت کرنے کا مطالبہ کیا۔ مدینہ کے بعض اکابر صحابہ جن میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ بھی تھے انہوں نے حضرت حسینؓ سے فرمایا کہ حضرت حسنؓ نے حضرت معاویہ سے اسی شرط پر صلح کی تھی کہ امیر معاویہ کی وفات کے بعد خلافت خاندان نبوت میں لوٹ جائے گی اور یزید نے جبر اور ظلم سے خلافت پر قبضہ کر لیا ہے۔ اے ابن رسول اللہ! میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں۔ اور جب یہ خبر مسلمانوں کی جماعت کو ملے گی تو لوگ آپ کی مدد کریں گے۔ اس کے بعد اکابر صحابہ نے حضرت حسینؓ کے ہاتھ پر بیعت کی اور آپ شریعت کے رو سے خلیفہ ہو گئے، اس لئے کہ جو اشراف ہیں ان کا بیعت کر لینا خلافت و امامت کی صحت کے لئے کافی ہے۔ یزید کو حضرت معاویہ نے خلیفہ نہیں بنایا تھا بلکہ کہا گیا ہے کہ انہوں نے یہ وصیت کر دی تھی کہ خلافت خاندان نبوت میں لوٹا دو گے اور جو اشراف تھے انہوں نے بیعت بھی نہیں کی تھی۔ اس لئے کہ یزید دمشق میں تھا اور اشراف مدینہ میں تھے۔ یہ باتیں تبصرۃ الادویہ میں درج ہیں۔

کوفہ کو دارالخلافہ بنانے کا مشورہ

مدینہ میں یزید کا جو امیر تھا جب اس کی مزاحمت بہت بڑھ گئی تو حضرت حسینؓ نے اہل

کوفہ کو خط لکھا تا کہ یزید کی شرارتوں سے بچنے کیلئے ہم مدد کریں کوفہ والوں نے جواب دیا کہ آپ کے والد بزرگوار امیر المومنین حضرت علی نے کوفہ کو ہی دارالخلافہ بنایا تھا، اے ابن رسول اللہ! اگر آپ بھی کوفہ میں آجائیں تو ہم خوب آپ کی مدد کریں گے اور یزید کی شرارتوں کا جواب دیں گے۔ حضرت حسینؓ نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا، ان لوگوں نے کہا کہ مدینہ سے باہر جانا مصلحت کے خلاف ہے۔ کوئی بھی ظالم و جابر مدینہ میں دست درازی نہیں کر سکتا۔ لیکن مشیت ایزدی تو کچھ اور تھی اور وہی بات سامنے آئی۔

روانگی سے پہلے بارگاہ رسالت میں حاضری

حضرت حسینؓ طلب بیعت پر امیر مدینہ کی مزاحمت سے جب تنگ آگئے تو آپ نے کوفہ جانے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ پھر حضور نبی کریم ﷺ کے روضۂ انور پر حاضر ہو کر یوں عرض کیا جئتک شاکیاً عن امتک یا رسول اللہ، یا رسول اللہ ﷺ میں آپؐ کے پاس آپؐ کی امت کی شکایت لے کر آیا ہوں۔ اس کے بعد صحابہ کرام کو، مدینہ والوں کو، اور اپنے نانا جان کے مزار مبارک کو الوداع کہا، ام سلمہ اور اپنے اہل بیت کو لے کر مدینہ منورہ سے کوفہ کے لئے روانہ ہو گئے۔

یزیدی فوج کے ہاتھوں محاصرہ

جب حضرت حسین کی روانگی کی خبر یزید کو ملی تو اس نے عبداللہ زیاد، عمر سعد اور شمر لعین کو بہت بڑی فوج دے کر روانہ کیا۔ جس نے آپ کا راستہ روک لیا۔ آپ فرات کا محاصرہ کر لیا۔ اور میدان کربلا میں پہنچے جو عراق کی سرزمین میں ہے تو وہیں قیام فرمایا اور بغیر پانی کے جنگ ہوتی رہی۔

شب عاشورہ میں آپ نے یہ خواب دیکھا

عاشورہ کی رات جو جمعہ کی رات بھی تھی حضرت حسینؓ نے سرکار دو عالم ﷺ کو خواب میں دیکھا۔ حضورؐ فرما رہے ہیں اے صاحبزادے! میری ظالم امت نے تمہیں شہید کرنے کا ارادہ کر

لیا ہے۔ اس لئے جلدی کرو اور میرے پاس آجاؤ۔ میں، علی، فاطمہ، حسن تمہاری ملاقات کی تمنا میں ہیں۔ اسی طرح حضرت حسین کے ساتھیوں نے اور آپ کے اہل بیت نے بھی حضور کو اور اپنے والدین کو خواب میں یہ فرماتے ہوئے سنا عجلوا عجلوا الرحیل الی قریب (جلدی کرو، جلدی کرو، اب میری طرف آنے کا وقت قریب آگیا ہے۔)

روایتوں میں آتا ہے کہ جب آپ نے حضور کریم ﷺ کو خواب میں دیکھا تو عرض کیا یا نبی اللہ! مجھ کو اپنے پاس بلا لیجئے۔ اس لئے کہ آپ کی امت کے ظلم و ستم سے میں عاجز ہوگیا ہوں۔ حضور نے فرمایا یا قرۃ عینی ان لک فی الجنۃ درجۃ لا تنالھا الا بالشہادتہ۔ اے میری آنکھوں کی ٹھنڈک! تمہارے لئے جنت میں ایک خاص مقام اور درجہ آراستہ کرکے رکھا گیا ہے اور جب تک تمہارے نازک و نازنین سر پر دشمنوں کے ظلم کی تلوار نہیں چلے گی یہ مقام حاصل نہیں ہوگا۔ یعنی اس مقام کو حاصل کرنے کے لئے جام شہادت نوش کرنا ہوگا۔

ام سلمہ کا خواب دیکھنا

سلمیٰ فرماتی ہیں کہ میں ام سلمہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئی دیکھا کہ وہ رو رہی ہیں۔ جب رونے کی وجہ دریافت کی تو انہوں نے فرمایا کہ خواب میں حضور ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی۔ دیکھا کہ آپ کا سر اور ریش مبارک گرد سے اٹا ہوا ہے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کا یہ حال کیوں ہے؟ آپؐ نے فرمایا شہدت قتل الحسین آنفا (میں نے ابھی ابھی حسین کو قتل ہوتے دیکھا ہے۔)

آثار یعنی حدیثوں میں آیا ہے کہ قیل الحسین بن علی یا قدۃ کبد البتول و یاقرۃ عین الرسول کیف بیاح دمک ویستباح عدمک فقال ابی قتل مظلوما وجدی مات مسموما واخی کان بالالم موسوما فلو لم استنک طریقھم لکنت فیھم ملوما (حضرت حسین ابن علیؓ سے کہا گیا کہ اے بی بی بتول کے جگر کے ٹکڑے، اے رسول کی آنکھوں کی ٹھنڈک! آپ کا قتل و خون کیسے مباح اور جائز رکھا گیا۔ آپ نے فرمایا کہ میرے والد کو شہید کیا گیا۔ میرے نانا جان کو زہر دیا گیا میرے بھائی پر ظلم و ستم کا پہاڑ توڑا گیا، اگر میں اپنے بزرگوں کی روش کی پیروی نہ کروں تو پھر ان کے سامنے کس منہ سے جاؤں گا۔ کیا یہ حضرات مجھے ملامت نہیں کریں گے۔)

یوم عاشورہ

جب عاشورہ کی صبح نئی جوان لوگوں کے لئے قیامت کی صبح تھی تو رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت بھوکے پیاسے تھے، تیمم کرکے نماز ادا کی اسلحہ لگایا، خاندانِ نبوت کے ایک ایک فرد میدان میں آتے گئے۔ ذوق وشوق کے ساتھ جنگ میں شریک ہوئے اور شہید ہوتے گئے۔

بعض روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت حسینؓ کے سات بھائی تین صاحبزادے اور چھ بھتیجے آپ کے سامنے جان نچھاور کرتے رہے اور جامِ شہادت نوش فرماتے رہے۔ ان میں حضرت علی اصغر جن کو زین العابدین کہا جاتا ہے سب میں کمسن اور اس وقت بیمار تھے، حضرت حسین نے خواتین سے فرمایا کہ جہاں تک ممکن ہو سکے ان کی حفاظت کرنا اس لئے کہ تم لوگوں کے پاس رسول اللہ ﷺ کی یادگار اب یہی رہ گئے ہیں۔ اس کے بعد حضرت حسین نے گھوڑے کو میدان میں دوڑایا اور بلند آواز میں لوگوں سے فرمایا کہ جو مجھ کو پہچانتے ہیں وہ تو پہچانتے ہی ہیں اور جو نہیں پہچانتے وہ اس وقت پہچان لیں کہ میں حسین ابن علی ہوں پھر لوگوں سے وعظ ونصیحت کے طور پر چند باتیں کیں۔ لیکن آپ کے پند ونصائح کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ وہ لوگ اپنی بدخوئی پر اڑے رہے۔ جنگ کے لئے کود پڑے۔ آپ کے حلق مبارک پر زخم لگا۔ گھوڑے سے نیچے آگئے۔ جامِ شہادت نوش فرمایا۔ اور واصل بحق ہوگئے۔ آپ کی شہادت کا یہ روح فرسا واقعہ اس وقت ہوا جب ۶۱ھ ختم ہو رہا تھا اور ۶۲ھ کی ابتدا ہو رہی تھی۔ اس کے بعد اہل بیت پر جو گزری وہ گزری۔ اس کی نہ شرح ہو سکتی ہے اور اس کو بیان کیا جا سکتا ہے افسوس تو ہے ان بیچاروں پر جن کی پیشانی ندامت کے داغ سے داغدار ہوگئی ہے

ویل لمن شفعاؤہ خصماؤہ   والصور فی نشر الخلائق ینفخ

لابد ان ترد القیامۃ فاطمۃ   وقمیصھا بدم الحسین ملطخ

(ان لوگوں کے لئے ہلاکت و بربادی ہے جن کی شفاعت کرنے والے ان کے مخالف ہوں گے۔ جس وقت مخلوقات کو اٹھانے کے لئے صور پھونکا جائے گا۔ تم یقیناً حضرت فاطمہؓ کو قیامت کے دن اس حال میں دیکھو گے جب کہ ان کی قمیص حضرت حسینؓ کے خون سے آلودہ ہوگی۔)

واقعۂ شہادت اور مسلمانوں کا رنج وغم

آپ کی شہادت گاہ اور تربت بہت مشہور ہے اور عظمت و بزرگی والی زیارت گاہ ہے اس دردناک واقعہ کے بعد ساری دنیا کے مسلمانوں کے اندر درد واندوہ کا ماحول بن گیا۔ بہت سارے مرثیے لکھے گئے۔ حضرت حسین سے قوم کی مخالفت، اس جنگ کے اسباب آپ کے خاندان والوں پر ظلم وستم یہ سب کچھ بہت مشہور و معروف ہے اور طویل کتابوں میں شرح وبسط کے ساتھ درج ہیں۔ جن باتوں کا تذکرہ یہاں مناسب نہیں تھا۔ ان کو چھوڑ دیا گیا اور جو لائق تحریر تھیں ان کو لکھ دیا ہے۔

حقیقتِ شہادت

جب تک حق ظاہر وعیاں تھا حق کے اندر استحکام اور پائداری قائم رہی اور جب حق مفقود ہوگیا تو ان جانبازوں نے تلوار نکال لی۔ اور جب تک حق کے لئے اپنی پیاری جان خدا کی راہ میں قربان نہیں کی چین وسکوں سے نہیں رہے۔ یہ سب جو کچھ کہا گیا یہ بندگی کی باتیں اور شریعت کے اصول وضابطے ہیں۔ حقیقت تو کچھ اور ہے۔ یہ پاکباز حضرات راہِ حق کے طالبین اور بارگاہ الٰہی کے محبین ہیں۔ راہ محبت میں محبوب کے احکام کے سامنے محب کا وجود ہی نہیں ہوتا۔ عالمِ عبودیت میں نوازش وکرم ہے اور عالم عشق میں سوز وگداز۔ عالم عبودیت میں ناز ہے اور عالم عشق میں نیاز۔ جب سلطانِ عشق نے بے پرواہی کی تلوار غیرت کی نیام سے کھینچی اور اپنے محبین کی گردنوں پر چلانا چاہا تو ان جانباز عاشقوں نے بھی اپنی مراد کا تاج سر سے اتار پھینکا، اپنی مراد کو محبوب کی مراد پر قربان کر دیا اور سر تسلیم خم کر دیا۔ مصرع قتل شاں نبود مگر تیغ ناز عشق۔ (یہ قتل وخوں کرنے والے کوئی قاتل نہیں تھے یہ تو نازِ عشق کی تلوار کا کرشمہ تھا) شہسوار عشق اپنے ارادہ وخواہش کے میدان میں جولانی دکھا رہا تھا۔ اپنے ناز کے تیر وتلوار سے ان نازنینوں کا خون بہا رہا تھا۔ کوتاہ بین فضول گوئی کرنے والے اغیار کو زبان حال سے یوں مخاطب کر رہا تھا۔

خوں ریز بود ہمیشہ درکشورِ ما	جاں عود بود ہمیشہ درمجمرِ ما
داری سرِ ما وگرنہ دور از برِ ما	ما دوست کشیم تو نداری سرِ ما

(ہماری سلطنت میں خوں ریزی عام ہے اور ہماری انگیٹھی میں عود کی جگہ عاشقوں کی جان کا استعمال ہوتا ہے اگر تم کو ہمارے عشق کی دولت حاصل ہے تو ٹھیک ہے ورنہ ہمارے پاس سے دور ہو جاؤ اس لئے کہ ہمارے یہاں دوست کا قتل جائز ہے اور عشق میں یہ جابری تمہیں حاصل نہیں)

سوطین ہمت نے اپنی مراد کے مقابلہ میں دوست کی مراد کو اپنے لئے پسند کر لیا تھا، اس کے احکام کو دل و جان سے قبول کر لیا تھا، ہر ایک کی زبان گوہر فشاں پر یہی تھا۔

واللہ کہ شکرانہ دہم جانِ عزیز　　گر کشتہ شوم بہ تیغ خوں ریز تو من

(اگر میں آپ کی خوں ریز تلوار سے شہید ہو جاؤں تو خدا کی قسم یہ پیاری جان شکرانہ میں پیش کر دوں۔)

یہ حضرات اپنی جانِ عزیز کو خدا کی راہ میں قربان کر رہے تھے، میدانِ محبت میں سر سے گیند کا کام لے رہے تھے، یہ محسن ہمیشہ ہمیشہ جان کی بازی لگانے اور جسم کو اس کی راہ میں فدا کرنے کی آرزو رکھتے ہیں۔ حتی تقتل فی سبیلک مرۃ اخری (اپنی راہ میں پھر قتل کر دے)۔

گر دست دہد ہزار جانم　　در پای مبارکت فشانم

(اگر میرے پاس ہزار جانیں ہوتیں تو سب کو تیرے بابرکت قدموں میں ڈال دیتا)

ذکر

امام زین العابدین ؒ

حدا وندا بزیب ما هتابی
که زین العابدین دارد خطابی

آداب و القاب

اولیائے تابعین کے قبلہ اصفیائے ارجمین کے رہنما، بی بی خدیجۃ الکبریٰ کے لخت جگر، بی بی فاطمۃ الزہرا کے نور نظر، شریعت و طریقت کے پیشوا، معرفت و حقیقت کے مقتدا، گلشن حسن و حسین کے طاؤس، گلزار حسن و حسین کے یاسمین، سنت نبوی کے امام و امین، مقام قدرت کے مقیم، خاندان رسول کے شمع فروزاں، خانوادہ بتول کے چشم و چراغ، اولاد علی کے پشت و پناہ، اہل بیت نبی کے در شاہوار، زاہدوں کی آنکھوں کی ٹھنڈک حضرت زین العابدین علی اصغر اصحاب طریقت کے مقدم ارباب حقیقت کے معظم اور اپنے زمانہ میں سب سے زیادہ عبادت کرنے والے تھے۔

صوفیائے کرام کے احوال و مقامات پر گفتگو

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بعد آپ ہی نے سب سے پہلے صوفیائے کرام کے احوال و مقامات پر گفتگو کی۔ ان کے وجد و کیف اور کرامات کی خبر دی، ان کے معاملات اور علوم کو اپنے قول و فعل سے ظاہر فرمایا۔ آپ تابعی ہیں۔ بڑے بڑے صحابہ کرام کو دیکھا ہے اور ان سے تحصیل علم کیا ہے مثلاً اپنے والد بزرگوار حضرت حسین بن علی کو، ابن عباس، مسعود، ابو رافع، سعید مسیب اور امہات المومنین میں حضرت عائشہ، ام سلمہ اور بی بی صفیہ کو پایا ہے۔

سب سے مبارک اور خوش نصیب شخص

آپ حقیقت و معرفت کے اسرار و رموز کو ظاہر و منکشف فرمانے میں بہت مشہور ہیں۔ اور آپ کے کلمات لطیف شہرت کے حامل ہیں۔ آپ سے کسی نے پوچھا کہ دنیا و آخرت میں سب سے مبارک اور نیک بخت کون ہے۔ آپ نے فرمایا من اذا رضی لم یحمله رضاه علی الباطل و اذا سخط لم یخرجه من الحق یعنی نیک بخت وہ ہے کہ جب راضی ہو تو باطل پر راضی نہ ہو اور جب غصہ ہو تو اس کا غصہ حدود حق سے باہر نہ ہو۔

علم حقیقت میں آپ کا مقام

آپ علم حقیقت میں جس مقام اور مرتبہ پر فائز تھے اس کی اطلاع جن الفاظ میں دی ہے اس کو درج ذیل اشعار سے بخوبی سمجھا جا سکتا ہے

و رب جوهر علم لو ابوح به — لقیل لی انت ممن یعبد الوثن

ویستحل رجال جاهلون دمی — یرون اقبح ما یاتونه حسنا

علم کے اتنے زیادہ جوہر ہیں کہ اگر میں ان کو بیان کر دوں تو لوگ یقیناً مجھے بت پرست کہنے لگیں گے یہ جاہل لوگ جو اپنی قبیح تر حرکتوں کو بہتر سمجھتے ہیں میرا قتل و خون جائز قرار دے دیں گے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس اور حضرت ابو ہریرہ کے اقوال

اپنے افعال بد کو اعمال خیر سمجھنا اور دوسروں پر کفر و بت پرستی کا الزام عائد کرنا یہ کوئی نئی بات نہیں۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے بھی فرمایا ہے کہ اگر میں ان ربکم الله الذی خلق السموات و الارض فی ستة ایام ثم استوی علی العرش (اعراف ۵۴)۔ کی تفسیر کر دوں فرجمتمونی تو لوگ مجھ کو سنگسار کر دیں۔ اسی طرح حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ اگر میں الله الذی خلق سبع سموات ومن الارض مثلهن یتنزل الامر بینهن لتعلموا ان الله علی کل شئی قدیر (الطلاق ۱۲) کی تشریح کر دوں لکفرتمونی تو لوگ مجھے کافر کہنے لگیں گے۔

اسم گرامی

آپ کا اسم گرامی علی بن حسین بن علی ہے، اور آپ کو علی اصغر بھی کہا جاتا ہے۔

کنیت

ابو محمد، ابو الحسین اور ابو بکر آپ کی کنیت ہے اور آپ زین العابدین کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ کو زین العابدین اس لئے کہا جاتا ہے کہ آپ شکل وصورت، اخلاق، اقوال، افعال اور احوال میں اہلِ بیت رسول سے بہت مشابہ تھے۔

والدہ ماجدہ

آپ کی والدہ ماجدہ بی بی شہر بانو، شہر یار کی صاحبزادی تھیں، آپ ہاشمی مدنی ہیں، مدینہ شریف میں ولادت ہوئی اور وہیں نشوونما پائی۔

تاریخ ولادت میں اختلاف

آپ کی تاریخ ولادت میں اختلاف ہے۔ احمد صالحؒ کہتے ہیں کہ زین العابدین اور زہرا دونوں کی پیدائش ایک ہی سال ہوئی یعنی ۵۰ ہجری میں۔ اور یعقوب سفین کا کہنا ہے کہ ان دونوں کی ولادت ۳۳ ہجری میں ہوئی

اس حساب سے حضرت زین العابدین، امیر المومنین حسینؓ کی شہادت کے وقت ستائیس سال کے تھے، اس لئے کہ حضرت حسینؓ کی شہادت کا واقعہ ۶۱ ہجری میں ہوا۔ اور اگر ۵۰ ہجری میں آپ کی ولادت ہوئی تو حضرت حسینؓ کی شہادت کے وقت گیارہ سال کے تھے۔

(بہر حال دونوں تاریخوں میں سے کسی تاریخ کو بھی مانا جائے) حضرت حسینؓ کے بعد آپ کی خلافت اور آپ سے مروی روایتیں صحیح ودرست ہیں۔ اس سے ان لوگوں کی تردید ہوتی ہے جو آپ کی صغر سنی کی وجہ سے آپ کی خلافت وروایت پر اعتراض کرتے ہیں۔

مدینہ میں آپ کی شرافت وفضیلت تسلیم شدہ تھی

آپ اپنے زمانہ میں سب سے زیادہ افضل واکرم تھے یحییٰ انصاریؒ فرماتے ہیں هو افضل هاشمی رایته فی المدینة میں نے مدینہ کے تمام ہاشمیوں میں آپ کو سب سے افضل پایا۔ زہری نے کہا ہے لم ادرک بالمدینة من هو افضل منه میں نے مدینہ میں آپ سے زیادہ افضل کسی کو نہیں پایا۔ حماد رضی اللہ عنہ کا قول ہے کان افضل هاشمی ادرکته میں نے ہاشمیوں میں زین العابدین کو سب سے زیادہ افضل پایا۔

آپ فصیح اللسان اور خوش بیان تھے

تمام امور میں آپ کی بزرگی و برتری پر سارے تابعین متفق ہیں۔ آپ کم عمری سے فصیح اللسان وخوش بیان تھے اور آپ کے کلام اعلیٰ وارفع ہوتے تھے۔

صبح پریشاں شامِ غریباں

حضرت امام حسینؑ آپ کے برادراں، برادرزادگان اور صاحبزادگان کی شہادت کے بعد آپ کے اہل بیت کو جس حال میں دمشق روانہ کیا گیا، ان پردہ نشیں خواتین اور پاک و طاہر سیدات پر جو گذری ان کو بیان کرنے کی ہمت نہیں۔ ان کی سرپرستی کے لئے مرد کی صورت میں اس وقت حضرت زین العابدین کے سوا اور کوئی نہیں تھے اور وہ بھی کمسن اور بیمار تھے۔ جب یہ قافلہ دمشق پہنچا تو کسی نے دریافت کیا کیف اصبحتم یا علی و اهل بیت الرحمة۔ اے علی اور اہل بیت کہئے آپ کی صبح کیسی گذری؟ آپ نے جواب دیا اصبحنا من قومنا بمنزلة قوم موسیٰ من ال فرعون یذبحون ابنائهم ویستحیون نسائهم فلاتدری صباحنا من مسائنا و هذا من حقیقة ملاتنا۔ آپ نے فرمایا ہماری صبح کے بارے میں کیا پوچھتے ہو رہے ہماری صبح اپنی قوم کے ظلم وستم سے ویسی ہی گذری جیسی موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی صبح آل فرعون کے ہاتھوں گذری تھی۔ ان لوگوں نے ان کے بچوں کو قتل کیا اور ان کی عورتوں کو بے پردہ کیا۔ مجھے تو اب یہ بھی نہیں معلوم کہ صبح کیسی ہوتی ہے اور شام کس کا نام ہے، یہ ہے ہماری ابتلاء وآزمائش اور مصائب وآلام کی حقیقت۔

خانہ کعبہ کے سامنے درد بھری التجا

حضرت اصمعیؒ فرماتے ہیں کہ میں خانہ کعبہ اور روضۂ نور کی زیارت کے لئے گیا تھا۔ رات کا وقت تھا، چاندنی چھٹکی ہوئی تھی، اور میں طواف کعبہ میں مشغول تھا کہ اچانک حزن و ملال اور گریہ وزاری کی آواز سنائی دی اور جب میں اس آواز کی طرف متوجہ ہوا تو ایک حسین و جمیل جوان کو دیکھا جو اوصاف حمیدہ سے متصف ہیں۔ اور خیر کی علامتیں اس سے ظاہر ہو رہی ہیں۔ اس کے گیسو بکھرے ہوئے ہیں۔ اور کعبہ محترم کو پکڑ کر یوں فریاد کر رہے ہیں۔ اے میرے آقا، اے میرے مولیٰ ساری آنکھیں سو چکیں اور ستارے بھی اب ڈوبنے کے قریب ہیں لیکن تو زندہ و پائندہ ہے۔ اے پروردگار! بادشاہوں نے اپنے دروازے بند کر لئے ہیں اور اپنے دروازوں پر دربانوں کو بیٹھا دیا ہے لیکن تیرا در سائلوں کے لئے کھلا ہوا ہے، ایک محتاج، گنہگار، اور سائل تبہکار تیرے در پر حاضر ہے تو مجبوروں اور بیکسوں کی سننے والا ہے۔ اے رحیم و کریم آقا میں تیری رحمت کا امیدوار ہوں۔

پھر گریہ وزاری کے ساتھ مناجات کے چند اشعار پڑھے۔ آسمان کی طرف سر اٹھایا اوپر نگاہ کی اور پھر کہنے لگے اے میرے آقا و مولیٰ، پروردگار! اگر میں تیرا مطیع و فرمانبردار ہوں تو یہ محض تیری توفیق سے ہے، اور یہ تیرا احسان و کرم ہے اور اگر میں اپنی جہالت کی وجہ سے عاصی و گنہگار ہوں تو تیرے احسان و کرم کے اظہار کی دلیل یہ ہے کہ تو مجھ پر اپنی اس دلیل کو ثابت کر دے، مجھ پر اپنی رحمت بھری نظر ڈال دے، مجھے بخش دے، میری آنکھوں کو روشنی عطا فرما اور اپنے اس معظم و مکرم گھر میں مجھے میرے جد بزرگوار جو تیرے حبیب بھی ہیں، تیرے صفی بھی ہیں اور نبی بھی ہیں یعنی محمد مصطفیٰ ﷺ کی زیارت سے محروم نہ رکھ۔ پھر نہایت فصیح و بلیغ انداز میں دوسرے اشعار پڑھنے لگے اس کے بعد یوں مناجات کی۔ اے میرے آقا و مولا بندوں کی نیکی نہ تجھے کچھ فائدہ پہنچا سکتی ہے اور نہ ان کی برائی تیرے نقصان کا سبب بن سکتی ہے۔ اے کرم فرمانے والے آقا! مجھ پر کرم کیجئے، اس کے بعد چند اشعار کمال نیاز مندی کے ساتھ پڑھنے لگے اور گریہ وزاری کے ساتھ انہیں اشعار کی تکرار فرماتے یہاں تک کہ روتے روتے بیہوش ہو گئے، اور گر پڑے جب میں ان کے قریب گیا تو دیکھا کہ یہ تو حضرت زین العابدین ہیں۔ میں نے آپ کے سر کو اپنی گود میں لے لیا۔ ان کے رونے سے مجھے بھی رونا

آ گیا جب میرے آنسو کے قطرات آپ کے چہرہ انور پر گرے۔ تو ہوش آ گیا۔ آنکھ کھول کر دیکھا اور فرمایا کون ہے جس نے مجھے میرے مولیٰ کی یاد سے الگ کر دیا۔ میں نے عرض کیا میں اصمعی ہوں اے آقا فرمائیے آخر کیا بات ہے آپ اس قدر کیوں رو رہے ہیں۔ اور کیوں گریہ وزاری کر رہے ہیں۔ آپ تو اہل بیت طاہرین میں سے ہیں اور معدن نبوت و رسالت کے گوہر گراں مایہ ہیں۔ خداوند تعالیٰ نے آپ لوگوں کے لئے فرمایا ہے انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھر کم تطھیرا (الاحزاب ۳۳)۔ (اللہ تو یہی چاہتا ہے اے نبی کے گھر والو کہ تم سے ہر ناپاکی دور فرما دے اور تمہیں پاک کر کے خوب ستھرا کر دے) جب میں نے یہ کہا تو آپ اٹھ کر بیٹھ گئے، اور فرمایا ہائے افسوس! اللہ تعالیٰ نے بہشت کو اپنے فرمانبردار بندوں کے لئے پیدا کیا چاہے وہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہوں اور دوزخ گنہگاروں کے لئے بنایا چاہے وہ قریشی شریف ہی کیوں نہ ہوں۔ اے اصمعی! کیا تم نے یہ ارشاد خداوندی نہیں سنا ہے فاذا نفخ فی الصور فلا انساب بینھم یومئذ و لا یتساء لون (المومنون ۱۰۱)۔ (تو جب صور پھونکا جائیگا تو نہ ان میں رشتے رہیں گے اور نہ ایک دوسرے کی بات پوچھیں گے۔) اصمعیؒ کہتے ہیں جب میں نے یہ حال دیکھا اور آپ کی زبان مبارک سے اس طرح کے کلمات سنے تو آپ کو اسی حال میں چھوڑ کر وہاں سے علیحدہ ہو گیا۔ آپ کی زبان مبارک سے جو مناجات نظم و نثر کی شکل میں ادا ہوئے وہ عربی زبان میں ہیں اور نہایت فصیح، لطیف اور کیف انگیز ہیں۔ حصہ نثر کو فارسی زبان میں پیش کر دیا ہے اور حصہ نظم کو طوالت کے خوف سے چھوڑ دیا ہے۔

آپ کی عظمت سے ہشام کا انکار اور فرزدق کا اعتراف

حضرت زین العابدینؑ اخلاق حسنہ، اوصاف پسندیدہ، شمائل حمیدہ اور خصائل گزیدہ میں اپنی مثال آپ تھے، کرم و احسان اور فتوت و ایثار میں آپ بلند درجہ پر فائز تھے۔ روایتوں میں آتا ہے کہ ہشام عبد الملک مروان ایک سال فریضۂ حج کی ادائیگی کے لئے حاضر ہوا۔ طواف کر رہا تھا، اس نے حجر اسود کو بوسہ دینا چاہا لیکن لوگوں کا اتنا کثیر مجمع تھا کہ وہاں تک نہیں پہنچ سکا۔ بغیر بوسہ دیے وہ منبر پر چلا گیا۔ اور خطبہ دینے لگا۔ اسی وقت حضرت زین العابدینؑ بیت اللہ میں تشریف لائے، طواف کیا، جب حجر اسود کے قریب پہنچے لوگوں نے آپ کی عظمت کا خیال

کرتے ہوئے حجر اسود کو خالی کر دیا۔ اور آپ نے (اطمینان کے ساتھ) حجر اسود کا بوسہ لیا۔ ملک شام کا ایک باشندہ یہ سارا منظر دیکھ رہا تھا اس نے ہشام سے کہا کہ اے امیر المومنین آخر یہ کیا بات ہے، آپ امیر المومنین ہیں لیکن لوگوں نے آپ کے لئے حجر اسود خالی نہیں کیا اور ایک خوبصورت جوان جب وہاں پہنچے تو سب لوگ حجر اسود سے الگ ہو گئے اور ان کے لیے وہ جگہ خالی کر دی، ہشام نے کہا میں ان کو نہیں پہچانتا۔ اس جملہ سے اس کی مراد یہ تھی کہ شام والے نہ ان کو پہچانیں، نہ ان کی طرف متوجہ ہوں، اور نہ ان کی امامت کی طرف رغبت کریں۔ جس وقت یہ گفتگو ہو رہی تھی اس وقت وہاں پر فرزدق شاعر کھڑا تھا۔ اس نے کہا میں تو انہیں پہچانتا ہوں۔ لوگوں نے کہا اے ابا فراس بتاؤ تو ذرا، آخر وہ کون شخص ہیں جن کے چہرے سے ہیبت و جلال کے آثار نمایاں ہیں، جن کا چہرہ بدر منیر کی طرح روشن و تابناک ہے، جن کے خدوخال سے نور کی کرنیں پھوٹ رہی ہیں۔ فرزدق نے کہا اچھا ذرا دھیان دے کر سنو، میں ان کے اوصاف کی خوبیوں کا بہت مختصر حال تم لوگوں کو سناتا ہوں۔ پھر اسی وقت آپ کی مدح میں ایک طویل قصیدہ نظم کر کے سنا دیا اس قصیدہ کے چند اشعار یہاں درج کیے جا رہے ہیں۔

هذا الذی یعرف البطحا وطاته — والحل یعرفه والبیت والحرم

هذا ابن عباد الله کلهم — هذا التقی النقی الطاهر العلم

هذا ابن فاطمة الزهراء ویحکم — وابن العلی وصی خیرکم قدم

ینشق نور الدجی عن نور طلعته — کالشمس ینجل عن اشراقها الظلم

یکاد یمسکه عرفان راحته — رکن حطیم اذا ما جاء یستلم

من معشر حبهم دین و بغضهم — کفر و قربهم منجی و معتصم

۱) یہ وہ ہیں جن کا بطحا وطن ہے، یہ مشہور و معروف ہیں، بیت اللہ حرم کے باشندے اور غیر حرم کے باشندے سب ان کو جانتے اور پہچانتے ہیں۔

۲) خدا کے بندوں میں بزرگترین شخصیت کے صاحبزادے ہیں، یہ پاک و پاکیزہ اور پرہیزگار مشہور ہیں۔

۳) یہ فاطمہ زہرا کے نور نظر اور علی وصی کے لخت جگر ہیں، تم میں بہترین شجاع اور بہادر ہیں

افسوس ہے کہ تم انہیں پہچانتے نہیں۔

۴) ان کے رخ انور کی تابانی اندھیروں کو دور کرتی ہے جس طرح سورج کے طلوع ہونے سے رات کی تاریکی ختم ہو جاتی ہے۔

۵) عین ممکن ہے کہ جب وہ اپنے قدم وہاں رکھیں تو رکن حطیم انہیں پہچان کر خود ان کے ہاتھوں کو چوم لے۔

۶) وہ اس گروہ میں سے ہیں جن سے محبت رکھنا عین دین ہے اور جن سے دشمنی رکھنا عین کفر ہے اور جن کا قرب نجات اور رہائی کا ذریعہ ہے۔

فرزدق کے ساتھ آپ کا حسن سلوک

اس طرح کے اور بھی بہت سارے اشعار ہیں جن میں فرزدق نے حضرت زین العابدین اور حضور نبی اکرم ﷺ کے اہل بیت کی تعریف کی ہے، ہشام نے جب ان اشعار کو سنا تو وہ بیحد ناراض ہوا اور فرمان جاری کر دیا کہ فرزدق کو عسفان میں گرفتار کر لیا جائے، عسفان مکہ و مدینہ کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے۔ جب یہ پورا واقعہ من وعن حضرت زین العابدینؓ کو معلوم ہوا تو آپ نے بارہ ہزار درم فرزدق کو بھجوا دیا۔ اور فرمایا کہ ابا فراس کو کہدو کہ مجھ کو معاف کر دیں۔ اس لئے کہ ہم لوگ تو خود ابتلاء و آزمائش میں گرفتار ہیں۔ اس سے زیادہ رقم میرے پاس نہیں تھی جو بھیجتا۔ فرزدق نے وہ رقم یہ کہتے ہوئے واپس کر دی کہ اے رسول اللہ ﷺ کے نور نظر! میں نے مال و دولت کے لئے تو بہت اشعار کہے ہیں اور ان میں خوب خوب دروغ گوئی کی ہے لیکن آپ کی شان میں جو اشعار نظم کئے ہیں وہ اللہ اور اللہ کے رسول کی محبت میں اور اپنے گناہوں کے کفارہ کی نیت سے نظم کئے ہیں، جب فرزدق کا پیغام آپ کو ملا تو آپ نے فرمایا کہ واپس لے جاؤ اور یہ رقم فرزدق کو دیدو اور اس سے کہدو کہ اگر مجھ سے محبت ہے تو اس بات کو پسند نہ کرو کہ جس چیز کو میں نے ایک بار دے دیا اور اپنے ملک سے باہر کر دیا اس کو پھر واپس لوں۔ اس کے بعد فرزدق نے اس رقم کو لے لیا۔

آپ کے فضائل و مناقب اس قدر ہیں کہ اس مختصر رسالہ میں ان کا احاطہ ممکن نہیں ہے۔

آپ کی اولاد

حضرت حسینؓ کے بعد آپ کے صاحبزادوں میں حضرت زین العابدین کے علاوہ اور کوئی باقی نہیں رہے۔ حضرت زین العابدین کو آٹھ صاحبزادے ہوئے۔ کوئی صاحبزادی نہیں ہوئی۔ انہیں آٹھ صاحبزادوں سے سارے جہان میں سادات اور حسینی شرفا پھیلے۔

وفات

آپ کی وفات ۹۴ ہجری میں مدینہ پاک میں ہوئی۔ اور جنت البقیع کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔ جس سال آپ کی وفات ہوئی اس سال بہت سارے فقہا دنیا سے رخصت ہوئے اسی لئے اس سال کو سنۃ الفقہا کہتے ہیں۔

رضی اللہ عنہ وعن ابویہ اجمعین

ذکر

حضرت امام محمد باقرؒ

خداوندا بہ نطق رہبر جاں

محمد باقر اندر علم عرفاں

آداب و القاب

باعمل عالم، باایماں عارف، علی مرتضیٰؓ کے لخت جگر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے نور نظر، انس جہان قدس سے برگزیدہ، مقام انس کے باشندہ فقہائے امت میں سب سے افضل، کتاب و سنت کے سب سے بڑے عالم، اسرار شریعت کے واقف، اسرار طریقت کے سید و سردار، گلشن کرم و فتوت کے سرو بالا، معدن احسان و مروت کے در بے بہا، وہ ایسے کریم جس کے ایثار و کریمی کے سایہ میں بہت سارے فقرا تونگر بن گئے، وہ ایسے جوانمرد کہ اخلاق کی دولتمندی کے ذریعہ فتح باب کرنا ان کا دستور تھا، وہ ایسے کریم کہ احسان و کرم کے ذریعہ مفلسی کے دروازہ کو بند کرنا ان کا پیشہ تھا، راست بازوں کے امام حضرت ابو جعفر محمد باقرؒ کا شمار مدینہ کے بزرگترین فقہا میں ہوتا ہے۔ آپ امام وقت تھے۔ اس پر سب کا اتفاق رہا۔ زہد، پاکبازی اور تقویٰ میں آپ کی شان ہی عجیب ہے۔

آپ تابعی ہیں

آپ تابعین کی فہرست میں آتے ہیں۔ اس لئے کہ آپ نے حضرت جابرؓ اور حضرت انس بن مالکؓ کا زمانہ پایا تھا۔ بڑے بڑے تابعین اور ائمہ عظام مثلاً اپنے والد علی اصغر زین العابدین، ابن مسیب اور ابن حنیفہؓ سے علم کی باتیں سنی ہیں۔

آیت قرآنی کی تفسیر

کتاب وسنت کے لطیف اشارے اور کلمات عالیہ آپ سے منقول ہیں۔ مثلاً آیۂ کریمہ فمن یکفر با الطاغوت و یومن باللہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں ما شغلک عن مطالعۃ الحق فھو طاغوتک جو چیز تمہیں مشاہدۂ حق سے الگ کردے وہی تمہاری راہ کا بت ہے۔

آپ کی کرامت

اس طرح کے اور بہت سارے دقیق رموز اور لطیف اشارے آپ نے بیان فرمائے ہیں اور آپ سے بہت ساری کرامتیں ونشانیاں ظاہر ہوئی ہیں مثلاً ایک دفعہ کسی بادشاہ نے آپ کو قتل کرنے کے ارادہ سے اپنے دربار میں بلا بھیجا جب آپ بادشاہ کے سامنے تشریف لے گئے تو بادشاہ نے آپ کی بہت تعظیم کی، معافی مانگی اور ہدیہ ونذر پیش کرکے روانہ کردیا۔ لوگوں نے بادشاہ سے پوچھا اے بادشاہ سلامت! آپ نے تو انہیں قتل کرنے کے ارادہ سے بلایا تھا اور یہاں معاملہ بالکل دوسرا دیکھنے کو ملا۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ جب آپ میرے سامنے آئے تو میں نے آپ کے دائیں بائیں دو شیروں کو دیکھا جو مجھ سے کہہ رہے تھے کہ اگر تو نے حضرت کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو سمجھ لے ہم دونوں تجھ کو ہلاک کردیں گے۔ اس طرح کی اور بہت ساری فضیلتوں اور کرامتوں کا ظہور آپ سے ہوتا رہا۔

اسم گرامی اور کنیت

آپ کا نام محمد بن علی بن حسین بن علی ہے۔ آپ قریشی، ہاشمی اور مدنی ہیں۔ ابو جعفر آپ کی کنیت ہے۔ آپ کی والدہ ماجدہ ام عبد اللہ، حضرت امیر المومنین حسنؓ کی صاحبزادی ہیں۔ آپ مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے اور وہیں نشو ونما پائی۔

باقر کی وجہ تسمیہ

آپ کو باقر اس لیے کہا جاتا ہے کہ باقر لغت میں پھاڑنے والے کو کہتے ہیں۔ چونکہ آپ نے علم کی موشگافی کی، اس کے اصول کی معرفت اور اس کے اسرار ورموز تک رسائی حاصل کی،

اس نے آپ و باقر بہا جاتا ہے۔ آپ کے تبحر علمی، سرفرازی و سربلندی، جلالت و بزرگی اور اوصاف حمیدہ کی تعریف کوئی کیا بیان کر سکتا ہے۔ آپ کی عظمت و بزرگی کے لئے بس یہی کافی ہے کہ آپ آل رسول ہیں ۔

شرف ذات او همین نه بس است　　　که رسول خدائی را پسر است

(آپ کی ذاتی شرافت کے لئے یہی کافی ہے کہ آپ رسول اللہ ﷺ کی آل میں ہیں)

الیهم کل مکرمة تؤل　　　اذا ماقیل جدهم الرسول

(ساری بزرگی اور بڑائی ان دونوں کی طرف لوٹ جاتی ہے جب کوئی یہ کہتا ہے کہ ان کے دادا رسول اکرم ﷺ ہیں)

شہدائے کربلا کی یاد میں گریہ وزاری

آپ اپنے رشتہ داروں اور بزرگوں یعنی حضرت حسین اور دوسرے شہدائے کربلا کے فراق میں راتوں کو رویا کرتے، آپ کی خدمت میں حاضر باش رہنے والوں میں سے کسی نے عرض کیا، اے میرے آقا و مولیٰ اور میرے آباء واجداد کے آقا و مولیٰ! آپ اس طرح کب تک روتے رہیں گے، اور کب تک آہ و بکا کرتے رہیں گے آپ نے فرمایا، اے دوست! یعقوب صرف ایک یوسف کی جدائی میں اتنا روئے کہ انکی آنکھیں سفید ہو گئیں، اور میرے دل پر تو اٹھارہ اشخاص کی جدائی کا غم ہے جن میں میرے والد بھی شامل ہیں۔ میں تو اس حساب سے کچھ نہیں رو رہا ہوں۔

بارگاہ الہیٰ میں یوں فریاد کرتے

آپ کے مقربین میں سے ایک شخص راوی ہیں کہ جب رات کا ایک حصہ گزر جاتا اور آپ ورد و وظائف سے فارغ ہو جاتے تو بلند آواز سے گریہ وزاری کے ساتھ یوں مناجات کرتے۔

اے میرے اللہ! اے میرے آقا! اندھیری رات ہو چکی ہے۔ اس وقت بادشاہوں کی محل داری رکی ہوئی ہے۔ آسمان پر ستارے نکل چکے ہیں ساری مخلوق کو نیند آ گئی ہے، وہ ساتھیوں کی طرح اپنے خلوت کدوں میں آرام کر رہے ہیں۔ نیند سے ان کی آنکھیں بند ہو چکی ہیں۔ لوگ اپنی آرزوؤں اور حاجتوں کو اپنے سینے میں چھپائے حاکموں کے دربار سے واپس آ چکے ہیں۔ حاکموں نے بھی اپنی بارگاہ کے دروازوں کو بند کر دیا ہے، دربانوں اور نگہبانوں کو بٹھا دیا ہے۔ جن لوگوں کو اس دربار سے اپنی حاجت روائی کی امیدیں تھیں وہ اپنی حاجتوں کو بھول چکے ہیں۔

اے میرے اللہ! تو ہی زندہ و پائندہ ہے، علیم و دانائے حال ہے۔ نہ تجھے نیند آتی ہے نہ اونگھ۔ جو تجھے ان صفتوں کے ساتھ نہیں جانتا اور نہیں پہچانتا وہ تیری نعمتوں کا مستحق نہیں ہے۔ کوئی چیز تجھے کسی چیز سے روک نہیں سکتی اور تیری بقا میں نہ کوئی دن خلل انداز ہو سکتا ہے اور نہ کوئی رات۔ تیری رحمت کے دروازے ان لوگوں کے لئے کھلے ہوئے ہیں جو تجھے پکارتے ہیں، اور جو تجھ سے مانگتے ہیں۔ ساری رحمتیں ان لوگوں پر نچھاور ہوتی ہیں جو تیری حمد و ثنا کرتے ہیں۔ تو ایسا حاکم ہے جو سائلوں کو رد نہیں کرتا جو مومنوں کی دعاؤں کو بے اثر نہیں بناتا اور زمین و آسمان میں ایک شخص بھی ایسا نہیں ہے جو تیری بارگاہ میں سائلوں کو پہنچنے سے روک دے۔

اے خدا! جب موت اور حساب قبر کو یاد کرتا ہوں تو اس وقت دنیا کی کوئی خوشی مجھے شاد کام نہیں کرتی جب اپنے نامہ اعمال کو یاد کرتا ہوں تو اس وقت دنیا کی کوئی چیز میرے من کو مطمئن نہیں کرتی۔ اور جب ملک الموت کو یاد کرتا ہوں تو اس وقت دنیا کی کوئی چیز مجھے اپنی طرف مائل نہیں کرتی۔ لہذا میں تجھ سے وہی عرفان چاہتا ہوں جس سے تیری معرفت حاصل کر سکوں اور تجھ سے وہی اسلوب مانگتا ہوں جس سے تجھے پکار سکوں۔ اس راحت کی تمنا رکھتا ہوں جس کی وجہ سے موت کے عذاب سے محفوظ رہ سکوں۔ اور اس عیش کی طلب کرتا ہوں جس کے حساب دینے میں کوئی گرفت نہ ہو۔

یہ پوری مناجات عربی زبان میں ہے اور بہت فصیح ہے۔ ایک بزرگ نے اس کا فارسی میں ترجمہ کر دیا ہے۔ اختصار کا خیال رکھتے ہوئے یہاں پر صرف فارسی ترجمہ لکھا گیا ہے۔

اولاد

آپ کی اولاد میں چار صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں ہوئیں۔

تاریخ وصال

آپ کا وصال مدینہ منورہ میں ۷، محرم، سوموار کے دن ۱۱۴ ہجری میں ہوا۔ سنہ وصال میں اختلاف ہے کسی نے ۱۱۷ ہجری لکھا ہے اور کسی نے ۱۱۸ ہجری متعین کیا ہے۔

ذکر

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ

خداوندا بصدق آن یگانہ

کہ خواندش جعفرِ صدقِ زمانہ

آداب و القاب

تمام ولیوں میں افضل، تمام صوفیوں میں اکرم، امامت کو شرف قبولیت بخشنے والے، مقامِ استقامت میں قیام فرمانے والے، گلشنِ رسالت کے میوۂ نورس، باغ کرامت کے شاخ نوخیز، آسمانِ عزو جلال کے تابناک ستارہ، بحر سیادت و کمال کی درِ بے بہا، معدنِ حکمت ربانی، ساکنِ کعبہ سبحانی، خاندانِ بزرگ و برتر کے عظیم فرزند، خانوادۂ اشرف و اکرم کے لائق دل بند، استاد صادق ابو محمد جعفر صادقؓ تمام مشائخ کے رہنما اور پیشوا ہیں۔ اس زمانہ میں آپ پر سب کو اعتماد اور بھروسہ تھا۔ طریقت میں آپ بلند مقام پر فائز رہے۔ آپ بہت ساری لطیف و پاکیزہ کتابوں کے مصنف ہیں اور اس میں فصیح عبارتیں تحریر فرمائی ہیں۔

آپ کا شمار تبع تابعین میں ہوتا ہے اس لئے کہ آپ نے اکابر تابعین کا زمانہ پایا تھا اور ان سے استماع کلام کیا تھا۔ ان اکابر تابعین میں آپ کے والد بزرگوار حضرت محمد باقر، قاسم بن محمد، نافع اور زہری رضوان اللہ علیہم اجمعین آتے ہیں۔ آپ کی عظمت و امامت پر اس زمانہ کے تمام علماء اور مشائخ سب متفق ہیں اور کسی کو اختلاف نہیں ہے۔

آپ دیکھنے ہی سے اولادِ انبیاء معلوم ہوتے

عمر ابن مقدامؒ فرماتے ہیں کہ جب بھی میری نظر حضرت جعفر صادق پر پڑی تو مجھے ایسا محسوس ہوتا کہ یہ انبیاء کی اولاد میں ہیں۔

والدہ ماجدہ

آپ کی والدہ ماجدہ کا اسم گرامی ام فروہ ہے جو قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیقؓ کی صاحبزادی تھیں۔

ولادت اور کنیت

۸۰ ہجری میں آپ کی ولادت مدینہ پاک میں ہوئی آپ کی کنیت ابو عبد اللہ اور صادق لقب ہے۔

خلوت نشینی کا سبب

خلیفہ منصور کے زمانہ میں آپ نے خلوت نشینی اختیار کر لی تھی، باہر تشریف نہیں لاتے تھے، جب یہ بات حضرت سفیان ثوری کو معلوم ہوئی تو وہ آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ لوگ آپ کی صحبت اور آپ کے انفاس قدسیہ کے فیضان سے محروم ہیں۔ آخر یہ گوشہ نشینی کیوں اختیار کر لی گئی۔ آپ نے جواب دیا کہ فسد الزمان و تغیر الاخوان (زمانہ میں فساد پھیل چکا ہے اور لوگوں میں تبدیلی آ گئی) اس کے بعد یہ دو اشعار پڑھے۔

دھب الوفاء دھاب امس الداھب والناس بین محایل و مارب

یعشون بینھم المودۃ و الوفا وقلوبھم مشحوتہ بعقارب

(وفا اس جانے والے کی طرح رخصت ہو گئی جو کل ہی جا چکا اور لوگ اپنی خیش گاہوں اور مقاصد میں منہمک ہیں۔)

انہیں محبت و وفاداری آغوش میں لئے ہوئے ہیں اس کے باوجود ان کے قلوب بچھوؤں سے بھرے ہوئے ہیں)۔

دو خیر اور دو شر میں فرق کرنے والا ہی عقلمند ہے

ایک مرتبہ آپ نے حضرت ابوحنیفہؒ سے پوچھا عقلمند کسے کہتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا

جو خیر و شر میں تمیز کرے وہی عقلمند ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ تمیز تو چوپائے کے اندر بھی ہوتی ہے۔ ڈنڈے مارنے والے اور چارہ دینے والے دونوں کو وہ پہچانتا ہے اور دونوں میں جو فرق ہے اس کو اچھی طرح سمجھتا ہے، حضرت ابو حنیفہ نے عرض کیا حضور کے خیال میں عقلمند کون ہے؟ آپ نے فرمایا عقلمند وہ ہے جو دو خیر اور دو شر میں فرق پیدا کرے اور دو خیر میں سب سے بہتر خیر کو اختیار کرلے اور دو شر میں سب سے معمولی شر کو چن سکے۔

شفاعت کے لئے احباب سے بیعت و معاہدہ

ایک روز آپ اپنے احباب کے درمیان تشریف فرما تھے، اس وقت ان سے فرمایا کہ آؤ ہم لوگ اس بات پر بیعت کریں اور عہد کریں کہ کل قیامت کے دن ہم لوگوں میں جس کو بھی نجات ملے وہ ہم سب کے لئے شفاعت کرے۔ حاضرین نے عرض کیا اے رسول ﷺ کے نور نظر! بھلا آپ کو ہم لوگوں کی شفاعت کی حاجت ہو گی جب کہ آپ کے جد بزرگوار تو سارے لوگوں کی شفاعت فرمائیں گے؟ آپ نے جواب دیا کہ میں تو اپنے اعمال کی وجہ سے خود شرمندہ ہوں کہ کل قیامت کے دن اپنے دادا حضور کو کیا منہ دکھاؤں گا۔

صابر درویش شاکر دولتمند سے افضل ہے

طریقت کے معاملات سے متعلق آپ کے بہت سارے کلمات نقل کئے گئے ہیں، مثلا جب آپ سے دریافت کیا گیا کہ صبر کرنے والے درویش اور شکر کرنے والے دولتمند دونوں میں افضل کون ہے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ صبر کرنے والا افضل ہے۔ اس لئے کہ دولتمند کا دل تو تھیلیوں کی طرف لگا رہتا ہے اور درویش کا دل خدا کی طرف ہوتا ہے۔

عبادت کے لئے توبہ ضروری ہے

آپ کا ارشاد گرامی ہے کہ توبہ کے بغیر عبادت صحیح نہیں ہوتی اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے بھی توبہ کو عبادت پر مقدم کیا ہے جیسا کہ فرمان خداوندی ہے التائبون العابدون الی آخرہ (التوبہ ۱۲)۔ مقامات کی ابتدا توبہ سے ہوتی ہے اور اس کی انتہا عبودیت ہے۔

حقیقتِ ذکر

آپ نے فرمایا کہ خدا کے ذکر کے وقت توبہ کا ذکر خدا کے ذکر سے غافل رہنا ہے۔ خدا کو یاد کرنا حقیقت میں یہ ہے کہ خدا کے ذکر کے وقت ذاکر تمام اشیاء کو فراموش کر دے اس طرح کہ تمام اشیاء کے ذریعہ ذاکر کی غرض اور اس کا مطلوب خدا ہی ہو، خدا کے سوا اور کچھ نہ ہو۔

جہد برائے نفس اور جہاد برائے خدا

آپ نے فرمایا کہ جو نفس کے لئے نفس سے جہاد کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی نوازش وکرم سے ہمکنار ہوتا ہے اور جو خدا کے لئے نفس سے جہد کرتا ہے اس کی رسائی خدا تک ہو جاتی ہے۔

دنیا ہی میں بہشت اور دوزخ ہے

آپ نے فرمایا کہ دنیا ہی میں اللہ تعالیٰ کی بہشت و دوزخ ہے۔ آرام و عافیت بہشت ہے اور آزمائش و ابتلا دوزخ ہے۔ اپنے کاموں کو خدا کے سپرد کر دینا بھی بہشت ہے۔

صحبت کے اثرات

اگر دشمنوں کی صحبت دوستوں کے لئے نقصان دہ ہوتی تو حضرت بی بی آسیہ کو فرعون لعین سے ضرور نقصان پہنچتا۔ اسی طرح اگر دوستوں کی صحبت دشمنوں کے لئے نفع بخش ہوتی تو حضرت نوح اور حضرت لوط کی بیویوں کو ضرور فائدہ پہنچتا۔

اللہ کی کبریائی پر تکبر

عشق ومحبت اور توحید ومعرفت میں بھی آپ کے کلمات بہت ارفع و اعلیٰ ہیں۔ مثلاً جب آپ سے لوگوں نے کہا کہ آپ ہر طرح کی خوبیوں سے آراستہ ہیں۔ زہد وتقویٰ اور ایثار وکرم کے بلند مقام پر فائز ہیں۔ اعلیٰ خاندان کے چشم وچراغ ہیں لیکن ان سب کے باوجود آپ کے اندر تکبر پایا جاتا ہے تو آپ نے جواب دیا کہ نہیں، نہیں، میں تکبر نہیں کرتا۔ مجھے اپنے کبریا کی

کبریائی کا تکبر ہے۔ میں نے جب اپنی بڑائی کا احساس ختم کر دیا تو اس مالک بے نیاز کی کبریائی مجھ پر جلوہ فگن ہوگئی۔ میری بڑائی کہاں رہی اس کی بڑائی نے میری بڑائی کی جگہ لے لی۔ اپنی بڑائی پر تکبر جائز نہیں ہے ہاں اس کی کبریائی پر تکبر کر سکتے ہیں۔

مومن اور عارف کی تعریف

آپ نے فرمایا مومن وہ ہے جو اپنی ذات (کی اصلاح و تربیت) کے لئے آمادہ رہے اور عارف وہ ہے جو اپنے خدا کے لئے ماسوی اللہ سے بے نیاز ہو جائے۔ آپ نے فرمایا کہ سیاہ رات میں سیاہ پتھر پر سیاہ چیونٹی جس طرح چلتی ہے اور وہ نظروں سے اوجھل رہتی ہے اس سے کہیں زیادہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں پوشیدہ رہتا ہے۔

آپ نے فرمایا کہ اپنے آپ کو سمجھنے کا راز مجھ پر اس وقت اچھی طرح آشکارا ہوا جب لوگوں نے مجھے دیوانہ کہنا شروع کیا۔

آپ نے فرمایا من عرف اللہ اعرض عما سواہ یعنی عارف ماسوی اللہ سے منہ موڑے ہوئے ہوتا ہے۔

داؤد طائی کا اعتراف عظمت

حضرت امام جعفر صادقؓ اپنے عہد میں تمام مشائخ عظام کے مرجع و مرکز تھے۔ نقل ہے کہ ایک بار حضرت داؤد طائیؒ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، اے فرزند رسول! مجھے اپنی نصیحتوں سے نوازیئے اس لئے کہ میرا دل سیاہ ہو چکا ہے، آپ نے فرمایا اے ابا سلیمان! آپ تو خود اپنے زمانہ کے زاہد ہیں، آپ کو میری نصیحت کی حاجت ہو، یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ انہوں نے گذارش کی اے فرزند رسول! آپ کو تمام لوگوں پر فضیلت و بڑائی حاصل ہے اس لئے پند و نصیحت بھی آپ پر واجب ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا اے ابا سلیمان! اس کے معاملات صرف صحیح اور قوی نسبت سے تعلق نہیں رکھتے۔ اصل معاملہ تو یہ ہے کہ جو کچھ کیا جائے وہ حق سبحانہٗ تعالیٰ کے شایان شان ہو۔ یہ سنکر داؤد رونے لگے اور فرمایا اے اللہ! جن کی

فطرت کا معجون آب نبوت سے تیار ہوا ہے، جن کی طبیعت برہان وحجت سے مرکب ہے، جن کے دادا رسول ہیں، جن کی ماں بتول ہیں جب ان کی حیرانی کا یہ حال ہے تو پھر داؤد کون ہوتا ہے جو اپنے اعمال پر غرور و گھمنڈ کرے۔

بایزید بسطامی کا اکتساب فیض

حضرت بایزید بسطامیؒ جن کے موئے مرتبت اور بلندی درجات کی شہرت ہے برسہا برس آپ کی غلامی میں رہے وران کو جو مقام حاصل تھا وہ آپ ہی کی غلامی کی برکت سے تھا، جیسا کہ خود حضرت بایزید کا قول ہے کہ میں چار سو پیروں کی خدمت میں رہا لیکن جب جعفر صادقؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تب مسمانی کی دولت نصیب ہوئی۔

بارگاہ صادق میں بایزید کا حال

یک روز حضرت بایزید آپ کی خدمت میں حاضر تھے، آپ نے ان سے فرمایا کہ فلاں کتاب طاق پر سے لے آؤ۔ بایزید نے پوچھا طاق کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا یک مدت سے تم یہاں ہو اور یہ بھی نہیں جانتے کہ طاق کہاں ہے، اب تک طاق بھی نہیں دیکھا۔ بایزید نے کہا مجھے ان چیزوں سے کیا سروکار؟ مجھے آپ کے آگے سے سر اٹھانے کی مجال کہاں؟ میں ادھر اُدھر دیکھنے کے لئے تو آیا نہیں۔ آپ نے یہ بات سنکر فرمایا جب ایسی بات ہے اور تمہارا یہ حال ہے تو اب بسطام چلے جاؤ تمہاری تکمیل ہوگئی۔

حضرت جعفر صادقؓ کے مناقب و فضائل اس قدر ہیں کہ ان مختصر سے اوراق میں ان کی گنجایش ممکن نہیں۔

وفات

آپ کی وفات مدینہ پاک میں دوشنبہ کے دن ۱۴۸ ہجری میں ہوئی۔

ذکر

حضرت امام موسیٰ کاظمؒ

خداوند ابحکم شیخ راحم
شہی عیسیٰ نفس موسیٰ کاظم

آداب والقاب

شریعت کے مقتدا، طریقت کے امام، حقیقت کے رہبر، معرفت کے سلطان، خدائے کریم کے اسرار و رموز سے واقف، خلق عظیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے وارث ولی نبی اللہ، باقی باللہ، اولادِ بتول میں معظم، آلِ رسول میں مکرم، اولادِ بنی ہاشم میں افضل حضرت امام موسیٰ کاظمؒ اپنے عہد کے ارباب علم و معرفت میں سب سے ممتاز تھے علمائے شریعت اور مشائخ طریقت آپ ہی کی طرف رجوع ہوتے۔ مشکل مسائل کو آپ ہی سے حل کرتے، مشائخ طریقت کے باریک نکات آپ ہی سے دریافت کرتے آپ نے سلوک طریقت کی واقفیت اور مراتب حقیقت کی ترقی اپنے والد ماجد حضرت امام جعفر صادقؒ کی خدمت وصحبت میں رہ کر کی۔ ریاضت ومجاہدہ میں بھی آپ کی ایک عجیب شان تھی، دریائے وحدت کے غواص اور دریائے کثرت کے شناور تھے۔ عرب وعجم کے سارے لوگ آپ کے مطیع وفرمانبردار تھے۔

آپ کی مقبولیت سے ہارون رشید کا تردد

لوگوں کے ذریعہ آپ کی اس اطاعت وفرمانبرداری کو دیکھ کر خلیفہ ہارون رشید کے دل میں یہ وسوسہ پیدا ہوا کہ کہیں سلطنت اس کے ہاتھ سے نکل نہ جائے۔ اس لئے وہ آپ کو طرح طرح سے ستانے لگا۔ روایتوں میں آتا ہے کہ ہارون رشید کو یہ فکر ہوئی کہ آپ کے حالات زندگی معلوم کئے جائیں اور آپ کے معاملات سے واقفیت حاصل کی جائے۔ اس کام کے لئے اس نے علی ابن اسمٰعیل ابن جعفر صادق کو مال ودولت کی لالچ دے کر اپنی طرف ملا لیا۔ اور ان سے حضرت موسیٰ کاظمؒ کے احوال معلوم

کیے۔ علی بن اسماعیل نے کہا کہ ایک بار امام موسیٰ کاظم نے تیس ہزار دینار میں زیور خریدا اور جو سکہ اس وقت ان کے پاس تھا وہ پیش کیا۔ بیچنے والے نے کہا کہ مجھے یہ سکہ نہیں چاہیے بلکہ میں فلاں سکہ لوں گا۔ آپ نے اس رقم کو رکھ دیا اور جو سکہ وہ مانگ رہا تھا اسی سکہ میں تیس ہزار دینار اسی وقت پیش کر دیا۔ اسی وقت اتنی رقم کا پیش کر دینا یہ آپ کی کرامت سمجھی جائے گی۔ یہ سن کر ہارون رشید نے جواب دیا کہ مشرق و مغرب کے ہر علاقہ سے خمس کا مال کثیر مقدار میں آتا رہتا ہے اس لیے یہ کوئی تعجب اور کرامت کی بات نہیں۔

آپ ہی امام وقت تھے

حسین بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں نے حضرت موسیٰ کاظمؑ سے دریافت کیا کہ اس وقت امام کون ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تم میری بات مانو تو میں بتا سکتا ہوں۔ میں نے کہا آپ بتائیں میں ضرور یقین کروں گا۔ تب آپ نے فرمایا کہ "میں امام ہوں"۔ میں نے پوچھا اس کا ثبوت کیا ہے۔ آپ نے ببول کے درخت کی طرف اشارہ کیا اور مجھ سے فرمایا کہ جاؤ اس درخت سے کہو کہ موسیٰ جعفر نے تجھے بلایا ہے۔ میں نے ویسا ہی کیا اور وہ درخت زمین کو پھاڑتے ہوئے آیا اور خدمت میں حاضر ہو گیا۔

آپ کے قتل کی کوشش

سننے میں آیا ہے کہ جب خلیفہ نے آپ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا اور لوگوں نے آپ پر تیر و تلوار سے حملہ کیا تو ان کا حملہ بے اثر رہا۔ یہ تیر و تلوار آپ کے جسم اطہر کو ذرا برابر نقصان نہ پہنچا سکے۔ جب لوگ مجبور و بے بس ہو گئے تو آپ کو قتل کرنے کی دوسری تدابیر پر غور و فکر کرنے لگے۔ ایک شخص نے مشورہ دیا کہ آپ کے حلق میں گرم گرم رانگا ڈال دیا جائے۔ ایسا ہی کیا گیا لیکن ان کی یہ کوشش بھی بے سود رہی۔ اور آپ نے اس قلعی کو اپنے منہ سے باہر پھینک دیا۔

کاظم کی وجہ تسمیہ

آپ خالموں کے ظلم کو برداشت کرتے ان سے ہرگز بدلہ نہیں لیتے، غصہ کو پی جاتے اسی وجہ سے

لوگ آپ کو کاظم کہتے۔ کظم کا لغوی معنی غصہ پینا ہے۔ آپ تمام کاموں کا فاعل حقیقی خدا کو سمجھتے، آپ کی حق بین نگاہوں سے مخلوق ساقط ہو چکی تھی۔ یعنی ماسوی اللہ کا وجود ہی آپ کی نظر میں کالعدم تھا تو پھر غصہ کس سے لیتے۔

چون نیک و بد از خدائی دیدند
روئی از همه خلق درکشیدند

(جب آپ اچھائی برائی، خیر و شر اور نیکی و بدی سب کو من جانب اللہ سمجھتے تھے تو پھر ساری مخلوق کی طرف سے رخ پھیر لیا تھا)

بعض لوگ کاظم کی وجہ تسمیہ یہ بتاتے ہیں کہ ایک دفعہ کھانے کے وقت خادم کے ہاتھ سے گرم شوربا آپ کے جسم پر گر گیا۔ آپ نے جب غصہ سے اس کی طرف دیکھا تو خادم نے پڑھا والکظمین الغیظ یعنی اس نے قرآن پاک کی وہ آیت کریمہ یعنی (آل عمران ۱۳۴) یاد دلائی جس میں اللہ تعالیٰ نے بہشت والوں کا ذکر کیا ہے کہ بہشت ان لوگوں کے لئے تیار کی گئی ہے جو غصہ کو پی جاتے ہیں۔ آپ نے یہ آیت سن کر فرمایا جاؤ میں نے غصہ کو ختم کر دیا۔ خادم نے فوراً اس کے بعد کا حصہ پڑھ دیا والعافین عن الناس یعنی بہشت معاف کرنے والوں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ آپ نے فرمایا جاؤ میں نے تمہیں معاف بھی کیا۔ خادم نے فوراً پڑھ دیا واللہ یحب المحسنین یعنی اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ آپ نے فرمایا جاؤ میں نے تمہیں آزاد بھی کیا۔

بعض لوگ اس واقعہ کو حضرت امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ اور آپ کے خادم سے منسوب کرتے ہیں۔ لیکن یہ بات نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا جو رعب و داب اور جلال تھا اس سے یہ بات قابل یقین نہیں کہ ان کا خادم ان کے سامنے کسی طرح کی غفلت و کوتاہی کا ارتکاب اور آیت قرآنی کے ذریعہ انتباہ کی جرأت کر سکے جب کہ اعاظم صحابہ کو امیر المومنین حضرت عمر کے سامنے کسی مسئلے پر جواب دینے کی ہمت نہیں ہوتی تو خادم کی اتنی مجال کہاں کہ وہ آپ کو آیت قرآنی کی طرف توجہ دلائے۔

حالت نماز میں تقرب الی اللہ

من العوارف و قیل الموسی بن جعفر ان الناس افسدو علیک الصلوٰۃ

سمرو حمو ... ذلک قال الذی اصلی له اقرب الی من الذین یمشون بین یدی

... رضی اللہ عنہ سے لوگوں نے کہا کہ نماز پڑھنے کی حالت میں جب ... تو آپ کی نماز فاسد ہو جاتی ہوگی۔ آپ نے فرمایا کہ میں جس کی نماز پڑھتا ہوں وہ ان گذرنے والوں سے زیادہ مجھ سے قریب ہوتا ہے۔

حضرت امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ کے مناقب بیان سے باہر ہیں۔ آپ باغ نبوت اور گلشن رحمۃ للعالمین کے وہ ثمر تازہ ہیں جن کے قدم مبارک کی برکت سے اللہ تعالیٰ کے قہر وجلال کا دریا تھما رہا ورنہ ان ظالموں پر وہ گذرتی اور قہر کا ایسا پہاڑ ٹوٹتا جس کا اندازہ کرنا ممکن نہیں۔

سالِ ولادت

آپ کی جائے پیدائش مدینہ منورہ ہے۔ ۱۲۸ ہجری میں آپ کی ولادت ہوئی اور پچپن سال کی عمر پائی۔

والدہ محترمہ

آپ کی والدہ محترمہ "حمیدہ مغربیہ" ام ولد تھیں۔

اولاد

حضرت امام موسیٰ کاظم کو بیس صاحبزادے اور اٹھارہ صاحبزادیاں ہوئیں۔ صاحبزادوں میں حضرت علی موسیٰ سب سے زیادہ مشہور ہوئے۔

وفات

آپ نے ہارون رشید کے قید خانہ میں ۱۸۳ ہجری میں وفات پائی اور بغداد میں قریش کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

ذکر

حضرت امام علی رضاؓ

خداوندا بگیسوئے شہِ دیں
علی موسیٰ کہ آں مرد رضاء دیں

آداب والقاب

شجر نبوت کے میوۂ تازہ، شاخ سنیت کے ثمر نورس، اولیائے عظام میں سب سے اشرف، صوفیائے کرام میں سب سے افضل، اہل یقین کے پیشوا، ارباب دین کے قبلہ، نیک اور پاکیزہ یادگاروں میں سب سے اہم یادگار، جن پر فخر کیا جائے ان سب کے ملجا و ماوی، صوفیوں کے شاہ، عارفوں کے بادشاہ حضرت علی مرتضیٰ کے لخت جگر حضرت امام علی رضا رضی اللہ عنہ ارباب طریقت کے پیشواؤں کے پیشوا ہیں۔ بلند و ارفع مقام اور حیرت انگیز احوال کے مالک رہے۔ آپ والد حضرت موسیٰ کاظمؒ سے سند خلافت رکھتے اور ریاضت و مجاہدہ میں بلند مقام پر فائز رہے۔ حضرت معروف کرخیؒ جو سارے جہاں کے پیشوا ہیں آپ ہی کے دسترخوان کے پروردہ اور حضرت خواجہ بایزید بسطامیؒ جو عارفوں کے سلطان ہیں آپ ہی کے گلستان کے خوشہ چیں تھے۔

شیخ حسن کے رسالہ لطیف المعانی کا حوالہ

شیخ الاسلام شیخ حسن ابن شیخ حسین بلخیؒ نے اپنے رسالہ لطیف المعانی[1] میں تحریر فرمایا ہے کہ سالکوں کی ترقی درجات کو پانچ درجوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا درجہ[2] نفس کا ہے جس میں اوصاف

---

1. مناقب الاصفیائے تین قلمی نسخے اور ایک مطبوعہ چاروں نسخوں میں لطیف المعانی تحریر ہے لیکن اس رسالہ کا جو مطبوعہ نسخہ راقم کے پیش نظر ہے اس میں لطائف معانی درج ہے یہ ۱۳۰۰ ہجری میں مطبع قیصری محلہ گوبند عطار پٹنہ سے باہتمام خواجہ محمد خلیل مدیر الناظم آبادی شائع ہوا تھا اس کو ناشر نے حضرت مخدوم جہاں کا ملفوظ لکھ دیا ہے جو سراسر غلط ہے۔
2. لطائف المعانی ص ۲۔۳ مطبوعہ مطبع قیصری محلہ گوبند عطار پٹنہ شیخ عظیم کے دیوان میں یہ عبارت قدرے فرق کے ساتھ موجود ہے۔

ذمیمہ ہی ہوتے ہیں۔ جب سالک اس درجہ سے ترقی وعبور کر کے دوسرے درجہ میں داخل ہوتا ہے جس کو قلب کا درجہ کہتے ہیں اس وقت سالک صاحب دل کہلاتا ہے۔ صفات حمیدہ سے متصف ہو جاتا ہے اور پھر یہاں سے ترقی کر کے تیسرے درجہ میں پہنچتا ہے جس کو روح کا درجہ کہتے ہیں۔ اور اس درجہ سے گذر کر چوتھے درجہ میں داخل ہوتا ہے جس کو سر کہتے ہیں۔ اس درجہ میں ظہور اور صفات کی تجلی ہوتی ہے اس مقام تک شیطان کی پہنچ اور دسترس ہے۔ اسی لئے بہت سارے سالکین وراس راہ کے راہ رو اس مقام میں پہنچ کر اپنی راہ بھول گئے ہیں۔ اس مقام سے آگے کی ترقی پیر کی خدمت کی برکت ہی سے نصیب ہوتی ہے۔ اس لئے کہ پیر اس راہ کو طے کئے ہوئے ہوتے ہیں۔ وہ راہ کے نشیب وفراز، آفات و بلیات اور راہزن کو اچھی طرح جانتے وپہچانتے ہیں جیسا کہ حضرت سلطان العارفین بایزید رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہوا کہ آپ ان چاروں مقامات کو مختلف مشائخ سے طے کر چکے تھے اور مقام سر میں پہنچ چکے تھے۔ آخر میں آل رسول کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرت امام علی رضا نے ان کو اس مقام سے ترقی دے کر صفات کی تجلیات سے فارغ کرا دیا اور حق سبحانہ تعالیٰ تک پہنچا دیا۔

اپنی نظر کا قصور

جب خواجہ بایزید حضرت امام علی رضا کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان سے دریافت کیا کہ اچھا یہ تو بتاؤ کہ ان بزرگوں کو تم نے کیسا پایا جن کی صحبت میں رہے؟ خواجہ بایزید نے جواب دیا کہ نقص سے کوئی بھی خالی نہیں ہیں۔ حضرت امام علی رضا نے فرمایا کہ جو کمی تمہیں نظر آئی وہ ان بزرگوں میں نہیں ہے بلکہ یہ تمہاری نظر کا قصور ہے۔

ماقبل واقعات کی تشریح وتوضیح

یہ واقعات اس واقعہ کے خلاف نہیں ہیں جو حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں گذرا کہ خواجہ بایزیدؒ نے فرمایا کہ میں چار سو بزرگوں کی خدمت میں رہا لیکن اگر حضرت جعفر صادقؓ کی خدمت میں نہ پہنچتا تو مسلمان بھی نہ ہوتا۔ یہ بات ان کے ابتدائے حال کی تھی اور یہاں جو واقعہ بیان کیا گیا یعنی وصول حق کی جو بات کہی گئی وہ ان کے حال کی انتہا تھی۔ اس لئے کہ وصول اللہ صوفی کا انتہائی حال ہوتا ہے اس مقام میں کفر و اسلام اٹھ جاتا ہے اور صرف مقام وحدت رہ جاتا ہے۔

حضرت خواجہ نجم الدین کبریٰ فرماتے ہیں:

کفر و اسلام و سنت و بدعت　　اصطلاحیست درمیاں فرق

(کفر، اسلام، سنت، بدعت یہ سب تو ایک دوسرے سے فرق پیدا کرنے کے لئے اصطلاحی الفاظ ہیں۔)

اور شیخ الاسلام شیخ حسین معز شمس بلخی فرماتے ہیں

عشقش را در خدا آباد می نیسم وطن　　بی حریم کعبہ آنجائی سرائے اھرمن

(اللہ کے عاشقوں کو دیر و حرم سے کوئی سروکار نہیں ہوتا وہ تو بارگاہ حق کے حریم خاص میں اپنی جگہ بنا لیتے ہیں۔)

اور وہ واقعہ جو پہلے گذرا کہ ایک روز حضرت بایزید امام جعفر صادقؓ کی خدمت میں حاضر تھے۔ امام نے جب طاق سے کوئی کتاب لانے کا حکم دیا اور انہوں نے طاق سے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا۔ حضرت امام جعفر صادق نے فرمایا کہ ایک مدت سے یہاں ہو اور آج تک طاق بھی نہیں دیکھا تو خواجہ بایزید نے عرض کیا میں تو آپ کے سامنے سر جھکانے کے لئے آیا ہوں مجھے ادھر ادھر دیکھنے سے کیا مطلب۔ اس پر حضرت امام جعفر صادق کا یہ فرمانا کہ جب تمہارا یہ حال ہے تو بسطام چلے جاؤ اس لئے کہ تمہارا کام پورا ہو چکا۔ حضرت امام کا یہ فرمانا سالک کی ترغیب و تحضیض کے لئے ہے نہ کہ بس اسی قدر ریاضت و مجاہدہ سے کام کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ خدا کی راہ اتنی مختصر نہیں ہے کہ بشر اس کو اتنی آسانی سے حاصل کر لے۔ وصلت نامہ میں آیا ہے:

اندر آں ایام صادق بد امام　　سالکاں راہ رو حستند کام
بایزید با مرید اندر مرش　　دائما می بود چوں خاک درش
تا کمال خویشتن حاصل نکرد　　خویش را با قرب حق واصل نکرد
چوں کہ صادق دید اورا باںظام　　گفت کارش گشت پیش ما تمام
ایں زماں برخیز و عزم راہ کن　　در خراساں خلق را آگاہ کن

( ) جس زمانہ میں حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ مسند امامت پر فائز تھے اس زمانہ میں سالکین

طریقت آپ ہی سے اپنے مطلوب ومقصود کو حاصل کرتے تھے۔

(۲) بایزید بسطامی مریدانہ صفات کے ساتھ آپ کے آستانہ پر ہمیشہ عاجزانہ پڑے رہتے۔

(۳) بایزید نے جب تک اپنے آپ میں کمال حاصل نہیں کیا خود کو وصول الی اللہ سے ہمکنار نہیں کیا۔

(۴) جب حضرت امام جعفر صادق نے دیکھا کہ اب ان کے معاملات میں تنظیم پیدا ہوگئی ہے تو ان سے فرمایا کہ اب تمہارا کام ہمارے یہاں پورا ہوگیا۔

(۵) اب یہاں سے رخت سفر باندھو اور خراسان جا کر لوگوں کی ہدایت ورہنمائی کا کام انجام دو

کام پورا ہونے سے وصول الی اللہ مراد نہیں ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ مقتدائی اور پیری کے لائق ہو چکے ہیں، لوگوں کی ہدایت ورہنمائی کا کام انجام دے سکتے ہیں۔

اولیائے مستہلک کامل کی تعریف جواہر السلوک کے حوالے سے

شیخ الاسلام شیخ حسین معز شمس بلخی عظم قدرہ رسالہ جواہر السلوک میں تحریر فرمایا ہے کہ اولیاء کی ایک قسم مستہلک [1] کامل بھی ہے۔ یہ لوگ جب مریدی کے درجات سے گذر جاتے ہیں اور ان پر تجلی صفات کے انوار جلوہ فگن ہوتے ہیں تو ان کی بشریت کا پہاڑ فنا ہو جاتا ہے لیکن یہ فنائیت پائیدار نہیں ہوتی۔ اس میں بشریت کے لوٹ آنے کا امکان باقی رہتا ہے۔ ایسے لوگ مشاہدہ جمال حق میں کامل نہیں ہوتے۔ کبھی تو موسیٰ کی طرح اپنی مراد پیش کرنے لگتے ہیں یعنی ارنی کی صدا لگانے لگتے ہیں اور کبھی تجلی کے نظارہ میں گم ہو جاتے ہیں اور مقام شکر میں پہنچ کر سبحانی لیس فی جبی غیری (میری ذات پاک ہے، میرے جبہ میں میرے سوا کوئی اور نہیں) کا نعرہ اپنی نہاد سے سنتے ہیں اور اھل فی الدار غیری (کیا گھر میں میرے سوا کوئی اور ہے؟) کا دعویٰ پیش کردیتے ہیں۔ جب یہ حال ہوتا ہے تو غیرت کا چوبدار بارگاہ جلال سے باہر آتا ہے۔ اور بعد وفراق کا کوڑا ان کے سروں پر برسانے لگتا ہے اور یہ لوگ اس وقت سبحانک تبت الیک (تیری ذات پاک ہے میں نے تیرے سامنے توبہ کی) کہتے ہوئے مصیبت وغم کے بستر میں منہ چھپا لیتے ہیں۔ اپنے ظلم اور فسق وفجور کا اقرار کرتے ہیں اور

---

[1] مستہلک کامل کی تعریف حضرت خواجہ نجم الدین کبریٰ "کے تذکرہ ص:۲۷۲ میں بھی موجود ہے۔

زبان حال سے یوں عرض کرتے ہیں

در تنگنائی صورت معنی چگونہ گنجد
در کلبۂ گدایاں سلطاں چہ کار دارد
مقصود دل ز خوباں معنی بود نہ صورت
در دل شراب گنجد پیمانہ نہ گنجد

(جس طرح گداگروں کی کٹیا میں بادشاہ کی تشریف آوری ممکن نہیں اسی طرح صورت کی تنگی میں معنی کی گنجائش ممکن نہیں۔ حسن والوں کے دل کا مقصود معنی ہوتا ہے، صورت نہیں۔ دل میں شراب کی گذر ہو سکتی ہے، پیمانہ کی نہیں۔)

جب ان پر حقیقت منکشف ہو گئی اور اس راہ کے نشیب و فراز سے آگاہ ہو گئے، شراب جمال اور قہر جلال کو چکھ لیا تو شیخی اور مقتدائی کے لائق ہو گئے۔ اب مریدوں کی اصلاح اور تربیت کر سکتے ہیں۔

یہاں تک شیخ الاسلام شیخ حسین معز شمس بلخی کی عبارت مکمل ہوئی۔

اولیاء کی یہ قسم (مستجنک کامل) جو شیخ الاسلام نے بتائی ہے۔ اس طرح کے لوگ اس زمانہ میں بھی ہیں اور اگلے زمانہ میں بھی ہوتے تھے۔ ورنہ ایسے شیخ جو وصول الی اللہ کرا دیں بہت کم ہوتے ہیں۔ زیادہ تر لوگ صاحب مقام ہوتے ہیں اور اپنے باطن کو سنوارنے ہی تک رہ جاتے ہیں۔

آداب المریدین کی عبارت

سئل ابوبکر الواسطی ان مالک ابن دینار و داؤد الطائی و محمد ابن واسع و امثالهم من العباد فقال القوم ما خرجوا من نفوسهم الا لانفسهم تركوا النعيم الفاني لنعيم الباقي فاين حال البقاء من الفناء ابوبکر واسطی، مالک دینار، داؤد طائی، محمد بن واسع اور ان کے جیسے دوسرے عابدوں کے احوال کے بارے میں جب دریافت کیا گیا تو ابوبکر واسطی نے فرمایا کہ یہ لوگ اپنے نفس کے لئے اپنے نفس سے باہر آئے۔ باقی رہنے والی نعمتوں کے لئے فانی نعمتوں کو ترک کیا ہے پھر بقاء و فنا کا حال کہاں ہے۔

۔ یہ شعر مطبوعہ نسخہ میں نہیں ہے۔

خواجہ منصور حلاج اور خواجہ ابراہیم خواص میں مکالمہ

شیخ الاسلام شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری نے مکتوبات قدیم میں ارقام فرمایا ہے کہ خواجہ منصور حلاج نے خواجہ ابراہیم خواص کو جنگلوں میں گھومتے ہوئے دیکھا۔ ان سے پوچھا کہ ابراہیم یہاں کیا کر رہے ہو؟ انہوں نے فرمایا کہ راہ توکل میں اپنے قدم کو جما رہا ہوں۔ خواجہ منصور نے جواب دیا کہ صیعت عمرک فی عمارۃ باطنک فاین الفناء فی التوحید تم نے اپنے باطن کی تعمیر میں ساری عمر گذار دی اور برباد کر دی آخر توحید میں کب پہنچو گے؟

حضرت بایزید کس زمانہ میں تھے

یہاں پر ایک بات اور بھی سمجھنے کی ہے کہ بایزید امام جعفر صادق کے زمانہ میں تھے۔ امام علی رضا کے زمانہ میں نہیں تھے۔ یہ بات غلط ہے اس لئے کہ خواجہ بایزید خواجہ معروف کرخی کے بعد ہیں جو حضرت امام علی رضا کے تربیت یافتہ ہیں۔

مخدوم و مولانا علی[1] کمال دانشمند اپنی تصنیف معنی میں جو سیر مصطفی میں ہے شیخ ابو طالب کی صاحب تصنیف قوت القلوب کی ایک تصنیف کے حوالے سے طبقات صوفیہ کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ پانچویں طبقہ میں خواجہ معروف کرخی زاہد تھے، اور چھٹے طبقہ میں خواجہ بایزید بسطامی رسالہ قشیری میں حضرت معروف کرخی کا سنہ وفات ۲۰۰ ہجری لکھا ہے اور خواجہ بایزید بسطامی کا ۲۶۱ ہجری تحریر کیا ہے اس طرح جب خواجہ بایزید حضرت معروف کرخی سے متاخر ہوئے تو بلاشبہ وہ حضرت امام علی رضا کے زمانہ میں تھے۔

حضورؐ کے نسب سے متعلق شیخ حسین کا رسالہ

شیخ الاسلام شیخ حسین معز شمس بلخی کا جو رسالہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب سے متعلق ہے اس میں حضرت نے امام علی رضا کی تاریخ وفات ۲۰۰ ہجری تحریر فرمایا ہے۔ خواجہ بایزید حضرت امام علی رضا کے زمانہ میں تھے اس کی دلیل میں بہت واضح عبارتیں موجود ہیں اور آپ کے وابستگان کے شجرہ میں جو

---

[1] بعض قلمی نسخہ میں غلام ہے اور بعض میں علی آیا ہے۔

اسمائے گرامی آئے ہیں ان میں حضرت خواجہ بایزید کے بعد حضرت امام علی رضا کا اسم گرامی آتا ہے۔اس کی سند میں یہ شجرہ پیش کیا جارہا ہے۔ قوام الدین محمد ابوالفضل لبس الخرقة المبارکة عن ابیه جمال الدین عبدالحمید عن محمد ندین فضل عن عمه شیخ جلال ابن مسعود عن عمه محی الدین عبدالله شاهشاه عن جمال الدین ابن علی عن الشیخ عزالدین عن الشیخ جمال الدین عن امام العارفین البسطامی عن الشیخ حسن الروحی ابن ابی بکر عن اوستاد ابراهیم الکنابی عن موسی عن سلطان العارفین شیخ ابی یزید طیفور عیسی البسطامی عن الامام علی رضا عن الامام موسی الکاظم عن الامام جعفر الصادق عن الامام محمد الباقر عن الامام زین العابدین عن الامام حسین شهید کربلا عن علی ابن ابی طالب عن خاتم النبیین محمد رسول الله صلی الله علیه وسلم۔

حضرت ابن سماکؒ کی تقریر کا خواجہ معروف کرخی پر اثر

رسالہ قشیری جو عربی زبان میں ہے اس کے فارسی ترجمہ میں ہے کہ حضرت معروف کرخیؒ نے فرمایا کہ میں کوفہ سے گذر رہا تھا۔دوران سفر ابن سماکؒ نامی ایک بزرگ سے ملاقات ہوگئی جو تقریر کر رہے تھے۔دوران وعظ انہوں نے فرمایا کہ جو خدا سے پورے طور پر منہ پھیر لیتا ہے خدا بھی اس کی طرف سے اپنی توجہ ہٹا لیتا ہے جو دل سے خدا کے حضور میں حاضر رہتا ہے خدا بھی اس پر اپنی رحمتوں کا نزول فرماتا ہے اور جو کبھی کبھی خدا کی طرف مائل ہوتا ہے خدا بھی اس پر کبھی کبھی رحمت فرماتا ہے۔ابن سماک کی یہ بات میرے دل پر بیٹھ گئی۔میں خدا کے حضور میں (دل سے) حاضر ہو گیا۔میں نے تمام چیزوں کو ترک کردیا اور ان رات اپنے آقا و مولی حضرت علی موسی رضا کی خدمت میں رہنے لگا۔اور جب ابن سماک کی یہ بات اپنے آقا کو سنائی تو آپ نے فرمایا کہ تمہارے لئے یہی کافی ہے۔

اہل طریقت کہتے ہیں کہ حضرت معروف کرخی کو جو یہ بزرگی و کرامت حاصل ہوئی وہ حضرت امام علی رضا کی خدمت کی برکت ہی سے حاصل ہوئی۔اسی لئے ارباب طریقت جب حضرت معروف کرخی کے افتخار و بزرگی کا ذکر کرتے ہیں تو کہتے ہیں ''آں پروردۂ علی رضا''

انسانی اعضا و جوارح

امام علی رضا نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے جسم کو ایک ملک[1] کی مثال پر بنایا ہے۔ اس ملک کی بادشاہت دل کو حاصل ہے۔ شاہی فرامین جاری کرنے کا اختیار دل ہی کو حاصل ہے۔ جسم اس بادشاہ کا محل ہے۔ معدہ اس کا خزانہ ہے۔ سینہ شاہی دربار ہے۔ رگیں، اعضاء اور جو دکھائی دیتے ہیں اور جو پوشیدہ ہیں اس بادشاہ کے غلاموں کی حیثیت رکھتے ہیں، دونوں ہاتھ، دونوں پاؤں، دونوں آنکھیں، دونوں کان، دونوں لب اور زبان اس بادشاہ کے معاون و مددگار ہیں۔ دونوں ہاتھ دو غلاموں کی طرح ہیں جو ہر وقت اس بات کے لئے تیار ہیں کہ بادشاہ (دل) جس چیز کو لانے کا حکم دے اسے حاضر کر دیں اور جس چیز کو ناپسند کرے اسے ہٹا دیں۔ دونوں پاؤں سواری کی طرح ہیں جو بادشاہ کو اٹھائے ہوئے ہیں۔ دونوں آنکھیں نگرانی کر رہی ہیں کہ ملک میں جو کچھ ہو رہا ہے اس پر نظر رکھیں۔ دونوں کان بادشاہ کے لئے نقیب ہیں جو ملک کے حالات و معاملات کو سن کر بادشاہ کو باخبر کرتے رہیں۔ دل جو اس ملک کا بادشاہ ہے وہ جلد باز نہیں بلکہ صابر ہے۔ وہ جلدی میں کوئی کام نہیں کرتا ہے بلکہ جب دونوں نقیبوں سے وہ کوئی بات سنتا تو کچھ غور و فکر کرتا ہے اس کے بعد اس کا ترجمان یعنی زبان جو اپنا فرمان نافذ کرتا ہے۔ زبان ان دونوں نقیبوں کی ترجمانی بھی کرتی ہے۔ دو کلاموں میں امتیاز پیدا کرنے میں دانت معاون بنتا ہے۔ ناک دو دروازوں کی طرح ہے۔ اگر ناپسند بو اندر جانا چاہتی ہے تو دونوں دربان دروازہ بند کر دیتے ہیں تاکہ ناپسند بو بادشاہ کے حریم خاص تک نہ پہنچ سکے مگر جب تک بادشاہ حکم نہ دے۔ اس بادشاہ کی مملکت میں ثواب بھی ہے اور عذاب بھی۔ خوشی و مسرت ثواب ہے اور غم عذاب۔ دونوں کے اثرات چہرہ سے ظاہر ہو جاتے ہیں۔ ثواب کی حالت میں چہرہ سرخ ہو جاتا ہے اور عذاب کی حالت میں زرد۔

بصرہ میں آپ کی تشریف آوری

واقعات و حکایات بیان کرنے والوں نے کہا ہے کہ حضرت امام علی رضا کا پہلا مسکن بغداد میں تھا جب خلیفہ وقت کی دشمنی بڑھ گئی تو آپ آدھی رات میں اٹھے اور اپنی اہلیہ محترمہ کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا اپنی

---

[1] اردو کے مشہور شاعر آتش نے اسی مضمون کو اپنے شعر میں یوں پیش کیا ہے

بدن سا شہر نہیں دل سا بادشاہ نہیں حواس خمسہ سے بہتر کوئی سپاہ نہیں

آنکھیں بند کرو۔ انہوں نے اپنی آنکھ بند کی اور ایک لمحہ میں طوس کے نزدیک ایک بیابان میں چنار کے درخت کے نیچے پہنچ گئے جو برسوں سے سوکھا ہوا تھا، اب اس مقام کو مشہد امام علی رضا کہتے ہیں۔ بغداد سے طوس کی یہ دوری چار مہینے میں طے کی جا سکتی ہے۔ آپ کے قدم مبارک کی برکت سے چنار کا وہ درخت تروتازہ ہوگیا، ہری بھری پتیاں نکل آئیں اور چنار کا یہ درخت آج تک اسی طرح تروتازہ ہے۔ جب آپ کا قدم مبارک وہاں پہنچا تو اس مقام پر ایک چرواہا بکریاں چرا رہا تھا۔ وہ قریب آیا تو دیکھا کہ برسوں سے سوکھا چنار تروتازہ ہے۔ اور اس درخت کے نیچے ایک شخص بیٹھے ہیں جن کی منور اور تابناک پیشانی پورے جنگل کو روشن و شاداب کر رہی ہے۔ یہ سب دیکھ کر اسے بے انتہا حیرت ہوئی۔ آپ کی عظمت و بزرگی کے خوف سے اس کو کچھ کہنے کی ہمت نہ ہوئی۔ آپ نے اس چرواہے سے فرمایا کہ تھوڑا سا دودھ قیمتاً دے دو۔ چرواہے نے کہا کہ یہ سب بکریاں ابھی چھوٹی ہیں اور دودھ دینے والی نہیں ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ وہ بکری جو تمہاری ملک ہے لے کر آؤ۔ چرواہے نے ایک بکری حاضر کی۔ آپ نے اس بکری کی پیٹھ پر اپنا دست مبارک پھیر دیا، وہ بکری اسی وقت دودھ دینے کے لائق ہوگئی۔ وہاں پر کوئی برتن نہیں تھا جس میں دودھ دوہا جاتا، آپ نے ایک پتھر اٹھایا وہ موم کی طرح نرم ہوگیا۔ اس کو پیالہ کی شکل میں تبدیل کیا۔ اسی میں دودھ دوہا گیا۔ تھوڑا سا دودھ خود رکھا باقی سب چرواہے کو دے دیا۔ پھر اس چرواہے سے پانی مانگا۔ چرواہے نے کہا کہ پانی اس جگہ نہیں ہے اور اس نے ایک پہاڑ کی طرف اشارہ کرکے بتایا کہ وہاں پانی مل سکتا ہے اسلئے کہ اس جگہ ایک چشمہ ہے۔ آپ نے اس چشمہ کی طرف ہاتھ بڑھایا اور پھر اپنے ہاتھ کو اس طرح اپنی طرف کھینچا جیسے کوئی چیز کھینچ رہے ہوں۔ تھوڑی ہی دیر میں پانی کا وہ جھرنا آپ کے قدموں میں گرنے لگا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ چشمہ آج تک جاری ہے۔ اور لوگ اس سے اپنی پیاس بجھاتے ہیں۔ جب اس چرواہے نے یہ عجیب و غریب واقعات دیکھے تو طوس جاکر لوگوں کو سارا حال بتایا۔ لوگ آپ کی قدم بوسی کے لئے دوڑ پڑے۔ شہر طوس کے اشراف اور حکام نے آپ سے شہر منتقل ہونے کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا کہ جس کو مجھ سے محبت ہے وہ یہیں آجائے اور اسی کو اپنا مسکن بنالے۔ جن کی قسمت میں اللہ تعالیٰ نے سعادت و نیک بختی لکھی تھی انہوں نے اس کام میں تیزی دکھائی اور آپ کی پناہ میں آگئے۔ جو لوگ شہر سے منتقل ہو کر حضرت کے سایہ عاطفت میں پناہ گزیں ہوئے ان کو شہر سے اپنا مال و اسباب لانا مشکل ہوگیا۔ جب لوگوں نے آپ کو یہ بات بتائی تو آپ نے اپنی کرامت سے ان تمام مال و اسباب کو طوس سے مشہد منگوالیا اور لوگ آہستہ آہستہ مشہد آنے لگے۔ اسی کو اپنا مسکن

بنالیا۔ یہاں تک کہ طوس کی آبادی بہت کم رہ گئی اور مشہد ہی ایک شہر بن گیا۔ اس مقام کو مشہد امام علی رضا کہنے کی وجہ یہی ہے کہ یہ جگہ حضرت امام علی رضا کے ظہور فرمانے کی ہے۔ واللہ اعلم

حضرت امام علی رضا کے مناقب اور آپ کے ذریعہ بیان کردہ طریقت کے نکات اور حقیقت کے حقائق اس قدر ہیں کہ وہ سب اس علاقہ میں نہیں پہنچ سکے۔ آپ کے مناقب کو بیان کرنا زبان و دل کی پہنچ سے باہر ہے۔ جن کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جزئیت اور نسبت حاصل ہے اُن کی عظمت و بزرگی کا اندازہ بشر کیا لگا سکتا ہے۔ اور کیا تعریف کر سکتا ہے۔ انسان کی عقل و سمجھ میں جہاں تک باتیں آسکتی ہیں آپ کے مناقب اس سے کہیں آگے ہیں۔

رضا کی وجہ تسمیہ

آپ کو رضا اس لئے کہا جاتا ہے کہ آپ ہر وقت اللہ کی رضا میں مستغرق رہتے، زمانہ کے مصائب والام کو اپنی حق میں نظر سے شہد و شکر سمجھتے۔

ولادت اور عمر

مدینہ پاک میں ۱۵۱ ہجری میں آپ کی ولادت ہوئی اور انچاس سال کی عمر پائی۔

والدہ محترمہ

آپ کی والدہ محترمہ ام البنین تھیں، ایک روایت میں والدہ کا نام حیدر یہ آتا ہے جو ام الولد تھیں۔

اولاد

آپ کے صاحبزادگان محمد تقی، موسیٰ، حسن اور حسین تھے اور فاطمہ وسکینہ صاحبزادیاں تھیں۔

شہادت

۲۰۰ ہجری میں طوس میں آپ کی شہادت ہوئی۔ ہارون رشید کے بیٹے مامون نے آپ کو زہر دلوا دیا تھا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

مزار اقدس پر کرامت کا ظہور

آپ کے مزار اقدس پر یاقوت اور قیمتی جواہرات لگائے گئے تھے۔ زائرین میں سے کسی نے اپنے دانت سے پکڑ کر جواہرات کو نکالنا چاہا بھر کیا تھا، اس بے ادبی سے غیرت الہی کو جوش آ گیا۔ اس کا دانت جواہرات سے چپک گیا۔ الگ کرنے کی بہت کوشش کیگئی مگر کامیابی نہیں ملی۔ آخر اس کے دانت توڑ دیئے گئے۔ اس روز سے آپ کے مزار پر انوار کے چاروں طرف ہفت جوش[1] کی جالی لگا دی گئی۔ جو آپ کی زیارت کے لئے جاتا ہے وہ ہاتھ آگے بڑھا کر مزار کی پٹیں چھو کر چوم لیتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جس کی مدت حیات ایک سال سے کم رہ جاتی ہے اسکا ہاتھ دراز ہونے کے باوجود آپ کے مزار مبارک کے غلاف تک نہیں پہنچتا ہے۔ اس طرح کی کرامتیں اللہ والوں سے اور خاص طور پر آل رسولؐ سے صادر ہوں اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں۔ اس طرح کی کرامتوں کا ظہور ان حضرات سے بار ارادہ نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالی اپنی مشیت و مرضی سے ظاہر فرماتا ہے تاکہ لوگ ان حضرات کی عظمت و بزرگی سے فیضیاب ہوں۔

اس شجرہ مبارکہ میں حضرت امام علی رضا کے تذکرہ پر فرزندان رسول کا تذکرہ مکمل ہوا۔ اس شجرہ پاک کی ایک فضیلت یہ بھی ہے کہ اس شجرہ میں چھ آل رسولؐ شامل ہیں۔ الحمد لله علی ذلک

اللهم صلی علی محمد و آل محمد

---

[1] ہفت جوش کی تفصیل میں ... پر درج ہے۔

ذکر

حضرت خواجہ معروف کرخیؒ

خداوندا بشوق پیر موصوف

رئیس کرخ عرفان خواجہ معروف

آداب والقاب

چشمہ روضۂ رضا، پروردۂ علی ابن موسیٰ رضا ساری جماعتوں میں مقبول لطائف ومحاسن کے لئے مخصوص، نسیم وصال کے ہمدم، حریم حلال کے محرم، میدان عشق کے مرد، ایوان تقویٰ کے فرد یفعل اللہ ما یشاء کے کارخانہ کے اعلیٰ نمونہ، لیس عند ربی صباح و لا مساء[1] کے آشیانہ کے شہباز گردش لیل ونہار سے بے نیاز حضرت خواجہ ابو محفوظ معروف ابن فیروز کرخی علیہ الرحمۃ والغفران کا شمار بغداد کے بزرگ ترین مشائخ اور مستجاب الدعوۃ حضرات میں ہوتا ہے کرخ بغداد کا ایک محلہ تھا اور یہیں آپ کی قیام گاہ تھی۔ آپ اپنے زمانہ کے اصحاب طریقت میں معظم ارباب حقیقت کے پیشوا، محبین حق کے سردار اور عارفوں کے مقتدا تھے۔ کہا جاتا ہے کہ اگر معروف نہ ہوتے تو عارف کا وجود بھی نہ ہوتا۔ آپ کی کرامتیں اور ریاضتیں بہت زیادہ ہیں۔ حضرت علی ابن موسیٰ رضا سے فیض صحبت رکھتے۔

آپ کے طفیل والدین کا قبول اسلام

آپ کے والدین ترسا یعنی عیسائی تھے۔ جب آپ کو پڑھنے کے لئے استاد کے پاس بھیجا گیا اور استاد نے ثالث ثلٰثہ پڑھنے کے لئے کہا تو انہوں نے انکار کر دیا اور کہا کہ بل ھو اللہ الواحد استاد اور والدین تین خدا کہنے کے لئے جس قدر زور دیتے آپ اتنا ہی انکار کرتے، اور کہتے نہیں نہیں، خدا صرف ایک ہے۔ جب ان لوگوں کی بات کا ان پر کوئی اثر نہ ہوا تو ایک روز ان کی سخت پٹائی کر دی گئی۔

---

1. یعنی ایسی صبح وشام گزرنے والے جس وقت وہ ہوتے اور ان کا رب ہوتا کوئی دوسرا نہ ہوتا۔

اور حضرت معروف گھر چھوڑ کر بھاگ گئے۔ بہت تلاش کے بعد بھی کوئی پتا نہیں چلا۔ آپ کے والدین نے کہا کاش معروف آجاتے اور وہ جس مذہب پر ہوتے ہم لوگ اسی مذہب کو اختیار کر لیتے۔ ادھر حضرت معروف گھر سے بھاگ کر حضرت امام علی رضا کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گئے اور بہت دنوں تک ان کی خدمت میں رہے۔ حضرت امام علی رضا بھی ان کی بہت تعریف کرتے اور عزیز رکھتے۔ کچھ عرصہ کے بعد گھر آئے، دروازہ پر دستک دی۔ اندر سے آواز آئی کون ہے؟ آپ نے فرمایا معروف پھر سوال ہوا کس مذہب پر ہو؟ کہا حضور محمد ﷺ کے مذہب پر۔ یہ سن کر آپ کے والدین اسی وقت مسلمان ہو گئے۔ پھر آپ حضرت داؤد طائی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہاں رہ کر بہت زیادہ ریاضت و مجاہدہ کیا۔ دن رات عبادت میں مشغول رہتے اور صدق میں ایسا قدم رکھا کہ آپ کی مثال دی جاتی ہے۔ جوانمردی و جانبازی کے لئے بھی آپ مشہور ہیں۔

جوانمردوں کی تین علامتیں

آپ نے فرمایا للفتیان ثلث علامات وفاء بلا خلاف و مدح بلا جود و عطاء بلا سوال جوانمردوں کی تین علامتیں ہیں۔ پہلی علامت یہ ہے کہ اس میں ایسی وفا ہو جس کی خلاف ورزی نہ ہو، دوسری علامت یہ ہے کہ بغیر کسی بخشش کے تعریف کرنے والا ہو اور تیسری علامت یہ ہے کہ طلب کے بغیر دینے والا ہو۔ وفا بلا خلاف کا مطلب یہ ہے کہ بندگی کے وقت بندہ مخالفت حق اور گناہوں کو اپنے اوپر حرام کرلے، مدح بلا جود یہ ہے کہ جس شخص میں کسی طرح کی اچھائی نہ ہو اس کی تعریف کرے، اور عطاء بلا سوال یہ ہے کہ جب اللہ نے کچھ عطا فرمایا تو اس کو دینے میں کسی طرح کا فرق پیدا نہ کرے۔ جب کسی حاجتمند کی حاجت معلوم ہو گئی تو سوال کرنے سے پہلے اس کو دے دے۔

حسن اخلاق

آپ کے مناقب اس قدر ہیں کہ ان کو بیان کرنا اور تحریر میں لانا کوئی آسان نہیں۔ حسن اخلاق میں بھی آپ بلند شان رکھتے تھے۔ اپنا واقعہ خود بیان کرتے ہیں کہ ایک بار میں دجلہ میں غسل کرنے گیا اور طہارت کے خیال سے قرآن مجید اور جائے نماز کو دریا کے کنارے رکھ دیا۔ ایک بوڑھی عورت آئی اور یہ دونوں چیزیں لے کر جانے لگی۔ میں نے اس کا پیچھا کیا اور جب اس کے قریب پہنچا تو اپنی نگاہوں کو نیچی

کر لیا تا کہ اس پر ان کی نگاہ نہ پڑے اور اس سے کہا کہ تمہارے یہاں قرآن پڑھنے والی کوئی لڑکی[1] ہے۔ اس نے جواب دیا کہ نہیں۔ تب میں نے اس سے کہا یہ قرآن مجھے دے دو اور مصلی تم رکھ لو۔ وہ عورت آپ کی اس حلم و بردباری کو دیکھ کر کھل اٹھی، شرمندہ ہو گئی اور دونوں چیزوں کو وہیں چھوڑ کر چلی گئی۔

نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

آپ تمام علوم میں لوگوں کے لئے پیشوا اور عظیم دانشمند تھے۔ ایک روز مریدوں کے ساتھ کہیں جا رہے تھے، چند جوانوں کو لہو ولعب اور عیش وطرب میں مشغول پایا۔ جب دجلہ کے کنارے پہنچے تو آپ کے ساتھیوں نے کہا، یا شیخ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ اس پوری جماعت کو غرقاب کر دے تا کہ ان کی نحوست ان ہی کے ساتھ ختم ہو جائے۔ آپ نے فرمایا آپ لوگ بھی دعا کے لئے ہاتھ اٹھائیں اور پھر یوں دعا کی:

"اے اللہ جس طرح اس دنیا میں ان لوگوں کو عیش وعشرت عطا فرمائی ہے اسی طرح اس جہاں میں بھی عیش ومسرت سے ہمکنار فرما۔"

سارے لوگ یہ دعا سن کر حیرت میں پڑ گئے اور عرض کیا حضور! اس دعا کا راز سمجھ میں نہ آیا۔ آپ نے فرمایا ٹھہر یئے۔ انتظار کیجئے، دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ ان جوانوں کی نظر جب شیخ پر پڑی آلات موسیقی توڑ کر اور شراب کو پھینک کر روتے ہوئے حاضر ہوئے، شیخ کے قدموں میں گر گئے اور توبہ سے مشرف ہوئے۔ اس کے بعد آپ نے اپنے مریدوں سے فرمایا دیکھ لیا آپ لوگوں نے بغیر تکلیف پہنچائے اور بغیر غرق کئے ہوئے سب کی مراد پوری ہو گئی۔ اور یہ لوگ راہ راست پر آ گئے۔

یتیم کی دلجوئی

حضرت سری سقطیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے عید کے روز حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کو خرما چنتے ہوئے دیکھا۔ میں نے کہا حضرت آپ یہ کیا کر رہے ہیں؟ فرمایا کہ میں نے کل ایک یتیم بچہ کو روتے ہوئے دیکھا۔ جب اس سے رونے کی وجہ دریافت کی تو اس نے کہا میں یتیم ہوں۔ ماں باپ کے

---

[1] کنیز۔ رس ملوکہ و پرستار زنان و بمعنی دختر بکر و دوشیزہ نیز آمدہ و لڑکی ہاں۔ غیاث اللغات: ص ۳۰۹

سامنے سے محروم ہوں۔ دوسرے بچوں کے پاس نئے نئے کپڑے ہیں۔ اور میرے پاس کپڑا نہیں ہے۔ اس کا یہ جواب سن کر میں خرما کے دانے چن رہا ہوں۔ اسے بیچ کر اس یتیم بچہ کے لئے کپڑے خریدوں گا اور اس کے دامن کو اخروٹ سے بھردوں گا تاکہ یہ بھی دوسرے بچوں کی طرح ہنسی خوشی کھیلے کودے۔

حضرت سری سقطی فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا حضرت اس کام کے لئے آپ تکلیف نہ اٹھائیں اس کام کی ذمہ داری میں لے لیتا ہوں۔ پھر اس بچہ کو لے کر گیا، کپڑا پہنایا، اخروٹ خرید کر دیا اور اس کے دل کو خوش کر دیا۔ پھر تو میرے دل کی حالت ہی بدل گئی۔ اسی وقت دل میں ایک نور پیدا ہو اور میری حالت میں ترقی ہونے لگی۔

اجابت دعا کے لئے آپ کا وسیلہ

حضرت سری سقطی فرماتے ہیں کہ ایک روز خواجہ معروف میری طرف مخاطب ہوئے اور فرمایا اذا کانت لک حاجة الی الله فاقسم علیه لی ۔ جب تمہیں خدا سے کوئی حاجت ہو تو میری قسم دے کر اپنی درخواست پیش کرو۔ تمہاری حاجت[1] پوری ہوگی۔

شفقت علی الخلق اور اس کا صلہ

ایک دن آپ روزہ دار تھے نماز ظہر کے وقت بازار تشریف لے گئے۔ سقہ یعنی پانی پلانے والا صدا لگا رہا تھا رحم الله من شرب الله تعالیٰ اس بندہ پر اپنی رحمت فرمائے جو اس پانی کو پی لے۔ آپ نے اس شخص سے پانی لیا اور پی گئے۔ لوگوں نے کہا یا شیخ کیا آپ روزہ دار نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں روزہ تو رکھا ہے لیکن کیا کروں اس کی دعا پسند آگئی اور پانی پی لیا۔ خواجہ معروف کی وفات کے بعد لوگوں نے آپ کو خواب میں دیکھا تو پوچھا حضور! یہ تو بتائیے کہ خدا نے آپ کے ساتھ کیسا معاملہ کیا آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس پانی پلانے والے کی دعا کے صدقہ میں اپنی رحمت سے نوازدیا۔

آخری تمنا

جب آپ مرض الموت میں تھے لوگوں نے عرض کیا حضور کچھ وصیت فرمائیں۔ آپ نے کہا سنو

---

[1] حضرت مخدوم جہاں نے بھی مکتوبات صدی کے مکتوب نمبر ۸۹ میں حصول مقصد کے لئے ایک نماز بتائی ہے جس میں بعد نماز حضرت خواجہ معروف کرخیؒ کے وسیلے سے دعا مانگنے کا طریقہ بتایا ہے۔

جب میں اس دنیا سے چلا جاؤں تو میرے جسم پر جو لباس ہے اسے بھی صدقہ کر دو گے تاکہ جس طرح اس دنیا میں خالی ہاتھ آیا ہوں اسی طرح واپس بھی جاؤں۔

وفات

بغداد میں ۲۰۴ ہجری میں آپ کی وفات ہوئی۔ آپ کے مزار مبارک کی خاک بیماروں کے لئے خاک شفا اور تریاق کا کام کرتی ہے۔ یہ لوگوں کا آزمودہ ہے۔

لقائے مولیٰ کی طلب

حضرت خواجہ سری سقطیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے شیخ معروف کرخی کو خواب میں دیکھا کہ عرش کے نیچے بے ہوش پڑے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے پوچھا کہ یہ کون ہے۔ فرشتوں نے جواب دیا کہ خداوندا تو ہی بہتر جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کہا یہ تو معروف ہے جو میری محبت میں دیوانہ ہو رہا ہے۔ جب تک اس کو میرا دیدار حاصل نہیں ہوگا، ہوش میں نہیں آ سکتا۔ یہ تو میری لقا کے لئے ایسا گم ہے کہ اسے اپنی بھی خبر نہیں۔

آپ کے فضائل و کرامات اس قدر ہیں کہ ان کو بیان نہیں کیا جا سکتا۔

ذکر

حضرت خواجہ سری سقطیؒ

حداوسدا مشوق سروری بود
سری کامدر رہ بینش سری بود

آداب والقاب

حقیقتوں کو جاننے والے، صدق کے ساتھ عمل کرنے والے مقامات کی رہنمائی کرنے والے، کرامت کی نشان دہی فرمانے والے، عالم جبروت کے اسرار کو جاننے والے، علم وحکمت کے خزانہ، بردباری اور پاکبازی میں یگانہ، ملک وملکوت کے آفتاب، تمام عرب وعجم کے سنیوں کے امام شیخ ابوالحسن سری ابن معلس سقطی۔ اللہ تعالیٰ آپ کے مزار مبارک کو معطر فرمائے۔ آپ صوفیوں کے پیشوا اور اکابر مشائخ میں ہیں۔ زہد وتقویٰ میں آپ کی بلند شان رہی۔ مقامات کی ترتیب اور احوال کے شرح وسط میں آپ ہی نے سب سے پہلے غور فرمایا۔ ہر طرح کے علوم میں آپ کو کمال حاصل تھا۔ رموز واشارات میں آپ اپنے وقت کے امام تھے، بغداد میں آپ ہی نے سب سے پہلے فن تحقیق اور علم توحید پر گفتگو کی۔ آپ حضرت جنید بغدادیؒ کے ماموں اور استاد تھے اور عراق کے بیشتر مشائخ آپ ہی کے مرید تھے اور آپ خود حضرت معروف کرخیؒ کے مرید تھے، اور حضرت حبیب راعی کا زمانہ بھی پایا ہے۔

سقطی کہنے کی وجہ

آپ کو سقطی اس لئے کہا جاتا ہے کہ ابتدائے زندگی میں بغداد کے بازار میں سقط فروشی کرتے تھے اور سقط ردی سامان کو کہتے ہیں، یعنی ردی سامان فروخت کرتے تھے۔

دل بیار، دست بکار

جس زمانہ میں آپ کی دکان بغداد کے بازار میں تھی اس زمانہ میں آپ کا یہ حال تھا کہ اپنی دکان

پر پردہ گرا دیتے اور روزانہ ہزار رکعتیں نماز ادا کرتے۔ کوہ لبنان سے ایک شخص آپ کی ملاقات کے لئے آئے، پردہ ہٹا کر سلام پیش کیا اور کہا کہ فلاں نے آپ کو سلام پیش کیا ہے جو کوہ لبنان میں رہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ وہ کوہ لبنان میں قیام پذیر ہیں یہ کوئی کارنامہ نہیں ہے، مریدی تو یہ ہے کہ بازار میں رہتے ہوئے حق سبحانہ تعالیٰ کے ساتھ رہنا چاہئے، اور ایک لمحہ کے لئے بھی حق سبحانہ تعالیٰ سے غفلت نہ ہو۔

صفتِ بے نیازی

ایک بار بغداد میں آگ لگ گئی لوگوں نے آپ سے کہا کہ آپ کی دکان بھی جل گئی۔ آپ نے فرمایا جلنے دو مجھے کوئی فکر نہیں۔ جب لوگوں نے تحقیق کی تو دیکھا آپ کی دکان بالکل محفوظ ہے۔ اس کے بعد آپ کے پاس جو کچھ تھا سب فقرا میں تقسیم کر دیا اور تصوف کی راہ اختیار کر لی۔

حبیب راعی کی دعاء کا اثر

ایک بار لوگوں نے آپ سے دریافت کیا کہ شروع میں آپ کا کیا حال تھا؟ آپ نے فرمایا کہ ایک روز حضرت حبیب راعیؒ میری دکان کی طرف آئے میں نے آپ کو کچھ چیزیں پیش کیں اور عرض کیا اسے درویشوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ حضرت حبیب نے فرمایا جزاک اللہ اللہ تمہیں منتخب کر لے۔ اس روز سے خدا نے میرے دل کی حالت ہی بدل دی، دنیا میرے لئے سرد ہو گئی۔

معروف کرخی کی دعاء کا ثمرہ

فرماتے ہیں کہ ایک روز خواجہ معروف کرخی ایک یتیم بچہ کو لے کر آئے اور فرمایا اس بچہ کو کپڑا پہنا دو۔ میں نے اس کو کپڑا پہنا دیا۔ خواجہ معروف نے خوش ہو کر دعا دی کہ اللہ تعالیٰ تم کو دنیا کا دشمن بنا دے اور تمہیں اس کام میں راحت نصیب ہو۔ خواجہ معروف کے فرماتے ہی ان کی دعاؤں کی برکت سے دل کی حالت ہی بدل گئی۔

مجاہدہ اور نفس کشی

حضرت خواجہ سری سقطیؒ نے ریاضت میں جس قدر مبالغہ سے کام لیا ہے کسی دوسرے نے نہیں

یا۔ خواجہ جنید فرماتے ہیں کہ عبادت میں خواجہ سری سقطی سے زیادہ کامل کسی کو نہیں دیکھا۔ اٹھانوے (۹۸) سال تک آپ نے زمین سے پہلو نہیں لگایا ہاں مرض الموت ہی میں بیٹھے۔

خود فرماتے ہیں کہ چالیس سال سے میرا نفس شہد کا مطالبہ کر رہا ہے لیکن آج تک میں نے اس کی خواہش پوری نہیں کی۔

بار بار آئینہ دیکھتے

آپ دن بھر میں کئی بار اس خوف سے آئینہ دیکھتے کہ کہیں گناہوں کی نحوست سے چہرہ سیاہ نہ ہو گیا ہو۔

نفس کی بھلائی اور استغفار

فرماتے ہیں کہ صرف ایک بار الحمدللہ کہنے پر میں تیس (۳۰) سال سے استغفار کر رہا ہوں، اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ ایک بار بغداد میں آگ لگ گئی، ایک شخص دوڑتا ہوا میرے پاس آیا اور اس نے کہا تمہاری دکان محفوظ رہ گئی۔ میں نے کہا الحمدللہ۔ اس وقت سے میں شرمندہ ہوں کہ اپنے نفس کی بھلائی چاہتے ہوئے اس مصیبت سے محفوظ رہنے پر خوشی کا اظہار کیا جس میں اور دوسرے مسلمان مبتلا تھے۔

بلند ہمتی

آپ نے ایک بار فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ دوسروں کو جو غم اور دکھ مصیبت ہے وہ سب کا سب میرے دل پر نازل ہو جائے تاکہ دوسرے لوگ اس سے محفوظ ہو جائیں۔

محبت حق

آپ غم اور درد و الم کے سمندر تھے، اور محبت میں بلند مقام رکھتے تھے۔ حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ ایک روز حضرت سری سقطیؒ نے مجھ سے سوال کیا کہ محبت کسے کہتے ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ کچھ لوگ موافقت کو محبت کہتے ہیں، بعض لوگوں نے ایثار کو محبت کہا ہے اسی طرح لوگوں نے الگ الگ تعریفیں کی ہیں۔ اس وقت حضرت سری سقطیؒ نے اپنے بازو کے چمڑے کو پکڑا اور اسے کھینچا لیکن

چڑا ہڈی سے اس طرح چپک گیا کہ وہ کھینچ نہ سکا۔ پھر آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی عزت وجلال کی قسم اگر میں یہ کہوں کہ یہ چڑا اس کی محبت میں خشک ہو کر چپک گیا ہے تو غلط نہ ہوگا۔ یہ کہہ کر آپ بیہوش ہو گئے۔ اور آپ کا چہرہ اور جو گندمی رنگ کا تھا اس وقت چودھویں رات کے چاند کے طرح چمکنے لگا۔

اللہ اپنے فقرا کو جبرئیلؑ سے بھی پوشیدہ رکھتا ہے

حضرت خواجہ جنید فرماتے ہیں کہ ایک رات میرے سر میں یہ تقاضا پیدا ہوا کہ مسجد شونیزیہ چلا جائے اور میں مسجد کے لئے روانہ ہو گیا۔ جیسے ہی اس کے دروازہ پر پہنچا ایک خوفناک شخص کو دیکھ کر میں ڈر گیا، اس نے کہا اے جنید! کیا مجھ سے ڈر رہے ہو؟ میں نے کہا ہاں! اس نے کہا اگر تمہیں خدا کی معرفت حاصل ہوتی تو اس کے غیر سے خوفزدہ نہیں ہوتے۔ میں نے پوچھا تو کون ہے؟ اس نے کہا ابلیس! میں نے کہا کہ میں تجھے دیکھنا ہی چاہتا تھا، اس نے کہا جتنی دیر تم نے مجھے یاد کیا اتنی دیر تک خدا سے غافل رہے اور تمہیں اس بات کی خبر بھی نہیں ہوئی آخر تم مجھے کس مقصد سے دیکھنا چاہتے تھے؟ میں نے کہا میں تجھ سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ فقرا پر تمہاری دسترس ہوتی ہے یا نہیں؟ اس نے کہا نہیں! میں نے پوچھا آخر ایسا کیوں؟ اس نے کہا میں جب اس دنیا میں ان کو پکڑنا چاہتا ہوں تو وہ عقبیٰ کی طرف بھاگتے ہیں اور جب عقبیٰ میں ان کا پیچھا کرتا ہوں تو وہ مولیٰ کی طرف دوڑ جاتے ہیں اور وہاں تک میری پہنچ نہیں۔ میں نے پوچھا اچھا یہ تو بتاؤ کہ تمہاری دسترس ان پر نہیں ہوتی لیکن ان کو دیکھ سکتے ہو یا نہیں؟ اس نے جواب دیا کہ جب وہ مجلس سماع میں ہوتے ہیں اور وجد میں آتے ہیں تو میں یہ سمجھ جاتا ہوں کہ ان کا وجد کس مقام سے ہو رہا ہے اور ان کی کیفیت کہاں سے پیدا ہو رہی ہے یہ کہہ کر وہ ملعون غائب ہو گیا۔ میں جب مسجد میں داخل ہوا تو خواجہ سری سقطیؒ کو مسجد کے ایک کونہ سے نکلتے ہوئے دیکھا انہوں نے فرمایا خدا کے اس دشمن نے جو کچھ کہا وہ سراسر جھوٹ ہے یہ فقرا اللہ کے ایسے محبوب ہیں جن کو اللہ تعالیٰ جبرئیلؑ سے پوشیدہ رکھتا ہے تو پھر یہ دشمن خدا کیسے دیکھ سکتا ہے۔

بہشت کی مختصر راہ

حضرت خواجہ جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ ایک روز حضرت خواجہ سری سقطیؒ نے فرمایا کہ مجھے بہشت کی مختصر راہ معلوم ہے۔ میں نے عرض کیا حضرت وہ کون سی راہ ہے؟ آپ نے فرمایا کسی سے کوئی

چیز طلب نہ کرو، اگر کوئی کچھ دے تو قبول نہ کرو اور اپنے پاس کچھ نہ رکھو کہ کسی کو دینا پڑے۔

حیا کی تعریف

حضرت خواجہ جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں حضرت خواجہ سری سقطیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت آپ کا چہرہ متغیر تھا اور پانی کی ایک دھار وہاں پر موجود تھی۔ میں نے جب اس کیفیت کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ پریوں کی جماعت میں سے ایک جوان آیا اور اس نے حیا کے بارے میں جاننا چاہا۔ میں نے جب حیا کی تعریف بتائی تو وہ فوراً پانی بن گیا۔

صبر کی اعلیٰ مثال

ایک دفعہ آپ صبر کے موضوع پر گفتگو کر رہے تھے۔ ٹھیک اسی وقت بچھو نے آپ کو ڈنک مارنا شروع کر دیا۔ آپ نے اس کی طرف ذرا بھی دھیان نہیں دیا۔ جب لوگوں کو یہ بات معلوم ہوئی تو لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ آخر آپ نے اس بچھو کو اپنے پاس سے کیوں نہیں ہٹایا؟ آپ نے فرمایا مجھے اس بات سے شرم آئی اس لئے کہ میں اس وقت صبر پر گفتگو کر رہا تھا۔

آپ کی مناجات

آپ اپنی مناجات میں یوں دعا کرتے: "الٰہی! تیری بڑائی اور معرفت نے مجھ کو تجھ سے مانوس کر دیا ہے ورنہ یہ نفس پیدا نہ ہوتا تو نے مجھے یاد کرنے کا حکم دیا اس سے تیرا نام میری زبان پر آیا ورنہ تیرا مقدس نام اس نجس اور لہو و لعب سے آلودہ زبان پر کیسے آتا۔

آپ یہ دعا بھی کرتے: اللھم ان عذبتنی بشی فلا تعذبنی بذل الحجاب اے خدا! تو مجھے جس طرح کا عذاب دینا چاہتا ہے دے لیکن حجاب کی ذلت و خواری کے عذاب میں مبتلا نہ کر اگر میں حجاب سے محفوظ رہا تو تیرے ذکر و مشاہدہ کے وقت جو بلا بھی نازل ہوگی وہ میرے لئے آسان ہو جائے گی۔ اور اگر حجاب سے محفوظ نہ رہ سکا تو ساری نعمتوں کے رہنے کے باوجود میں ہلاکت کے گڑھے میں ڈال دیا جاؤں گا۔

اگر بندہ بلاؤں کے نازل کرنے والے کے مشاہدہ میں گم ہے تو اس وقت کوئی بلا ملال نہیں۔ ہاں وہ

نعمتیں بد ہیں جو بندہ کو مشاہدہ حق سے حجاب میں ڈال دیتی ہیں۔ دوزخ میں حجاب سے بڑھ کر کوئی سزا نہیں۔ اگر دوزخ میں دوزخیوں کو اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہو جائے تو گنہگار مومنوں کو ہرگز ہرگز جنت کی یاد نہ آئے۔ اس لئے کہ دیدار حق کی لذت روح کو ایسی مسرت بخشتی ہے کہ جسم پر عذاب کی تکلیف کا احساس ہی نہیں ہوتا۔

آپ کی تمنا

حضرت خواجہ سری سقطیؒ فرماتے کہ میں بغداد میں مرنا نہیں چاہتا اس کی وجہ یہ ہے کہ میں اس بات سے خوفزدہ ہوں کہ کہیں بغداد کی زمین مجھے قبول کرنے سے انکار نہ کردے، اور میری رسوائی نہ ہو، اور لوگوں کو مجھ سے جو حسن ظن ہے کہیں وہ بدگمانی میں نہ بدل جائے۔

وصیت

حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ حضرت خواجہ سری سقطیؒ جب بیمار ہوئے تو میں آپ کی مزاج پرسی کے لئے حاضر ہوا اور پنکھا اٹھا کر جھلنے لگا آپ نے فرمایا۔ جنید! پنکھا رکھ دو اس لئے کہ ہوا سے آگ اور تیز ہو جاتی ہے۔ میں نے عرض کیا یہ کیسے؟ آپ نے فرمایا عبداً مملوکاً لا یقدر علیٰ شیءٍ ایسا غلام جو کسی کی ملک ہے اس کو کسی بات کا اختیار نہیں ہوتا۔ پھر میں نے عرض کیا مجھے کچھ وصیت کی جائے۔ آپ نے فرمایا مخلوق کی وجہ سے الگ نہ ہو۔ جنید نے کہا اگر آپ یہ بات پہلے بتا دیتے تو میں آپ کی صحبت میں نہیں رہتا۔

وفات

اس کے بعد حضرت خواجہ سری سقطیؒ واصل بحق ہو گئے۔ آپ کا سنہ وصال ۲۵۷ ہجری ہے۔

ذکر

حضرت خواجہ جنید بغدادیؒ

خداوند ذوق شاہ تلوین
حسن آں سلسلہ سعد تمکین

آداب والقاب

مقتدائی کی بنیاد رکھنے والے، رہنمائی کے اصول و ضابطے میں اجتہاد کرنے والے دلوں کے درمیان ربط رکھنے والے، حقیقتوں کو بیان فرمانے والے عشق و محبت کے بیابان میں گھومنے والے، توحید و معرفت کے دریاؤں میں غوطہ لگانے والے شیخی اور استادی کے تمام قواعد و ضوابط میں مہارت رکھنے والے، قطبیت میں مستحق علیہ مشیخت میں مشار الیہ خواجہ ابوالقاسم جنید بن محمد بغدادی نور اللہ مرقدہ اپنے وقت کے شیخ المشائخ اور ایسے امام تھے جن کی امامت پر سب کو اتفاق رہا یہاں تک کہ ارباب تصوف آپ کو "سید الطائفہ" کہتے اور سید المشائخ لکھتے۔ معاملات، ریاضت اور اشارات میں آپ ایسے کامل تھے اور آپ کے کلمات اتنے بلند ہیں کہ اپنے عہد میں آپ کو سب پر فوقیت حاصل رہی۔ ارباب دل اور ارباب طریقت میں آپ ایسے مقبول رہے کہ سب لوگ آپ کو "لسان القوم" اور "سلطان المحققین" کے لقب سے یاد کرتے۔ علوم ظاہر کے تمام اصول و فروع میں آپ کو کمال حاصل تھا۔ آپ ہی کے مذہب کے مطابق فتویٰ دیتے۔ آپ کی امامت اور اقتداء سے علمائے ظواہر بھی اتفاق کرتے اور آپ کو "طاؤس العلماء" کہا جاتا۔ آپ کی تصانیف تمام دلشان ہیں اور احوال و مقامات کے بیان میں آپ کے کلمات بکثرت نقل کیے گئے ہیں۔ آپ کے معاصرین میں جتنے علماء اور مشائخ تھے سب آپ ہی کی طرف رجوع کرتے۔ شروع سے آخر تک آپ علماء اور مشائخ کے درمیان محمود و مقبول رہے اور سب آپ کی تعریف کرتے رہے۔ طریقت سے متعلق آپ نے جو کچھ فرمایا وہ مدلل ہے اور لوگوں نے اس کو اپنے لئے دلیل بنایا ہے۔ آپ کے کلام پر کسی نے اعتراض نہیں کیا۔ آپ کے بعد بھی بغداد کے اکثر مشائخ نے آپ ہی کے مذہب اور روش کو اختیار فرمایا ہے۔

آپ کا مسلک

شیخ علی عثمان ہجویری کشف المحجوب کے باب فرق فرقهم فی مذاهبهم میں تحریر فرماتے ہیں کہ "جنیدیوں کی نسبت عقیدت کے مرکز ابو القاسم جنید بن محمد ہیں جو اپنے عہد میں علماء کی العلماء کہے جاتے، آپ سید الطائفہ یعنی گروہ صوفیاء کے سردار اور ان کے اماموں کے امام تھے آپ کا طریقہ طیفوریوں کے برعکس صحو پر رہا، آپ کا مذہب (مسلک) تمام مسلکوں میں سب سے مشہور و معروف ہے اور تمام مشائخ جنیدی ہیں۔

طریقت میں جتنے مسلک ہیں سب میں مشہور و معروف آپ ہی کا مسلک رہا۔ اور جو شہرت سارے عالم میں آپ کے مسلک کو حاصل ہوئی اور کسی کو نہیں ہوئی سب سے پہلے آپ ہی نے توحید کے رموز اور اشارات کے علم کو مدون کیا اور لوگوں تک عام کیا۔

علم توحید کا انکشاف اور قتل کا شاہی فرمان

جب علم توحید اور وحدت کی آواز سب سے پہلے آپ کی جانب سے بلند ہوئی تو لوگوں نے خلیفہ وقت سے جا کر کہا کہ کچھ لوگ ایسے ہیں جو طریقت بکتے ہیں اور ان کو قتل کر دینے میں بہت ثواب ہے، خواجہ جنید خواجہ شبلی، خواجہ ابوالحسن نوری اور دوسرے صوفیائے کرام گرفتار کر کے خلیفہ کے دربار میں لائے گئے، خلیفہ نے ان حضرات کے قتل کا حکم صادر کر دیا۔ یہ لوگ قتل کے لئے جلاد کے سامنے پیش کئے گئے، جلاد نے ان میں سے جب ایک کو قتل کرنا چاہا اور تلوار اٹھائی تو دوسرے سامنے آ گئے اور قتل کے لئے اپنی گردن پیش کی اور کہا کہ پہلے میری گردن اڑاؤ۔ جلاد نے کہا کہ یہ کیا حرکت ہے تلوار سے کھیلا کرتے ہو اور بہادری دکھا رہے ہو، انہوں نے کہا یہ دلیری نہیں ہے بلکہ ایثار ہے جو میں اپنے بھائی کے لئے کر رہا ہوں اور ہم لوگوں کو جو کچھ حاصل ہوا ہے اسی ایثار کا صدقہ ہے۔ جلاد ان لوگوں کے احوال اور روش کو دیکھ کر حیرت میں پڑ گیا، اور خلیفہ کے پاس جا کر سارا حال بیان کیا اور کہا کہ جب ان لوگوں کا یہ حال ہے تو بغیر تحقیق کے قتل نہیں کیا جائے، پہلے اچھی طرح حقیقت معلوم کر لی جائے۔

عوام، خواص اور اخص الخواص کی زکوٰۃ

اب خلیفہ نے حاکم (قاضی) کو بلایا اور کہا کہ پہلے ان پر الزام عائد کیا جائے پھر انہیں قتل کیا

ولادت اور تعلیم و تربیت

آپ نے حضرت حارث محاسبیؒ[1] کا زمانہ پایا ہے اور خواجہ سری سقطیؒ کے بھانجے اور مرید ہیں۔ آپ نہاوند کے رہنے والے ہیں۔ آپ کے والد کو خراز کہا جاتا ہے۔ اس لئے کہ خراز پیوند لگانے والے کو کہتے ہیں۔ عراق میں آپ کی ولادت ہوئی اور بغداد میں نشوونما پائی۔ بچپن سے آپ پر درد و اندوہ کی کیفیت طاری رہتی۔ آپ باادب اور خوش فکر تھے۔ آپ کی ذہانت و فراست قابل حیرت تھی۔ آپ کی ذہانت و دیانت دیکھ کر ہی حضرت خواجہ سری سقطیؒ نے پوری رغبت و میلان کے ساتھ آپ کو قبول کر لیا تھا دل سے چاہتے اور ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتے۔

شکر کی تعریف پر چار سو مشائخ کی تحسین

حضرت خواجہ جنید سات سال کی عمر میں حضرت خواجہ سری سقطیؒ کے ساتھ حج کے لئے گئے۔ مسجد حرام کے دروازے پر چار سو مشائخ کا مجمع تھا اور شکر کے موضوع پر گفتگو ہو رہی تھی۔ سارے بزرگوں نے الگ الگ معانی بیان کئے۔ اس طرح چار سو تعریفیں سامنے آئیں۔ خواجہ سری سقطی نے جنید سے کہا تم بھی اس موضوع پر کچھ کہو۔ جنید نے کہا "شکر یہ ہے کہ جو نعمتیں خدا نے عطا فرمائی ہیں ان کو گناہ کے کاموں میں نہ لگائیں اور ان کو معصیت کی پونجی نہ بنائیں" حضرت جنید کی زبان سے شکر کی یہ تعریف سن کر سارے بزرگوں نے کہا احسنت یا قرۃ عین الصدیقین اے صدیقوں کی آنکھ کی ٹھنڈک تم نے بہت خوب تعریف کی۔ سب نے ایک زبان ہو کر فرمایا کہ اس سے بہتر تعریف نہیں ہو سکتی۔ اور پیشین گوئی کی کہ بہت جلد اس لڑکے کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حصہ ملے گا اور نوازا جائے گا۔

دل کی نگہبانی

حضرت جنید بغداد آنے کے بعد وہاں آئینہ فروشی کرنے لگے۔ اسی وجہ سے آپ کو جنید قواریری بھی کہتے ہیں۔ آپ اپنی دکان پر پردہ گرا دیتے اور روزانہ چار سو رکعتیں نماز ادا کرتے۔ اسی طرح ایک

---

١ ابوعبداللہ حارث بن اسد محاسبیؒ اصول و فروع کے عالم اور اپنے زمانہ کے مرجع علماء اور محبوب امام و پیشوا تھے۔ علم اصول تصوف میں آپ کی تصنیف رعایت کے نام سے مشہور ہے۔ بغداد کے شیخ المشائخ تھے۔ بڑے صاحب حال اور بزرگ ہمت تھے۔ ترجمہ کشف المحجوب مترجم عبدالمجید یزدانی ص ۱۷۱

مدت تک ہوتا رہا پھر ایک وقت ایسا آیا کہ دکان اٹھا دی اور حضرت خواجہ سری سقطی کی ڈیوڑھی پر رہنے لگے۔ وہاں رہ کر دل کی نگہبانی کرتے۔ چالیس سال کی مدت اسی طرح گذار دی۔ تیس سال تک پوری رات نماز میں کھڑے رہتے۔ عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا کرتے۔

غیبی انتباہ

جب چالیس سال کے ہوئے تو آپ کے دل میں یہ خیال آیا کہ ہم اپنے مقصود تک پہنچ گئے۔ اس خیال کے آتے ہی ہاتف غیب نے آواز دی جنید! اب وہ وقت آگیا کہ تمہارے سامنے تمہارے باطن کا زنار رکھ دیا جائے اور تمہاری زنار بندی تمہیں دکھا دی جائے۔ جب آپ نے یہ آواز سنی عرض کیا۔ آخر جنید سے کون سا ایسا گناہ سرزد ہو گیا ہے؟ آواز آئی کیا اس سے بھی بڑا کوئی گناہ ہو سکتا ہے کہ تم کو اب تک اپنا وجود نظر آ رہا ہے۔ جنید نے ایک آہ کی گھر میں جا کر دروازہ اندر سے بند کر لیا اور اس وقت تک باہر نہیں آئے جب تک ان کے معاملات درست نہ ہوئے اور سارے جہاں میں ان کی عظمت و بزرگی کا شہرہ نہ ہو گیا۔

شیخ کے آستانے پر مجاہدانہ حاضری

لوگوں نے آپ کو جس طرح بھی آزمانا چاہا اور آپ کا امتحان لیا آپ اس سے ہزار گونہ آگے رہے کسی نے آپ سے دریافت کیا۔ اس مقام تک کیسے پہنچے، فرمایا اس چالیس سال کی وجہ سے جس میں حضرت خواجہ سری سقطی کے آستانہ پر مجاہدانہ طور پر ایک قدم کھڑا رہا۔

گمگشتگی دل کا راز

فرماتے ہیں کہ ایک روز میرا دل کھو گیا (یعنی ایسا معلوم ہوا کہ دل ہی نہیں ہے) میں نے فریاد کی خداوندا میرا دل مجھے واپس دے دے آواز آئی اے جنید! میں نے تمہارا دل اس لئے لیا ہے کہ تم میرے پاس رہو لیکن تم اپنا دل اس لئے واپس لینا چاہتے ہو کہ غیر کے ساتھ رہو۔

مجاہدہ کے ذریعہ تصوف کا حصول

سوز عشق اور غلبہ حال کے وقت آپ سے بڑے بڑے کمالات کا صدور ہوتا اور اس وقت آپ فرماتے میں نے اس تصوف کو قیل وقال یعنی گفتگو کے ذریعہ حاصل نہیں کیا اور نہ اس کے لئے مناظرہ و مباحثہ یعنی جنگ وجدال سے کام لیا بلکہ بھوکے رہ کر اور شب بیداری کرکے حاصل کیا ہے۔ میں نے اس کو حاصل کرنے کے لیے دنیا سے رخ موڑا اور جو چیزیں میرے لئے عزیز تھیں اور میری نظر کو پیاری معلوم ہوتی تھیں میں نے ان سب کو ترک کیا۔

کلیت کی علامت

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جتنے گناہ ہیں چاہے وہ پہلے گذرے یا بعد میں آئیں گے ان سب کے لئے میں اپنے کو قصوروار سمجھتا ہوں اور ابوالقاسم کو عموماً ہو یہ بہت سب سے کنارہ کش ہو جانا چاہئے۔ اور یہی کلیت کی علامت ہے جب کوئی اپنے آپ کو کل[1] دیکھتا ہے۔ ساری مخلوق کو اپنے اعضاء کے مشابہ سمجھتا ہے۔ المومنون کنفس واحدۃ کے مقام تک پہنچ جاتا ہے تو اس وقت یہ کہہ سکتا ہے ما اوذی نبی مثل ما اوذیت (جیسی اذیت مجھے پہنچی ویسی کسی نبی نے اذیت نہیں اٹھائی) اب اس کے لئے مقامات کی تشریح اور توحید کے اسرار ورموز کی توضیح جائز ہو جاتی ہے۔

انداز گفتگو

آپ جب توحید پر گفتگو کرتے تو ہر دم نئے انداز اور نئے اسلوب سے بولتے جس کا سمجھنا ہر آدمی کے لئے ممکن نہ تھا۔

ابن شریح آپ کی مجلس سے جب واپس آئے تو لوگوں نے پوچھا اچھا یہ تو بتائیے کہ حضرت جو کچھ فرما رہے تھے اس کا علم پہلے سے آپ کو تھا، انھوں نے کہا نہیں۔ میں ان باتوں کو نہیں جانتا ہوں، لیکن اتنی بات تو سمجھ میں آئی کہ وہ جو کچھ فرما رہے تھے وہ بالکل صحیح و درست ہے اور گویا حق سبحانہ تعالیٰ ان کی زبان سے بول رہا تھا۔

---

1 کل - یعنی حق سبحانہ تعالی

آپ کی گفتگو کا اثر

ایک بار آپ گفتگو کر رہے تھے کہ ایک مرید نے نعرہ مارا۔ آپ نے اس مرید کو نعرہ لگانے سے منع کیا اور فرمایا کہ اگر پھر نعرہ لگایا تو تجھ کو میں اپنی قربت سے الگ کر دوں گا۔ اس کے بعد آپ گفتگو میں مشغول ہو گئے، اس مرید نے ضبط سے کام لیا۔ یہاں تک کہ برداشت کی طاقت ختم ہوئی اور اس کا انتقال ہو گیا۔ جب لوگ اس کے قریب گئے تو دیکھا کہ اس کے کپڑے کے اندر راکھ باقی ہے۔

عارف اور اس کی گفتگو

آپ نے فرمایا کہ عارف وہ ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ گفتگو کرے اور وہ خود خاموش رہے۔ آپ نے ایک بار یہ فرمایا کہ خدائے تعالیٰ نے تیس برس تک جنید کی زبان کے ذریعے جنید سے گفتگو کی اور جنید درمیان میں نہیں رہا اور نہ اس بات کی کسی کو خبر ہوئی۔ آپ نے فرمایا کہ میں تیس سال تک اس علم کے حواشی پر بیٹھا رہا لیکن اس کے نکات اور اسرار و رموز پر کبھی گفتگو نہیں کی اس لیے کہ نہ زبان کو بولنے کی جرأت دی گئی ہے اور نہ دل کو اس کا ادراک بخشا گیا ہے۔

وعظ کا حکم اور اس کا اثر

جب آپ کی زبان مبارک سے علم و عرفان کی بیش قیمت باتیں نکلنے لگیں تو حضرت خواجہ سری سقطیؒ نے ان سے فرمایا کہ اب آپ کو وعظ کہنا چاہیے لیکن آپ اس حکم کو سن کر تردد میں پڑ گئے اور اس کی طرف مائل نہیں ہوئے۔ پھر مریدوں نے بھی اور بغداد کے مشائخ نے درخواست کی لیکن آپ نے کسی کی فرمائش کو قبول نہیں کی اور فرمایا کہ شیخ کی موجودگی میں وعظ کہنا بے ادبی کے مترادف ہے۔

یہاں تک کہ ایک رات خواب میں حضور اکرم ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے دیکھا کہ حضور ﷺ وعظ کہنے کا حکم دے رہے ہیں، صبح سویرے اٹھ کر آپ نے ارادہ کیا کہ خواجہ سری سقطیؒ کے آستانہ پر جا کر یہ خواب بیان کروں گا، ابھی آپ حاضری کا ارادہ کر ہی رہے تھے کہ دیکھا حضرت خواجہ دروازہ پر کھڑے ہیں۔ فرمایا کہ اے جنید! تمہارے وعظ و نصیحت کو ساری دنیا کی نجات کا ذریعہ بنایا گیا ہے اور تم وعظ سے انکار کرتے ہو، مریدوں نے درخواست کی، بغداد کے مشائخ نے سفارش کی، میں نے حکم دیا، مگر تم نے کسی کی بات نہیں مانی، آپ ﷺ نے حکم دیا ہے اب تو حکم کی تعمیل کرو۔ آپ نے عرض کیا

حضرت! آپ کو یہ بات کیسے معلوم ہوئی کہ میں نے خواب میں حضور ﷺ کو دیکھا ہے۔ خواجہ سری سقطیؒ نے فرمایا کہ میں نے خواب میں اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے وہ کہہ رہا ہے میں نے اپنے رسول کو جنید کے پاس بھیجا ہے تاکہ وہ اسے وعظ کہنے کا حکم دیں۔ آپ جب وعظ کے لئے تیار ہوئے تو یہ شرط لگادی کہ میرے وعظ کی مجلس میں چالیس افراد سے زیادہ نہ ہوں، جب آپ کی مجلس میں چالیس حضرات جمع ہوئے اور آپ سر پر وعظ کہنے لگے تو اٹھارہ آدمی اسی وقت جاں بحق ہوگئے اور بائیس آدمی بیہوش تھے، جب لوگوں نے پھر مجلس میں وعظ کے لئے آپ سے درخواست کی تو آپ اس کے لئے تیار نہیں ہوئے آپ نے بالکل ترک کردیا۔ اور گھر میں جاکر گوشہ نشیں ہوگئے۔ آپ نے کسی کی درخواست قبول نہیں کی۔ اور فرمایا میری باتیں تم لوگوں کو اچھی معلوم ہوتی ہیں۔ یہی تو میری ہلاکت کا سبب ہے میں اپنے کو ہلاکت میں نہیں ڈال سکتا۔ بہت زمانہ کے بعد آپ خود سے منبر پر چلے گئے اور تقریر کرنے لگے۔ اس وقت آپ سے کسی نے درخواست بھی نہیں کی تھی اس لئے لوگوں نے آپ سے پوچھا اس میں کیا حکمت ہے آپ نے فرمایا سنو! میں نے حدیثوں میں پڑھا ہے کہ سرکار دو جہاں حضور ﷺ نے فرمایا آخر زمانہ میں قوم کا سردار وہ ہوگا جو سب میں بدترین شخص ہوگا۔ اور وہ ان کے درمیان وعظ و نصیحت کی باتیں کہے گا، لہذا میں اپنے آپ کو سب سے برا آدمی سمجھتا ہوں اور میں نے اسی لئے تقریر کی ہے کہ حضور ﷺ کی یہ حدیث صحیح ثابت ہوجائے۔

ہدایت ورہبری سے متعلق آپ کے اقوال زریں

آپ نے مریدوں کی آگہی اور طالبان حق کی ہدایت ورہبری کے لئے اچھی اچھی اور مفید باتیں موثر انداز میں بیان کی ہیں۔ اور آپ کے اقوال معنوی اعتبار سے بہت پرارزش ہیں۔ آپ نے فرمایا

☆ سچا مرید دنیاوی علوم سے بے نیاز ہوتا ہے۔

☆ جب اللہ تعالیٰ کسی مرید کے ساتھ نیکی کا سلوک کرنا چاہتا ہے تو اس کو صوفیوں کے قدموں میں ڈال دیتا ہے اور فریب دینے والوں سے محفوظ کرلیتا ہے۔

☆ مریدوں کو زیادہ علوم حاصل کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہاں اس قدر جاننا ضروری ہے جتنا نماز میں ضرورت ہوتی ہے اور اس کے لئے سورہ فاتحہ اور قل ھو اللہ احد کافی ہے۔

☆ جو مرید عورتوں کے چکر میں پڑتا ہے اور علمی باتیں تحریر کرتا ہے اس سے کچھ نہیں ہو سکتا۔

☆ نفس کبھی بھی حق سبحانہ تعالیٰ کی الفت اختیار نہیں کر سکتا۔

☆ نفسانی خطرات اور شیطانی وسوسے میں یہ فرق ہے کہ نفس کسی چیز کا مطالبہ کرتا ہے اور جب کوئی پورا نہیں کرتا تو وہ اپنے مطالبہ کا اعادہ بار بار کرتا ہے۔ یہاں تک کہ اس میں کچھ مدت گذر جاتی ہے لیکن جب تک اسکی مراد پوری نہیں ہوتی وہ اپنے مطالبہ کو چھوڑتا نہیں ہے اور شیطان جب کسی خلاف ورزی کی دعوت دیتا ہے اور اگر تو اس کی دعوت کو قبول نہیں کرتا تو وہ اصرار نہیں کرتا بلکہ کنارہ کش ہو جاتا ہے۔

☆ جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس پر بندگی آسان ہو جاتی ہے۔

☆ جب بندگی میں کچھ بھی کمی رہ جائے گی آزادی کی حقیقت تک رسائی نہیں ہو سکتی۔

☆ اگر کوئی (محبت میں) صادق ہے اور وہ ہزار برس تک مشاہدہ جمال دوست میں مشغول رہتا ہے اگر کبھی ایک لمحہ کے لیے بھی اس سے یہ کیفیت چھوٹ جاتی ہے تو یہ فوت شدہ وقت اس کے لئے اس ہزار سال سے زیادہ اہم ہو جاتا ہے۔

☆ خدا سے غافل رہنا آگ میں جلنے سے کہیں زیادہ سخت ہے۔

☆ ایک مرتبہ کسی نے آپ کی مجلس میں کھڑے ہو کر دریافت کیا دل کو خوشی و مسرت کب حاصل ہوتی ہے؟ آپ نے فرمایا اس وقت جب دل میں وہ حق سبحانہ تعالیٰ موجود ہو۔

☆ جو بغیر مشاہدہ حق کے اللہ اللہ کہتا ہے وہ جھوٹا ہے۔

مقامات سے متعلق آپ کے فرمودات

مقامات کی تفصیل و تشریح میں آپ کے فرمودات اس قدر بلند مرتبہ ہیں کہ ہر یک مقام کی شرح اس مختصر سے رسالہ میں بیان کرنا ممکن نہیں ہے۔۔۔۔۔۔ آپ نے فرمایا۔۔۔۔۔۔ چار ہزار پیران طریقت کا اس بات پر اجماع اور اتفاق ہے کہ۔۔۔۔۔۔

☆ ریاضت کی انتہا یہ ہے کہ جب اپنے دل کو تلاش کرو تو اسے حق سبحانہ تعالیٰ کے پاس ہمیشہ پاؤ۔

☆ رضا یہ ہے کہ دوست کی جانب سے جو بلا آئے وہ نعمت معلوم ہو۔

☆ معرفت وجود کی نادانی و جہل ہے تیرے علم کے حصول کے وقت میں۔ لوگوں نے عرض کیا حضرت اس جملہ کی وضاحت فرمائی جائے۔ آپ نے فرمایا عارف اور معروف وہی ہے۔

☆ توحید خداوند تعالیٰ یہ ہے کہ محدثات میں قدیم کو دیکھے، حادث میں قدم کو جانے دریا میں جو موج اور روانی ہے وہ دراصل دریا ہی کی امانت ہے۔ (یعنی دریا میں جو موج، تلاطم، حباب ابھرتے ہیں سب کی اصل دریا ہی ہے۔ دریا سے الگ کوئی شے نہیں۔

محبت سے متعلق آپ کے ارشادات

محبت کی روش اور اطوار میں بھی آپ کے ارشادات بہت لطیف اور خوب ہیں۔ آپ نے فرمایا

☆ محبت خدا کی امانت ہے۔ جس محبت میں عوض اور بدلہ ہو وہ محبت محبت نہیں۔ عوض اور بدلہ حاصل ہو جانے کے بعد محبت بھی ختم ہو جاتی ہے۔

☆ حضرت شبلی نے فرمایا اگر اللہ تعالیٰ مجھے قیامت کے دن بہشت و دوزخ کے انتخاب کا اختیار دے دے تو میں دوزخ کو اختیار کروں۔ اس لئے کہ بہشت کا اختیار کرنا تو میری خواہش اور مراد سے متعلق ہے اور دوزخ دوست کی مراد ہوگی۔ اپنی خواہش پر دوست کی خواہش کو فوقیت دینا محبت کی علامت ہے۔

جب حضرت خواجہ جنید کو جناب شبلی کی یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے فرمایا شبلی کی یہ بات بچوں کی سی ہے۔ اگر مجھے اختیار دیا جائے تو میں کسی کو اختیار نہ کروں۔ بندہ کو اپنی مرضی اور اختیار سے کیا کام جہاں بھیج دیں وہاں چلا جاؤں گا جہاں رکھ دیں وہاں رہ جاؤں گا۔ اس کی مرضی کو اختیار کرنا میرے لئے یہی فرض ہے۔

☆ محبت اس وقت تک درست نہیں ہوتی جب تک دونوں طرف سے یہ نہ کہا جائے "تو میں ہے میں تو ہوں"

☆ جب محبت پختہ ہو جاتی ہے تو ادب کی شرط اٹھ جاتی ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر محبت حرام کر دی ہے جو (دنیاوی) تعلقات میں الجھے رہتے ہیں۔

☆ جو صاحب انس و محبت ہیں وہ جب خلوت میں ہوتے ہیں تو اپنی مناجات میں ایسی باتیں عرض

کرتے ہیں جو عام لوگوں کے نزدیک کفر کی باتیں ہوتی ہیں۔ اگر ان کی یہ باتیں کوئی عوام سن لے تو کفر کا فتویٰ صادر کر دے۔ وہ اپنے احوال پر قایم رہتے ہیں اور جو کچھ کہتے ہیں وہ صرف لفظی باتیں نہیں ہوتیں بلکہ وہ ان کے احوال ہوتے ہیں۔

توحید یقین کا نام ہے

آپ سے لوگوں نے دریافت کیا کہ توحید کیا ہے؟

آپ نے فرمایا یقین۔ لوگوں نے عرض کیا یہ کیسے؟

آپ نے جواب دیا جب تم نے یہ سمجھ لیا کہ مخلوق کی حرکات و سکنات اور اس کا ہر فعل خدا کا فعل ہے تو پھر کسی کو اس کا شریک نہیں ٹھہراؤ گے۔ یہی یقین توحید ہے۔

متصف بصفات عبودیت

جب لوگوں نے آپ سے دریافت کیا کہ بندہ کے لئے بندگی کی حقیقت کیا ہے؟ آپ نے فرمایا جب بندہ تمام اشیا کو خدا کی ملک دیکھتا ہے تمام چیزوں کا ظہور خدا ہی سے ہوا ساری چیزیں خدا ہی سے قایم ہیں اور ساری چیزیں اسی کی طرف لوٹ جائیں گی ان باتوں پر یقین رکھتا ہے جیسا کہ اس نے خود فرمایا۔

فسبحان الذی بیدہ ملکوت کل شئی و الیہ ترجعون (یٰس ۸۳)۔ (پاک ہے وہ جس کے ہاتھ میں تمام چیزوں کی ملکیت ہے اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے) جب اس بات کی حقیقت اس پر ظاہر ہو جاتی ہے تو وہ بندہ عبودیت کی صفت سے متصف ہو جاتا ہے۔

کتے کی آواز پر لبیک

ایک روز اپنے مرید کے ساتھ کہیں تشریف لے جا رہے تھے۔ کتے نے آواز لگائی خواجہ جنیدؒ نے اس کتے کی آواز پر لبیک لبیک کہنا شروع کر دیا مرید نے عرض کیا حضرت یہ کیا بات ہے؟ آپ نے فرمایا کتے کے بھونکنے میں جو قوت تھی اس میں مجھ کو قہر خداوندی نظر آیا اور اس کی آواز میں حق سبحانہ تعالیٰ کی قدرت کی آواز سنائی دی۔ مجھے درمیان میں کتے کا وجود ہی نظر نہ آیا۔ یعنی کتے کا وجود ہی کالعدم رہا اس لئے میں نے جواباً لبیک کہا۔

آپ کی بارگاہ میں حسین منصور حلاج کی حاضری

توحید میں آپ کا مقام بہت بلند تھا۔ اور اس زمانہ میں آپ کے جیسا کوئی نہ تھا۔ بغداد اور عراق کے اطراف و جوانب میں توحید میں جو بھی عالی مرتبہ ہوئے وہ سب خواجہ جنید ہی کے صحبت یافتہ تھے اور دنیا میں جہاں بھی کوئی صاحب دل اور صاحب مقام پیدا ہوئے سب پر آپ کی نگاہ کرم رہی۔ اور آپ ہی کی خانقاہ سے فیضیاب ہوئے۔ خود حسین منصور حلاج بھی آپ ہی کی خانقاہ کے تربیت یافتہ تھے۔

جب حسین منصور حلاج خواجہ سہیل تستری رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں سے نکل کر شیخ عمرو بن عثمان مکی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اٹھارہ مہینے ان کی صحبت میں رہے پھر جب وہاں سے بھی الگ ہو گئے تو حضرت شیخ جنید کی خانقاہ میں پہنچے شیخ نے ان کو خلوت میں رہنے کا حکم دیا۔ کئی بار شیخ جنید کی صحبت میں رہنے کا اتفاق ہوا۔ ایک بار حسین بن منصور حلاج نے شیخ جنید کے سامنے صحو و سکر کی بات چھیڑ دی۔ آپ نے فرمایا اے منصور کے فرزند! تمہارے معاملات میں فضولیت اور بے معنی باتیں بہت زیادہ دیکھنے میں آتی ہیں۔ اس کے بعد خواجہ حسین وہاں سے حجاز چلے گئے۔ ایک سال تک وہاں کعبہ کی مجاوری کرتے رہے۔ پھر بغداد واپس آگئے اور صوفیوں کی جماعت کے ساتھ خواجہ جنید کی خدمت میں پہنچے اور توحید کے اسرار و نکات کے بارے میں سوالات کرنے لگے۔ شیخ نے کوئی جواب نہیں دیا اور فرمایا کہ بہت جلد تختہ دار کو تمہارے خون سے سرخ کیا جائے گا۔

حسین منصور حلاج کے قتل پر حضرت جنید کا فتویٰ

خواجہ جنید کو حضرت حسین بن منصور حلاج کے قتل کے سلسلہ میں تامل تھا۔ جیسا کہ روایتوں میں آتا ہے کہ جس روز ائمہ کرام نے ان کے قتل کا فتویٰ صادر کیا تو اس محضر نامہ پر خواجہ جنید نے یہ عبارت لکھی نحن نحکم بالظاہر ان کے ظاہر پر فتویٰ دے رہا ہوں ان کے باطن کو خدا جانے۔ آپ کے پیروکاروں میں خواجہ شبلی نے فرمایا انا والحلاج شیئی واحد فخلصنی جنونی واھلکہ عقلہ یعنی میں اور حلاج ایک ہی چیز ہوں میری دیوانگی نے مجھے بچا لیا اور اس کی عقل نے اسے ہلاک کر دیا۔

چونکہ حضرت شبلی خواجہ جنید کے مرید تھے، خواجہ حسین اور خواجہ شبلی ایک ہی دسترخوان کے پروردہ اور ایک ہی جام کے میخوار تھے دونوں نے جو کچھ پایا تھا وہ خواجہ جنید ہی کے دولت خانہ سے پایا تھا اس لئے ان کا یہ کہنا بجا اور درست تھا۔

آخری لمحات

خواجہ جنید بیمار ہوئے آپ کی وفات کا وقت قریب آیا، آپ لوگوں کو وصیت کرنے لگے اور جب وہ کٹھن وقت آگیا تو فرمایا مجھے وضو کراؤ۔ وضو کرانے کے وقت لوگ خلال کرانا بھول گئے۔ آپ نے خلال کرنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد سجدہ میں چلے گئے اور گریہ و زاری شروع کر دی۔ لوگوں نے عرض کیا، اے پیر طریقت کے پیشوا آپ تو عبادتوں کا سرمایہ بھیج چکے ہیں پھر اس وقت سجدہ ریزی کی کیا حاجت؟ آپ نے فرمایا جنید کے لئے اس وقت سے زیادہ اہم اور مشکل وقت کوئی نہ ہوگا۔ پھر آپ نے قرآن کی تلاوت شروع کر دی۔ ایک مرید نے کہا اس وقت آپ قرآن پڑھ رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا اس وقت میرے لئے اس سے بہتر اور کیا ہوگا۔ اس لئے کہ اس وقت میری زندگی کا صحیفہ لپیٹا جا رہا ہے۔ اور میں دیکھ رہا ہوں کہ میری ستر سالہ طاعت وعبادت ایک بال سے بندھی ہوئی ہے۔ اور ہوا میں ڈول رہی ہے۔ معلوم نہیں کہ یہ ہوا ہجر و فراق کی ہے یا وصال کی۔ ایک طرف پل صراط ہے دوسری طرف ملک الموت ہے۔ قاضی بھی عدل و انصاف والا ہے وہ آسانی سے مائل نہیں ہو سکتا۔ میرے سامنے راستے ہیں معلوم نہیں کس راستہ پر مجھے لے جائیں گے۔ اس کے بعد قرآن کی تلاوت ختم کی اور سورہ بقرہ کی ستر آیتیں پڑھیں۔ جمعہ کا آخری وقت تھا جب وہ آخری لمحہ آیا لوگوں نے کہا اللہ اللہ کہیے آپ نے فرمایا میں بھولا نہیں ہوں۔ اس کے بعد انگلیوں پر تسبیح پڑھنے لگے جب چوتھی انگلی پر پہنچے تو بہت ہی پر عظمت انداز میں پڑھا بسم اللہ الرحمن الرحیم پھر آنکھ کھل گئی اور جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔

جنازہ پر کبوتر کا بیٹھنا

غسل دینے والوں نے جب غسل کے وقت آنکھوں میں پانی پہنچانا چاہا تو ہاتف غیب نے آواز دی کہ میرے دوست کی آنکھ سے ہاتھ ہٹا لو اس لئے کہ یہ آنکھ میرے نام پر بند ہوئی ہے اور میری لقا ہی کے لئے کھلے گی۔ جب اس انگلی کو کھولنا چاہا جو تسبیح پڑھنے کے وقت بند ہو گئی تھی پھر آواز آئی جو انگلی میرے نام پر بند ہوئی ہے۔ وہ میرے حکم ہی سے کھلے گی۔ اس کے بعد آپ کو کفن پہنا دیا گیا۔ جنازہ تیار ہوا جنازہ کی نماز آپ کے صاحبزادے نے پڑھائی اور جب جنازہ اٹھایا گیا ایک سفید کبوتر آپ کے جنازے پر آکر بیٹھ گیا لوگوں نے ہٹانے کی بہت کوشش کی لیکن نہیں ہٹا۔ یہاں تک کہ ایک آواز آئی اپنے آپ کو اور مجھ کو کیوں تکلیف دے رہے ہو۔ میرے پنجے نے عشق کے ناخنوں سے جنازے کو

پکڑ لیا ہے اسی لئے میں یہاں بیٹھا ہوں۔ تم لوگ بیکار کی زحمت اٹھا رہے ہو۔ آج خواجہ جنید کا قالب کروبیوں کے ذمہ ہے۔ اگر تم لوگوں کے شور و غل کی فکر نہ ہوتی تو خواجہ کا جسم سفید باز کی طرح میرے ساتھ فضاؤں میں اڑنے لگتا۔

تدفین اور سال وفات

سنیچر کے دن شوال ۲۷۷ ہجری کو بغداد کے قبرستان میں مدفون ہوئے بعض لوگوں نے آپ کا سنہ وفات ۲۹۷ ہجری لکھا ہے لیکن ۲۷۷ ہجری زیادہ صحیح ہے۔

ایک شخص نے آپ کو خواب میں دیکھ پوچھا خدا نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا فرمایا اپنی رحمت سے نواز دیا۔ وہ تمام اشارات و عبارات اسی سے متعلق تھے مگر دو رکعت نماز کام آگئی جو میں آدھی رات کو پڑھا کرتا تھا۔

منکر نکیر سے سوال و جواب

ایک دوسرے شخص نے آپ کو خواب میں دیکھا اور پوچھا آپ نے منکر نکیر کے سوال کا جواب کس طرح دیا؟ فرمایا جب بارگاہ خداوندی کے دو مقرب فرشتے ہیبت ناک انداز میں آئے اور سوال کیا من ربک (تمہارا رب کون ہے) میں نے ان کی طرف دیکھا اور مجھے ہنسی آگئی میں نے کہا جس روز رب نے خود سوال کیا تھا الست بربکم (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں) اس روز میں نے کہہ دیا تھا ہاں تو میرا رب ہے۔ اب آپ لوگ پوچھنے آئے ہیں کہ تمہارا رب کون ہے؟ جو بادشاہ کو جواب دے چکا ہو وہ اس کے غلام سے کیا ڈرے گا۔ سنو میں اپنی رب کی زبان میں جواب دے رہا ہوں الذی خلقنی فھو یھدی (میرا رب وہی ہے جس نے مجھے پیدا کیا اور مجھے ہدایت دی) یہ جواب سن کر وہ دونوں عزت و احترام کے ساتھ واپس گئے اور یہ کہتے ہوئے گئے کہ یہ ابھی تک محبت کے نشہ میں سرشار ہے۔

ذکر

حضرت خواجہ ممشاد دینوریؒ

خداوندا بلطف معرض از جور
جهان معرفت ممشاد دینور

آداب و القاب

تجربہ کار عارف، ابتلاء و آزمائش میں صادق، میدان طریقت میں سیر کرنے والے دریائے حقیقت میں غوطہ لگانے والے، اہل عرفان میں محترم، صاحب عظمت و احسان میں محتشم، ارباب محبت کے پیشوا، اصحاب معرفت کے مقتدا، مجاہدہ کے مرد میدان، مشاہدہ جمال دوست میں کوشاں۔ حضرت سری سقطی اور خواجہ سفیان ثوری کے مسلک پر چلنے والے شیخ حقیقت حضرت ممشاد دینوری برد اللہ مضجعہ کا شمار اکابر مشائخ میں ہوتا ہے۔ آپ نے بہت سارے بزرگان طریقت کی صحبت اٹھائی اور ان کی خدمت میں رہے۔ بغداد کے عظیم بزرگوں نے آپ کی اقتدا کی ہے۔ طریقت میں آپ کا مقام بہت بلند و ارفع ہے۔ آپ ظاہری و باطنی تمام علوم سے آراستہ تھے تمام علوم و فنون کو آپ نے کد و کاوش اور محنت سے حاصل کیا تھا اور اپنی ابتدائی زندگی میں ایک مدت تک اسی میں مشغول رہے۔

ممشاد کا تلفظ اور دینوری کہنے کی وجہ

ممشاد میں پہلی میم کو زیر اور دوسری میم ساکن ہے۔ آپ کو دینوری اس لیے کہتے ہیں کہ دینور اس جگہ کا نام ہے جہاں آپ کی قیام گاہ تھی۔ رسالہ قشیریہ میں جہاں حضرت خواجہ ممشاد دینوری کا تذکرہ آیا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دینور ایک جگہ کا نام ہے جہاں آپ کی سکونت تھی لیکن یہ پتا نہیں چلتا کہ یہ گاؤں ہے یا شہر۔

سلوک طریقت اور ارشاد و ہدایت کے موضوع پر آپ کے فرمودات لطیف پیرایہ میں بکثرت منقول ہیں۔ مثلاً آپ نے فرمایا:

مرید کے اوصاف

مرید اس وقت کامل ہوتا ہے جب اس کے اندر یہ اوصاف پیدا ہو جائیں۔

۱۔ مشائخ کی تعظیم و تکریم اپنے اوپر لازم کرلے۔
۲۔ اپنے ساتھیوں اور بھائیوں کی خدمت کو اختیار کرلے۔
۳۔ اسباب و علائق (یعنی دنیاوی تعلقات) کو ترک کرلے۔
۴۔ توکل کا راستہ اختیار کرلے۔
۵۔ ان سب کے ساتھ ساتھ شریعت کے آداب، اصول و ضوابط کو ہر وقت پیش نظر رکھے۔

پیروں کی خدمت میں اس طرح حاضر ہوتے

آپ نے فرمایا میں جب بھی کسی پیر کی خدمت میں حاضر ہوا تو حاضری سے پہلے اپنی تمام آرزوؤں اور تمناؤں کو ختم کر کے حاضر ہوا۔ تمام مرادوں سے اپنے دل کو خالی کر لیا اپنی کوئی خواہش کوئی تمنا کوئی مراد لے کر کسی شیخ کی خدمت میں کبھی نہیں گیا جب اس حال میں ان کے سامنے گیا تو اس انتظار میں رہا کہ دیکھئے اس کی نگاہ کرم سے مجھ کو کیا ملتا ہے۔ ان کی مجلس اور ان کے کلام کی برکت سے مجھے کیا نصیب ہوتا ہے، اس لئے کہ جو شخص اپنی تمنا اور مرادیں لے کر پیر کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے وہ پیر کے مشاہدہ کی دولت سے محروم رہتا ہے۔ پیر کی مجلس اور ان کے کلام کی برکتیں اس کے حصے میں نہیں آتیں۔

ماسوی اللہ سے روگردانی

آپ توحید کے مقام درخواست پر ہمیشہ ثابت قدم رہے۔ ماسوی اللہ سے اس طرح رخ موڑے رہے کہ کبھی اس کی طرف مائل ہی نہ ہوئے۔ اس موضوع پر آپ کے کلمات بہت

خوب اور علی ہیں۔ مثلاً ایک دفعہ آپ بیمار ہوئے لوگوں کی ایک جماعت عیادت کے لئے آئی۔ ان لوگوں نے آپ سے دریافت کیا کہ خدا کے ساتھ آپ کا کیسا معاملہ چل رہا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تیس سال سے بہشت اور اس کے متعلقات یعنی حور و قصور ولدان و غلمان میرے سامنے پیش کئے جاتے ہیں اور میں گوشۂ چشم سے بھی ان چیزوں کی طرف نہیں دیکھتا۔

بیمار کا حال بیماری سے پوچھو

اسی طرح علالت کے دوران ایک شخص نے پوچھا آپ کی بیماری کا کیا حال ہے؟ آپ نے فرمایا مجھ سے بیماری کے بارے میں کیا پوچھتے ہو بیماری سے میرے بارے میں پوچھو۔

آخری لمحات

جب آپ کی وفات کا وقت آیا تو لوگوں نے کہا لا الہ الا اللہ پڑھیئے۔ آپ نے یہ سن کر اپنا رخ دیوار کی طرف کر لیا اور فرمایا جس نے اپنا سب کچھ تیری راہ میں لٹا دیا اور جس نے تجھ کو اپنا دوست بنایا کیا اس کا یہی بدلہ ہے؟

جب آپ حالت نزع میں تھے لوگوں نے پوچھا آپ اپنے آپ کو کیسا پا رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا تیس سال ہو گئے کہ میں اپنا دل کھو چکا ہوں اور میرے پاس دل ہی نہیں ہے یعنی تمام اشیائے کائنات کو اور اپنے آپ کو حق سبحانہ تعالیٰ کی ہستی کے مطالعہ میں گم کر چکا ہوں۔ اس وقت آپ سے لوگوں نے جو کچھ پوچھا آپ نے ہر سوال کا جواب فنائے توحید کے عنوان سے دیا۔

وفات

۲۹۹ ہجری میں آپ کی وفات ہوئی۔

ذکر

حضرت خواجہ احمد سیاہ دینوریؒ

خداوندا بحق مرد چالاک

نبی وش احمد دینوری پاک

آداب والقاب

شریعت کے امام طریقت کے سربراہ معرفت کے معدن حقیقت کے مخزن، دین کے رہبر، اہل یقین کے ہادی پیر واصل شیخ کامل بلند و روشن احوال کے مالک، مقامات عالیہ کی طرف رہنمائی کرنے والے معانی کے خزانوں کو کھولنے والے واشوقا الی لقاء احوانی (اپنے بھائی کے دیدار کا بے پناہ جذبہ شوق) کے مصداق، آسمان سروری و سرداری کے مالک خواجہ احمد سیاہ دینوریؒ کابر مشائخ کی فہرست میں شامل ہیں۔ اہل طریقت آپ کی طرف رجوع ہوئے۔ اہل شریعت آپ کو اپنا ملجا و ماوی سمجھتے، معرفت میں آپ کو کمال حاصل تھا اور حقیقت کی منزلوں کو آپ طے کر چکے تھے۔ تصوف میں آپ کے اقوال بہت ہی شافی ہیں۔ آپ کے معاصر بزرگوں نے آپ کے اقوال واحوال کو اپنے لئے نمونہ عمل بنایا تھا۔ ریاضت و مجاہدہ میں بھی آپ کا مقام بہت بلند ہے۔

خواجہ ممشاد سے استفادہ

آپ حضرت خواجہ ممشاد دینوریؒ کے ممتاز خلیفہ ہیں۔ آپ نے معرفت کے اسرار و رموز، حقیقت کے نکات طریقت میں استقامت ان سب کو خواجہ ممشادؒ سے حاصل کیا تھا آپ کے معاصر میں شیخ عبدالکریم ابن ہوازن القشیری ہیں جنہوں نے آپ کا تذکرہ اپنے رسالہ میں کیا ہے اور اپنے عہد کا مقتدر بتایا ہے۔

دینور آپ کی قیامگاہ کا نام ہے۔

ذکر

حضرت خواجہ محمد بن عبداللہ المعروف بعموبہؒ

حداوندا بحق پیراخیار

محمد ابن عبداللہ بیدار

آداب والقاب

علوم ظاہری کی خوبیوں سے مشرف علوم باطنی کی بزرگی سے مزین شریعت نبوی کے پیشوا' طریقت عالی کے مقتدا، راہ خدا کے مجاہد، راہ ہدایت سے منسلک، جماعت عرفی کے برہان طبقہ صوفیہ کے سلطان روشن و بلند احوال کے حامل شیخ الشیوخ حضرت خواجہ محمد بن عبداللہ المعروف بعموبہ رحمۃ اللہ علیہ کا شمار اکابر مشائخ میں ہوتا ہے۔ آپ اپنے زمانہ میں معزز و محترم تھے۔ اس زمانہ میں ریاضت و مجاہدہ میں آپ کے جیسا کوئی نہ تھا۔ آپ حضرت خواجہ احمد سیاہ دینوری کے خلیفہ تھے اور آپ ہی کی خدمت میں رہ کر سند طریقت حاصل کی۔ آپ کی شان بہت ارفع اور بلند ہے۔ آپ نے بہت سارے اکابر مشائخ کو پایا تھا۔

صوم وصال اور نہی شفقت

آپ کی ظاہری ریاضت میں سے ایک ریاضت یہ تھی کہ آپ چالیس روز کے بعد افطار کرتے علمائے ظواہر نے صوم وصال کو مکروہ لکھا ہے۔ مشائخ طریقت اس نہی کو نہی شفقت پر محمول کرتے ہیں۔ (یعنی حضورؐ نے صوم وصال سے جو منع فرمایا ہے اس ممانعت میں دراصل آپ کی شفقت پوشیدہ ہے) صوم وصال کی جس کو توفیق ہوگئی سمجھئے کہ یہ اس کی بہت بڑی کرامت ہے۔ بعض فقراء تو عزت و مرتبہ کے بھی خواہشمند ہوتے ہیں۔ وہ طے کے روزوں پر ہر روز شکم سیر رہنے کو بہتر سمجھتے ہیں۔

کشف المحجوب میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صوم وصال سے منع فرمایا ہے۔ جب آپ اس روزہ کو رکھنے لگے تو صحابہ نے بھی آپ کی اتباع میں یہ روزہ رکھنا شروع کر دیا اس پر آپ نے فرمایا کہ تم لوگ اس روزہ کو نہ رکھو میں جو اس روزہ کو رکھ رہا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ میں تمہاری طرح نہیں ہوں۔ مجھے ہر رات اپنے رب کی طرف سے کھانے پینے کو ملتا ہے۔ انی لست کاحدکم انی ابیت عند ربی یطعمنی و یسقینی (میں تم لوگوں میں سے کسی ایک سے بھی مشابہ نہیں ہوں بے شک میں اپنے رب کے قرب میں رات گزارتا ہوں اور وہی تعالیٰ مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔) پس ارباب مجاہدہ کہتے ہیں کہ حضور کی یہ ممانعت نہی شفقت ہے نہی تحریم نہیں ہے۔ (یعنی ایسا نہیں ہے کہ یہ روزہ قطعی حرام ہے بلکہ شفقت کی بنا پر منع کیا گیا ہے)

کشف المحجوب میں آیا ہے کہ "اس سے متعلق میں پوری بات تفصیل سے بیان کئے دیتا ہوں۔ تاکہ اس سلسلہ میں کسی طرح کا شک باقی نہ رہے۔

تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ خداوند تعالیٰ کی پوری فرمانبرداری کے ساتھ صوم وصال رکھنا بہت بڑی کرامت ہے۔ اور کرامت کا تعلق خصوصیت سے ہے عمومیت سے نہیں۔ یعنی کرامت مخصوص حضرات کے لئے ہے عام لوگوں کے لئے نہیں ہے۔ جب یہ عام حکم نہیں ہے تو پھر اس پر عمل کرنا ہر شخص کے لئے درست بھی نہیں ہے۔ اگر کرامت کا ظاہر کرنا ہر شخص کے لئے عام ہوتا تو پھر ایمان ایک مشکل چیز ہو جاتی۔ عارفوں کی معرفت کے لئے باعث ثواب بھی نہ ہوتا۔ چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صاحب معجزہ تھے۔ اس لئے آپ نے صوم وصال کو پوشیدہ نہیں رکھا بلکہ لوگوں پر ظاہر فرمادیا اور جو صاحب کرامت ہیں ان کو ظاہر کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ اس لئے کہ کرامت کو پوشیدہ رکھنے اور معجزہ کو ظاہر کرنے کا حکم دیا گیا ہے"

کرامت کا تعلق فضل و کرم سے ہے اور کرامت ارباب مخصوص کے لئے مختص ہے۔ جیسے بعض مجذوب جو سلوک میں درک رکھتے ہیں یکبارگی کھانا پینا چھوڑ دیتے ہیں اور عوارف میں آیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور بعض دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم نے طے کا روزہ رکھا تھا۔ اس سے یہ یقین ہو جاتا ہے کہ صوم وصال سے ممانعت شفقت کی بنا پر ہے یعنی کمزور اور ضعیف لوگوں کا خیال رکھ کر اس سے منع کر دیا گیا ہے۔

عموبہ کا تلفظ

عموبہ کا تلفظ عموبہ کے وزن پر مشہور ہے اور حضرت شیخ الاسلام شیخ حسین معز شمس بلخی عظم قدرہ کے مریدوں کے درمیان یہی مشہور ہے اور عورف کے نسخے میں جو سید السادات سید ظہیر الدین مرحوم کا لکھا ہوا ہے اور جس پر لوگوں کو اعتماد و بھروسہ ہے اس میں عموبہ ہے یعنی عین کو زبر، میم کو پیش، واؤ ساکن ب کو زبر اور ہ ساکن کے ساتھ ہے۔ فتاویٰ صوفیہ میں میم کو تخفیف اور ہ ساکن کے ساتھ ہے اور یہ دونوں صحیح ہے کسی کو ترجیح نہیں دی گئی ہے۔

ذکر

حضرت خواجہ قاضی وجیہ الدین ابو حفصؒ

خداوندا بوجہ الدین ابو حفص
علمہا زیر علمش منکسر حفص

آداب والقاب

علوم ربانی[1] کے جاننے والے، خدا کی محبت میں رہ کر عمل کرنے والے، اہل تصوف بزرگوں کے پیشوا، صاحب تصرف ولیوں کے مقتدا، مقامات کی راہ طے کرنے والوں کے رہبر، دشوار گزار گھاٹیوں سے مریدوں کو نکالنے والے، بزرگ عارفوں میں اشرف، بزرگ واصلوں میں اکرم، کرم کرنے اور کرم کرنے والے کے نور نظر شیخ وقت اور بہت بڑے شیخ کے لخت جگر، طلب و جستجو کی راہ میں ثابت قدم رہنے والوں کے مجدد، وہی خواجہ قاضی وجیہ الدین ابو حفص رحمۃ اللہ علیہ وعلی والدیہ کا شمار مشائخ طریقت کے عظیم بزرگوں میں ہوتا ہے۔ آپ اپنے زمانے کے پیشوا تھے اور آپ کی پیشوائی و مقتدائی پر سب لوگوں کو اعتماد و بھروسہ تھا۔ ریاضت و مجاہدہ میں بھی آپ کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ طریقت میں اپنے والد بزرگوار خواجہ محمد بن عبداللہ المعروف بھوب سے تربیت حاصل کی۔ آپ ہی کی خدمت میں رہ کر دین میں کمال اور اہل یقین کے درجات تک رسائی حاصل کی۔

---

[1] حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری نے اپنی معرکۃ الآرا تصنیف شرح آداب المریدین میں عالم ربانی کی تعریف یوں کی ہے۔ عالم ربانی اس عالم کو کہتے ہیں جو علم کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ لوگوں کو خیر کی راہ دکھاتے ہیں، خواہشات نفسانی سے کوئی کام نہیں کرتے بلکہ رب کریم کی رضا پر قائم رہتے ہیں۔ ایسے ہی عالموں کے حق میں فرمایا گیا ہے کہ من زار عالماً فکانما زارنی جس نے کسی عالم کی زیارت کی اس نے نبی علیہ السلام کی زیارت کی۔ یہ لوگ دنیا پر آخرت کو ترجیح دیتے ہیں، اور اللہ کے لئے نفس سے جنگ کرتے ہیں۔ (شرح آداب المریدین قلمی ص ۱۳۰)

نام کنیت اور لقب

آپ کا نام عمر، ابو حفص کنیت اور وجیہ الدین لقب ہے۔

سند خلافت

خزانہ جلالی میں آیا ہے کہ شیخ وجیہ الدین عمر کو آپ کے والد شیخ محمد بن عبداللہ المعروف عموبہ اور اخی فرخ ریحانی، دونوں نے مل کر خرقہ پہنایا تھا شیخ محمد بن عبداللہ المعروف عموبہ نے شیخ احمد اسود دینوری سے ان کو شیخ ممشاد دینوری سے ان کو شیخ ابوالقاسم جنید سے خرقہ حاصل تھا اور اخی فرخ ریحانی کو والی اسود بن نہاوندی سے ان کو عبداللہ بن خفیف سے ان کو ابی محمد رویم سے اور ان کو شیخ ابوالقاسم جنید سے خرقہ ملا تھا۔ شیخ ابوالقاسم جنید نے اپنے ماموں سری سقطی انہوں نے خواجہ معروف کرخی انہوں نے خواجہ داؤد طائی انہوں نے خواجہ حبیب عجمی انہوں نے خواجہ حسن بصری انہوں نے امیر المومنین علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ انہوں نے رسول رب العالمین محمد مصطفےٰ علیہ السلام کی صحبت سے استفادہ حاصل کیا۔

دلیل عظمت

خواجہ قاضی وجیہ الدین ابو حفص کی عظمت و بزرگی کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے۔ بس یہی دلیل ہے کہ جنید ثانی حضرت خواجہ ضیاء الدین ابو نجیب سہروردیؒ نے آپ ہی کی خدمت میں رہ کر تربیت حاصل کی جس کی اتباع و پیروی مشائخ طریقت نے کی ہے اور آپ کی تصنیفات کو مکمل بنایا ہے۔

ذکر

حضرت خواجہ ضیاء الدین ابونجیب سہروردیؒ

خداوند الشیخ ضیاء دینی
مهی تابنده براوج یقینی

آداب والقاب

راہوں کے سلطان، عارفوں کے دلیل و برہان، دین محمد ﷺ کی امامت فرمانے والے، طریقہ احمدیہ ﷺ کا اہتمام کرنے والے، اہل شریعت و طریقت کے عظیم ترین مقتدا، اہلِ معرفت و حقیقت کے بہترین پیشوا، باریک نکات میں صوفی صادق کے رہنما، حقائق میں جو پیران حاذق ہوئے ان کی آرزو و تمنا، علم طریقت کی مشکلات کو حل کرنے والے حقیقت کی تفصیلات کو ظاہر کرنے والے، کثرت میں وحدت کے جلال کا مشاہدہ کرنے والے، وحدت میں کثرت کے جمال کو معائنہ فرمانے والے، میدان فردیت کے مرد، خواجہ ضیاء الدین ابونجیب سہروردی رحمۃ اللہ علیہ وعلی احبابہ واسلافہ وخلفاۂ اپنے عہد میں مشائخ کے پیشوا تھے، اور ہر طریقت سے آپ کی ایک منفرد شان رہی، علمائے شریعت مشکلات کا حل آپ سے کرتے مشائخ طریقت مشکل اور تشریح طلب مسائل کی عقدہ کشائی کے لئے آپ کی طرف رجوع ہوتے، اس عہد کے محققین معرفت کے حقائق کو آپ ہی سے معلوم کرتے، بڑے بڑے نکتہ رس حقیقت کے نکات کو آپ ہی سے دریافت کرتے۔ راہ حق کو طے کرنے والے اس راہ کی دشوار گذار گھاٹیوں سے آپ ہی کی برکتوں کے صدقہ و طفیل جلد پار اتر جاتے صاحبان تلوین[1] آپ ہی کی خدمت میں رہ کر تمکین کے درجہ پر پہنچتے، وحدانیت حق پر یقین رکھنے والے آپ ہی کی صحبت و معاونت سے ہر طرح کی اضافتوں

---

[1] تلوین = مطلوب حقیقی کی طلب میں سالک کا ایک حال سے دوسرے حال میں متبدل ہوتے رہنا اور ایک صفت سے دوسری صفت میں منتقل ہوتے رہنا تلوین ہے۔
تمکین = اور جب سلوک پورا کر کے سالک مطلوب حقیقی سے واصل ہوگیا وہ تمکین وثبات ہے۔
(از مصطلحات صوفیہ۔ مرتبہ مولانا شاہ عبدالصمد دہلوی چشتی فریدی نظامی)

کو ختم کردینے کا سبق حاصل کرتے۔ آپ کے احوال نہایت روشن و بلند ہیں اور آپ کے اوقات عجیب و غریب ہیں۔

لی مع اللہ وقت

آپ کا یہ واقعہ بہت مشہور ہے اور خزانہ جلالی میں بھی تحریر ہے کہ آپ ایک روز اپنے حجرہ میں مشغول بحق تھے اور اپنے برادر زادہ شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ حجرے کے دروازہ پر حفاظت کر رہے تھے تاکہ کوئی اندر نہ آئے ٹھیک اسی وقت خواجہ خضر علیہ السلام جن کی ملاقات بہت نایاب ہے اور جن کی زیارت کی تمنا اولیائے کرام کو رہتی ہے تشریف لائے اور فرمایا کہ جا کر کہو کہ خضر آئے ہیں۔ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ حجرہ کے اندر گئے خضر علیہ السلام کی تشریف آوری کی اطلاع دی آپ نے اشارہ سے فرمایا کہ اس وقت لوٹا دو اور لوٹا دینے کا اشارہ کیا۔ شیخ شہاب الدین سہروردی باہر آئے لیکن خواجہ خضر کی ہیبت ایسی رہی کہ جواب نہیں کہہ سکے۔ خواجہ خضر سمجھ گئے اور یہ کہہ کر چلے گئے کہ پھر آؤں گا۔ اس کے بعد شیخ ضیاء الدین حجرہ سے باہر آئے شیخ شہاب الدین کی گوشمالی کی اور فرمایا کہ خواجہ خضر تو پھر آئیں گے اور جائیں گے لیکن یہ وقت پھر کہاں ملے گا۔ سبحان اللہ! حضور اکرم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متبع اپنے رسول کی اتباع اور پیروی سے اس مقام پر پہنچ جاتے ہیں، جہاں پہنچ کر زبان حال سے کہتے ہیں **لی مع اللہ وقت لایسعنی فیہ ملک مقرب ولا نبی مرسل** (خدا کے ساتھ میرا خاص وقت ہوتا ہے جس وقت مقرب فرشتے اور نبی مرسل کی بھی گنجائش نہیں ہوتی)

کرامات

آپ سے خرق عادات اور کرامات کا ظہور بکثرت ہوا ہے ترجمہ تکملہ شیخ عبداللہ یافعی میں جو حضرت محبوب سبحانی غوث الصمدانی، قطب ربانی شیخ عبدالقادر گیلانیؒ اور دوسرے بزرگوں کی منقبت میں ہے اس کی چھبیسویں حکایت میں شیخ کبیر شیخ شہاب الدین سہروردی رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی گئی ہے، انہوں نے فرمایا کہ میں ایک روز اپنے چچا اور شیخ ابوالنجیب عبدالقاہرؒ کی خدمت میں تھا کہ ایک شخص گائے کا بچھڑا لے کر شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا، حضرت یہ آپ کی نذر ہے، یہ نذر پیش کر کے وہ شخص چلا گیا، گائے کا بچھڑا حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا، حضرت نے فرمایا جانتے ہو؟

گا کہ یہ بچھڑا مجھ سے کہہ رہا ہے کہ میں وہ بچھڑا نہیں ہوں جو آپ کی نذر کے لئے رکھا گیا تھا، وہ دوسرا ہے اور مجھے تو شیخ علی بن ہیتی کی نذر کرنے کے لئے رکھا گیا تھا، تھوڑی ہی دیر میں وہ شخص ایک دوسرا بچھڑا لے کر واپس آیا جو اسی کے جیسا تھا، اس شخص نے حضرت سے کہا حضرت یہ بچھڑا آپ کی نذر کا ہے اور وہ بچھڑا جو پہلے لایا تھا شیخ علی کی نذر کا ہے مجھے دونوں میں دھوکا ہو گیا۔

شیخ شہاب الدین فرماتے ہیں کہ ایک بار تین یہودی اور تین نصرانی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے ان کو اسلام کی دعوت دی ان لوگوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا، اس کے بعد آپ نے ان لوگوں کے منہ میں دودھ کا گھونٹ ڈال دیا۔ ابھی دودھ حلق سے نیچے بھی نہیں اترا تھا کہ اسی وقت سب کے سب مشرف باسلام ہو گئے، اور ان لوگوں نے کہا کہ جیسے ہی دودھ ہمارے حلق میں گیا اسلام کے علاوہ جو دین بھی تھا وہ سب ہمارے دل سے مٹ گیا۔ آپ نے فرمایا قسم ہے معبود کے عزت وجلال کی تم لوگ اس وقت تک اسلام قبول نہیں کرتے جب تک تمہارے شیاطین کو ہمارے سامنے حاضر نہیں کیا جاتا، میں نے خدا سے درخواست کی کہ ان لوگوں کو مجھے بخشد یجئے، خدا نے میری درخواست قبول کر لی اور تم لوگوں کو مجھے بخشد یا۔ اس کے بعد ان کی آنکھوں پر اپنا دست مبارک پھیر دیا فکشف لھم ان کے لئے کھولدیا۔ پھر یہ لوگ اپنے رشتہ داروں کے پاس چلے گئے اور ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دی۔

اسی کتاب کی ستائیسویں حکایت میں شیخ ابو محمد مسعود رومیؒ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا میں ایک بار اپنے شیخ ابو نجیب سہروردیؒ کے ساتھ بغداد کے شاہی بازار سے گذر رہا تھا اچانک آپ کی نظر ایک بکری پر پڑی جو کھال ادھیڑ کر لٹکائی جا چکی تھی، آپ قصاب کے قریب کھڑے ہو گئے اور فرمایا یہ بکری مجھ سے کہہ رہی ہے کہ میں مردار ہوں مجھے ذبح نہیں کیا گیا ہے یہ سنکر قصاب اسی وقت بیہوش ہو گیا، جب ہوش میں آیا تو آپ کی بات کی تصدیق کی اور آپ کے دست مبارک پر توبہ کی۔

مذکورہ الصدر راوی کہتے ہیں کہ ایک بار میں شیخ کے ساتھ کسی پل سے گذر رہا تھا ایک شخص کو دیکھا کہ بہت سارے میوے لے کر جا رہا ہے آپ نے اس شخص سے فرمایا یہ میوے میرے ہاتھ فروخت کر دو اس نے کہا یہ کیوں؟ میں آپ کے ہاتھ کیوں فروخت کروں؟ آپ نے فرمایا یہ میوے مجھ سے کہہ رہے ہیں کہ مجھے اس شخص سے نجات دلایئے۔ اس لئے کہ یہ مجھے شراب کے ساتھ کھانے کے لئے لے جا رہا ہے۔ وہ شخص یہ بات سنکر اسی وقت بیہوش ہو گیا اور منہ کے بل گر پڑا۔ ہوش میں آنے کے بعد اس

نے کہا خدا کی قسم! خدا کے سوا اس بات کو اور کوئی نہیں جانتا تھا پھر شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر توبہ کی۔

وہی راوی بیان کرتے ہیں کہ میں شیخ کے ساتھ کرخ سے گذر رہا تھا اور کرخ بغداد کے ایک محلہ کا نام ہے کہ ایک گھر سے شرابیوں کے شور و ہنگامہ کی آواز باہر آرہی تھی اور شراب کی بدبو، ماغ تک پہنچ رہی تھی، آپ اس گھر کی دہلیز میں داخل ہوئے اور دو رکعت نماز ادا کی، اس وقت اندر جو لوگ تھے وہ چیخ و پکار کرتے ہوئے باہر آئے اور کہنے لگے، برتنوں میں جتنی شراب تھی وہ سب پانی بن گئی وہ سب باہر آکر حاضر خدمت ہوئے اور توبہ سے مشرف ہوئے۔

آپ کے فرمودات

اسی مذکور الصدر کتاب کی ستائیسویں حکایت میں آپ کے فرمودات کو قلمبند کیا ہے

فرماتے ہیں:

تصوف کا ابتدائی حصہ علم ہے، درمیانی حصہ عمل ہے اور آخری حصہ موہبت اور موہبت ہی مراد کی انتہائی منزل تک پہنچاتی ہے۔

اہل دین کے تین طبقے ہیں

(۱) مرید طالب (۲) متوسط سائر (۳) منتہی واصل

مرید صاحب وقت ہوتا ہے، متوسط صاحب حال اور منتہی صاحب یقین

صوفیوں کے نزدیک تمام چیزوں میں بہتر اور افضل چیز پاس انفاس ہے، یعنی اپنی سانس کا نگہبان و پاسبان ہوتا ہے۔

( ) مرید کا مقام مجاہدے کرنا، ریاضت و عبادات کی سختیاں جھیلنا، طرح طرح کی مصیبتوں کو برداشت کرنا، تنہیوں کے گھونٹ پینا، نفس کی لذتوں سے، خوشبوں شہوتوں سے اور ان تمام باتوں سے الگ رہنا جن میں نفس کا فائدہ ہو۔

(۲) متوسط کا مقام مرادوں کی طلب اور مقصد کی کوشش میں سختیاں اٹھانی، اقوال و احوال میں سچا رہنا، مقامات میں آداب کا خیال رکھنا ہے اور

(۳) منتہی کا مقام صحو و ثبات ہے، نیز جہاں حق بلائے وہاں فوراً حاضر ہونا، جب مقامات سے گذر کر

محل تمکین میں پہنچ دے تو اس وقت خشی کے احوال میں کسی طرح کا تغیر نہ ہو اور احوال (کسی طرح کا خوف و ہراس) اس پر اثر انداز نہ ہو۔ سختی، نرمی، دینا، نہ دینا، جفا، وفا سب اس کی نظر میں یکساں ہو۔ بھوک اور کھانا دونوں اس کی نظر میں برابر ہو نیند اور بیداری میں کوئی امتیاز نہ رہے، تمام نفسانی لذتیں اور دلی خواہشیں مٹ جائیں اور ان کی حقیقتیں باقی رہیں، ایسے لوگ ظاہر خلق کے ساتھ رہتے ہیں لیکن ان کا باطن حق کے ساتھ ہوتا ہے۔

یہ لوگ ان اشعار پر عمل کرتے ہیں

لتفنى الحقيقة عن ذاتها

وتحمى الفناء عن عيان الحقيقة

وتبقى ملاالست فردا به

ابا لقوم بحار عميقه

وتعدم من عيبها طافرا

بكل الاز ذوق دقيقه

تمت الحجاب و تحى اللباب

وهذا نهاية علم الطريقة

آپ کی عظمت و بزرگی

شیخ ابو نجیب صوفیائے محققین کے سربراہ اور علمائے عارفین کے نشان راہ تھے، کشف ظاہر، کرامات، خوارق عادات، بہترین احوال، بلند و ارفع مقامات، انفاس صادق اور بلند و روشن معارف کے حامل تھے، مدرسہ نظامیہ میں درس دیتے اور فتویٰ لکھتے، آپ علوم شریعت و حقیقت میں بہت ساری کتابوں کے مصنف ہیں۔ مفتی العراقین اور قدوۃ الفریقین کے القاب سے لوگ آپ کو یاد فرماتے۔ آپ اس راہ کے آزاد[1] لوگوں میں شمار کئے جاتے۔ آپ سادات کے امام تھے اور اساتذہ میں بلند مقام

---

[1] جو شخص بہ تن جمال وجلال حق سبحانہ تعالیٰ کی طرف اس طرح متوجہ ہو کہ دونوں جہان سے اس کا دل مردہ ہو تمام قیودات بشری اور رسومات جسمانی سے اسے خلاصی حاصل ہو کر معاشی و معاد سے بے فکر ہو اسے آزاد کہتے ہیں۔ ایسا شخص سوائے ذات حق سبحانہ کے کسی دوسری طرف متوجہ نہیں ہوا کرتا۔ اصطلاحات صوفیہ، ص: ۱۳۰-۱۳۱

رکھتے۔ حقائق میں آپ کی روش بہت خوب و معانی میں آپ کا مقام بہت بلند تھا۔ آپ مقام قرب میں
قیام فرمانے والے و مقامِ تجلیس میں قدمِ راسخ رکھنے والے تھے۔ اخلاص کی بزرگی اور خلوص کی پاکیزگی
میں آپ کو شہرت حاصل تھی، آپ کے گرد علماء اور مشائخ ادب و احترام کے ساتھ حاضر رہتے، لوگوں کے
درمیان آپ کو قبولیت عام حاصل تھی آپ نے جماعت صوفیہ کے احوال کی شرح کی ہے۔ آپ عمامہ کا
مال زیب تن فرماتے، اونٹ پر سوار ہوتے، قالین کا فرش رکھتے، آپ بہت خوبصورت اور ظاہری حسن
کے حامل تھے، لباس فاخرہ زیب تن فرماتے۔

عہد رسالت سے قربت کے اثرات

خزانۃ جلالی میں آیا ہے کہ ایک شخص سلطان المشائخ شیخ ضیاء الدین ابونجیب سہروردی قدس اللہ
سرہ کی خدمت میں روتا ہوا آیا اور عرض کیا مخدوم! جب میں جوانی کی منزلوں میں تھا تو کبھی بھی فاسد
خیالات اس میں پیدا نہیں ہوئے لیکن جب میں بوڑھا ہو گیا ہوں تو طرح طرح کے فاسد خیالات دل
میں پیدا ہو رہے ہیں۔ اور خیال ہوتا ہے کہ میں نے ایسا کیوں نہیں کیا۔ آپ نے جواب دیا کہ تمہاری
جوانی کا وہ زمانہ حضور نبی کریم ﷺ کے زمانے سے قریب تھا عہد رسالت سے دوری کی وجہ سے جب
صحابہ اور صلحا کو فساد کے زمانہ میں وقت گذارنا پڑا تو اگر تمہارے دل میں فاسد خیالات پیدا ہو رہے ہیں تو
اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔

تواضع

حضرت شیخ نظام الدینؒ کے ملفوظ ''نظامی'' میں تحریر ہے کہ ایک دفعہ شیخ ابونجیب سہروردیؒ کی
خدمت میں کسی دنیادار نے قیدیوں کے سر پر کھانا رکھوا کر بھیجا جب دسترخوان بچھ کر کھانا چنا گیا آپ نے
ان قیدیوں کو بھی دسترخوان پر ایک طرف بیٹھنے کا حکم دیا۔ پھر اپنی جگہ سے اٹھے اور ان قیدیوں کے ساتھ
بیٹھ کر کھانے میں شریک ہو گئے۔ اس لئے کہ حدیث ہوتی ہے، ان من راس التواضع ان تبدء
بالسلام علی من لقیت و ترد علی من سلم علیک و ان ترضی بالدون من المجلس
و ان لا تحب المدحۃ و التزکیۃ و البر (تواضع کا اصل درجہ یہ ہے کہ جب کسی سے ملاقات ہو تو
سلام میں پہل کرو، جو تمہیں سلام کرے اس کے سلام کا جواب دو، مجلس میں بیٹھنے کے لئے کمتر جگہ پر
بیٹھنے میں خوشی محسوس کرو اپنی اچھائی، خوبی، اور تزکیہ کی تعریف کو ناپسند کرو۔)

کھانے کے وقت نماز میں ہونا

عوارف میں آیا ہے آپ نے فرمایا انا اکل وانا اصلی یعنی میں کھانا کھاتا ہوں مگر کھانا کھانے کے وقت بھی نماز میں ہوتا ہوں۔ آداب المریدین سے منقول ہے کہ بشریت کسی سے زائل نہیں ہوتی ہے۔ نفس کی غلامی سے آزاد ہونا صدیقوں کے حق میں جائز ہے، عارفوں سے صفات مذمومہ ختم ہو جاتے ہیں، لیکن مریدوں سے ختم نہیں ہوتے بلکہ دب جاتے ہیں۔

اہل دنیا اہل دین اور مخصوصین کے آداب

آپ نے فرمایا جس نے ادب کو اختیار کیا مردوں کے مقام تک اس کی رسائی ہوگی۔

اہل دنیا کا ادب فصاحت و بلاغت کا سیکھنا، علوم (ظاہری) حاصل کرنا، بادشاہوں کے قصے معلوم کرنا اور عربی اشعار کا یاد کرنا ہے، لیکن اہل دین کا ادب یہ ہے کہ نفس کو ریاضت میں ڈالا جائے، اعضاء و جوارح کو ادب سکھایا جائے۔ طبیعت کو آراستہ کیا جائے، شرعی حدود کی حفاظت کی جائے۔ شہوتوں کو ترک کیا جائے۔ شکوک و شبہات سے اجتناب کیا جائے اور خیر و صلاح کی طرف پیش قدمی کی جائے۔

اہل دین میں مخصوص لوگوں کا ادب یہ ہے کہ دل کی پوری طرح حفاظت کی جائے اسرار کی حفاظت و رعایت کی جائے اپنے ظاہر و باطن میں یکسانیت پیدا کی جائے اور اہل تصوف کی بزرگ ترین صفت اخلاق ہے۔

راہ سلوک طے کرنے کے مختلف طریقے

آپ نے فرمایا حضرات صوفیا کا مقصود تو ایک ہی ہے لیکن سالکین کے مقامات کے فرق کی وجہ سے طریقے الگ الگ ہیں۔ بعض لوگوں نے سلوک کے لئے عبادت کا طریقہ اختیار کیا ہے۔ یہ لوگ ہمیشہ باوضو رہتے ہیں محراب میں رو کر سربسجود رہتے ہیں۔ کثرت ذکر و نوافل میں مشغول رہتے ہیں اوراد و وظائف میں ہمیشہ لگے رہتے ہیں۔

☆ بعض لوگوں نے سلوک کو ریاضت و مجاہدے کے ذریعہ حاصل کیا ہے مشقتیں اٹھاتے ہیں نفس کو اس کی مخالف چیزوں سے مقہور و مغلوب کرنے کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔

☆ بعض لوگوں نے سلوک کے لئے خلوت و گوشہ نشینی کا طریقہ اختیار کیا ہے۔ یہ لوگ خلق سے میل

جن کی آفات سے سلامت رہنے کے لیے خلوت میں رہتے ہیں۔

☆ بعض لوگ وہ ہیں جنہوں نے سلوک کے لئے سفر و سیاحت کے ذریعہ گمنامی اور غربت کو اختیار کیا ہے۔

☆ بعض لوگوں نے سلوک کی راہ اپنے دینی بھائیوں کی خدمت، ان کے ساتھ داد و دہش اور ان کے وقت کو خوش کر کے طے کی۔

☆ بعض لوگوں نے مجاہدہ کر کے مشکل اور دشوار گذار کاموں کو انجام دے کر اور اپنے احوال کو آراستہ کر کے سلوک کی منزلوں کو طے کیا۔

☆ بعض لوگوں نے سلوک کو طے کرنے کے لئے اپنے جاہ و مرتبہ کو مخلوق کے سامنے اپنے پیروں سے روند ڈالا، مخلوق کی طرف بہت کم متوجہ ہوئے ان کی بھلائی و برائی کی جانب کبھی التفات نہیں کیا۔

☆ بعض لوگوں نے سلوک کو عجز و انکسار کے ذریعہ طے کیا۔

☆ بعض لوگ وہ ہیں جنہوں نے سلوک کی منزلوں کو طے کرنے کے لئے تحصیل علم کو ذریعہ بنایا، علماء کی مجلسوں میں رہے۔ اخبار و احادیث کی سماعت کی اور دیگر علوم کی حفاظت کی۔

مرشد اور رہبر کی ضرورت

آپ نے فرمایا کہ سالک جس طریقہ کو بھی اختیار کرے ہر حال میں وہ ایک رہبر مرشد اور اس مرشد کے ذریعہ حاصل شدہ دلیل کا محتاج ہوتا ہے تاکہ وہ سالک حیرت و استعجاب اور فتنہ و فساد سے محفوظ و سلامت رہے۔

دین و مذہب کے مخالف سے پرہیز کا حکم

آپ نے فرمایا اس شخص کی صحبت اختیار نہ کی جائے جو اس کے دین و مذہب کا مخالف ہو گرچہ اس کا قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔

جاہلوں کے ساتھ حسن سلوک

جاہلوں کی صحبت میں اگر رہنا پڑے تو ان کی باتوں پر صبر جمیل سے کام لے، حسن خلق سے پیش

ئے ان کو رحمت کی نظر سے دیکھے اور وہ اپنی جہالت کی وجہ سے جو ناشائستہ گفتگو کریں اس پر تحمل کرے جس کی جہالت جتنی زیادہ ہو اس کے مقابلہ میں اتنا ہی علم اور بردباری اعلیٰ و ارفع طریقے سے پیش کرے۔

صحبت کے درجات اور اسکی فضیلت

آپ کا ارشاد ہے کہ صحبت کے چند درجے ہیں۔ پہلا درجہ معرفت ہے۔ دوسرا مودت ہے تیسرا الفت ہے، چوتھا عشرت ہے، پانچواں محبت ہے اور چھٹا خوت ہے۔

جب صحبت کی تمام شرطیں صحیح و درست ہو جاتی ہیں تو یہ صحبت تمام احوال سے زیادہ بہتر و افضل شمار کی جاتی ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین علم فقہ، عبادت، زہد، توکل اور رضا میں تمام لوگوں سے زیادہ افضل و بزرگ تھے مگر اس کے باوجود ان کو جو فضیلت حاصل ہے وہ صحبت رسول کی وجہ سے حاصل ہوئی۔ فقہ، عبادت، زہد وغیرہ کی وجہ سے حاصل نہیں ہوئی۔ اس لیے کہ صحبت تمام فضیلتوں سے افضل ہے۔ علی بن بندار صوفی اور عبداللہ ابن خفیف دونوں ایک ساتھ روانہ ہوئے عبداللہ ابن خفیف نے علی بن بندار سے فرمایا کہ آپ آگے چلیں۔ علی بن بندار نے فرمایا ایسا کیوں، عبداللہ نے جواب دیا کہ آپ نے حضرت جنید کی زیارت کی ہے اور میں نے ابھی تک ان سے ملاقات نہیں کی۔

عقلمند کی صحبت میں رہنے کا حکم

اس شخص کی صحبت اختیار کی جائے جس کی عقل اس کے دین سے زیادہ مکمل ہو۔ اس لئے کہ اس کا دین اسی کے لئے ہے لیکن اس کی عقل تمہارے لیے بھی ہے اور اس کے لئے بھی۔ اس کی صحبت سے احتراز کیا جائے جس کی ہمت صرف دنیا اور خواہشات نفس کے لئے ہو ایسے ہم نشیں سے دور رہو جس سے نہ تم کو فائدہ پہنچتا ہو اور جس کو نہ تم فائدہ پہنچاتے ہو۔

اقوال زریں

☆ انسان کے نفس کی خود پسندی اس کے عقل کی خرابی کی دلیل ہے جب تمہارے پاس فقرا آئیں تو ان کی خدمت بلا تکلف کرو۔ اگر تم بھوکے رہو وہ بھی بھوکے رہیں اگر تم سیر ہو کر کھاؤ تو وہ بھی سیر ہو کر کھائیں۔

☆ برے لوگوں کی صحبت میں رہنا ایسا ہی ہے جیسے دریا میں سفر کرنا۔ دریا میں سفر کرنے والے کا جسم محفوظ و سلامت رہے تو رہے لیکن اس کا دل خوف و خطر سے خالی نہیں رہتا۔ کھانے کا ذکر مطلقاً نہیں کرنا چاہئے کیوں کہ یہ شدت حرص کی علامت ہے۔ نفس کو اس کا حق ملنا چاہئے نہ کہ نفسانی لذت حاصل کی جائے۔ نہ کسی کھانے کی برائی کی جائے اور نہ کسی کھانے کی تعریف۔

☆ بدکاروں اور ظالموں کے کھانے سے پرہیز کرنا چاہئے اگرچہ وہ ان کی کمائی کی روزی سے کیوں نہ ہو۔

☆ سماع میں وجد باطنی صفات کا خاصہ ہے جس طرح طاعت ظاہری صفات کا خاصہ ہے۔

☆ صدقہ دینے والا صدقہ قبول کرنے والے سے زیادہ بزرگ نہیں ہے اگر صدقہ قبول کرنے والا واقعی حاجتمند ہے۔ جس نے بلا کو مبتلا کرنے والے کی جانب سے دیکھا تو اس مشاہدہ کی وجہ سے اس کو بلا کی تلخی اور سختی محسوس نہیں ہوتی۔

☆ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدائے تعالیٰ جس طرح اس بات کو پسند فرماتا ہے کہ اس کے فرائض و واجبات ادا کئے جائیں اسی طرح اس بات کو بھی پسند کرتا ہے کہ جن باتوں کی اس نے اجازت اور رخصت[1] دی ہے انہیں بجا لایا جائے۔

☆ آپ نے فرمایا رخصت ایک چشمہ ہے جہاں مبتدی اترتا ہے متوسط حیرت میں گم رہتا ہے۔ عارف وہاں راحت محسوس کرتا ہے اور محقق اس کو اپنی قیام گاہ نہیں بناتا۔ اہل حالت انتظار میں وہاں سے گذر جانے کی نیت سے ٹھہر جاتا ہے۔

☆ جس نے حقیقت کے درجہ سے نزول کیا وہ رخصت میں آکر ٹھہر جاتا ہے اور جو رخصتوں سے گر جاتا ہے وہ گمراہی اور جہالت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ جو رخصتوں پر عمل کرے گا رخصتوں کے آداب کو بجا لائے گا اور اصول ثلاثہ کو اپنے اوپر لازم کرے گا وہ بھی مشابہت کرنے والوں میں شمار کیا جائے گا مشائخ کا اس بات پر اجماع و اتفاق ہے کہ جو شخص ان تینوں اصولوں سے خالی ہوگا یا ان میں سے کسی ایک سے بھی خالی رہا وہ احکام مذہب سے خارج سمجھا جائے گا۔ وہ اصول ثلاثہ یہ

---

1. رخصت کے معنی امور جائز کے ہیں جس کے کرنے یا نہ کرنے کا اختیار مکلف کو دیا گیا ہو۔ (ترجمہ آداب المریدین مطبوعہ عہد بازار حیدرآباد ص ۱۳۲)

ہیں۔

(۱) فرائض کی ادائیگی (۲) خوف شرع احکام سے اجتناب (۳) دنیا کو دنیا والوں کے لئے چھوڑ دینا مگر ہاں جو چیزیں ضروری و لازمی ہیں ان کو مستثنیٰ کیا گیا ہے۔ چار چیزیں ایسی ہیں جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا سے مستثنیٰ کر دیا ہے اور فرمایا ہے کہ دنیا کی چار چیزیں ایسی ہیں جو دنیا ہوتے ہوئے بھی دنیا نہیں ہیں اور وہ یہ ہیں۔

(۱) روٹی کا وہ ٹکڑا جس سے بھوک بجھائی جائے۔ (۲) وہ لباس جس سے ستر پوشی کی جائے۔ (۳) وہ گھر جو سردی گرمی میں پناہ گاہ بن سکے۔ (۴) وہ نیک بخت عورت جس سے تو آرام پا سکے۔ ان چیزوں کے علاوہ جو کچھ ہے اس میں تمہارا کوئی حق نہیں۔

☆ تمام رخصتوں میں ہر رخصت کا ایک باب ہے۔ اس مختصر رسالہ میں تمام رخصتوں کی تفصیل و ان سے آداب کی تشریح کی گنجائش ممکن نہیں۔ جو ان کی تفصیل دیکھنا چاہتا ہے وہ آداب المریدین کا مطالعہ کرے۔

آپ کی اور آپ سے وابستہ مریدوں کی مستند کتابیں

حضرت خواجہ ضیاء الدین ابو نجیب سہروردی کے مناقب اس قدر ہیں کہ ان کو بیان نہیں کیا جا سکتا۔ آپ اپنے وقت کے جنید تھے اور سارے مشائخ آپ ہی کی طرف رجوع ہوتے۔ آپ کے بعد بھی آج تک سارے مشائخ طریقت آپ کی اور آپ کے متبعین کی تصنیفات سے مستفید ہو رہے ہیں۔ مثلاً آداب المریدین خاص آپ کی تصنیف ہے۔ عوارف آپ کے مرید و خلیفہ شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردی کی کتاب ہے۔ تحفہ و رسالہ در بیان سلوک طریق اور دوسری تصنیفات جو آپ کے مرید و خلیفہ خواجہ نجم الدین کبریٰ کی تصنیف ہے۔ مرصاد جو خواجہ نجم الدین کبریٰ کے مرید و خلیفہ شیخ مجد الدین بغدادی کی تصنیف ہے۔ رسالہ جو شیخ برہان الدین سمرقندی کے مرید و خلیفہ کی تصنیف ہے۔ شیخ برہان الدین سمرقندی شیخ عبدالرحمن کبریٰ کے مرید و خلیفہ ہیں اور وہ شیخ احمد گوریانی کے مرید و خلیفہ ہیں وہ شیخ علی لالا کے اور وہ شیخ مجد الدین بغدادی کے جن کا ذکر اوپر آیا۔ انہیں بزرگوں کے شجرہ سے ارادت و خلافت کی نسبت رکھنے والے مشہور بزرگ حضرت شیخ شرف الدین منیری کی تصنیف شرح آداب المریدین اور آپ کے مکتوبات۔ یہ سب کتابیں ہر دور میں مشائخ کو مستفید کرتی رہیں۔

آداب المریدین کی شرح میرا فرزند معنوی کرے گا

سننے میں آیا ہے کہ بعض درویشوں نے شیخ ضیاء الدین سہروردی سے آداب المریدین کی شرح لکھنے کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا کہ میرے فرزندوں میں سے ایک فرزند اس کی شرح کرے گا۔ واللہ اعلم اور وہ فرزند یہی حضرت شیخ شرف الدین منیری ہیں۔ مشائخ اہل معنی ہوتے ہیں۔ مریدوں کو یہ فرزند کہتے ہیں اس لئے کہ مرید فرزند معنوی ہوتا ہے۔

اسم گرامی لقب اور کنیت

خواجہ ضیاء الدین کا اسم گرامی عبد القاہر بن عبد اللہ بن محمد السہروردی ہے۔ ضیاء الدین آپ کا لقب اور ابوالنجیب کنیت ہے۔

اخذ نسبت

آپ نے حضرت خواجہ قاضی وجیہ الدین ابو حفص سے خرقہ طریقت پایا تھا۔ خزینۃ الاصفیاء میں ہے کہ آپ کو شیخ احمد غزالی سے بھی فیض صحبت اور اخذ طریقت کا شرف حاصل ہوا تھا۔ شیخ احمد غزالی کو ابوبکر نساج سے، ان کو عثمان مغربی سے، ان کو ابو علی رودباری سے اور ان کو جنید بغدادی سے خرقہ حاصل تھا۔ جہاں تک نسبت خرقہ کی بات ہے تو قاضی میں اختصاراً بھی ای خرقہ سے وابستہ تھے اس لئے کہ آپ نے خود اپنے رسالہ بیدار نامہ میں اس بات کی وضاحت کر دی ہے کہ آپ کے پیر شیخ احمد غزالی ہیں اور جیسا کہ میں نے سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ مجموعی طور پر جتنے مشائخ گذرے ہیں وہ جنیدی نسبت رکھتے ہیں۔

یہ مشائخ جنیدی نسبت کے حامل تھے

جو شہرت و مقبولیت ساری دنیا میں جنیدی سلسلہ کو حاصل ہوئی دوسرے کو نہیں ملی۔ چنانچہ صاحب فصوص حضرت ابن عربی، شیخ سعدی شیرازی، شیخ فرید الدین عطار، خواجہ حمید الدین ناگوری اور شیخ شرف الدین پانی پتی رحمۃ اللہ علیہم سب کے سب جنیدی ہیں اور ان سب کا مذہب صحو ہے۔ جیسا کہ ان

---

1 سالک کا حق توحید حقیقی میں پہنچ کر فوق مراتب سے غافل نہ ہونا۔ (اصطلاحات صوفیہ ص ۸۹)

بزرگوں کی تصنیفات اور عبارات سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور جب یہ سب کے سب جنیدی ہیں تو یہ بات ثابت ہوگئی کہ سب کو اس شجرۂ طیبہ کی نسبت پہنچی ہے۔ فرداً فرداً سب کی نسبت لکھنے کی ضرورت یہاں پر باقی نہیں رہ جاتی۔ یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ سب کے مرجع حضرت خواجہ جنیدی ہیں۔

تاریخ وفات

خواجہ ضیاء الدین ابونجیب کی وفات شب پنجم ۱۲ رجمادی الثانی ۵۶۳ ہجری کو بغداد میں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ آپ پر اور آپ کی اتباع کرنے والوں پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔

ذکر

حضرت خواجہ نجم الدین کبریٰؒ

خداوندا بنور مہر معنیٰ

سپہر فیض نجم الدین کبریٰ

آداب والقاب

بحرِ وحدت کی گہرائیوں میں غوطہ لگانے والے، میدانِ کثرت میں شہسواری کرنے والے، تجرید[1] کی حقیقتوں پر عبور رکھتے ہوئے ملکِ فردیت کے سلطان، عالمِ توحید کے اسرار و رموز کو سمجھتے ہوئے ممالک زوجیت کے شہنشاہ رندانِ خرابات کی رہنمائی فرمانے والے چہ ان مناجات کو واصل بحق کرنے والے، مشائخ طریقت کی حقیقت میں امامت فرمانے والے معرفت کی مشکلات کی باریکیوں کو کھولنے والے، حقیقت کے حقائق کو اس طرح واضح کرنے والے کہ کوئی شک وگمان باقی نہ رہے۔ اصحاب صحو اور ارباب تمکین کے لئے باعث فخر وہ بلند ہمت جن کی معمولی ہمت بھی فلک سے برتر و رفیع ہے یعنی ابو الجناب احمد بن عمر الصوفی المشتہر بخواجہ نجم الدین کبری قدس اللہ سرہ و اسرار اتباعہ وافاض المسلمین علینا برکاتہ آثارہ کا شمار مشائخ عظام اور صوفیائے کبار میں ہوتا ہے آپ ریاضت ومجاہدہ میں بلند مقام رکھتے تھے۔ سلوک طریقت میں ایسی روش کی بنیاد رکھی جس سے منزل مقصود تک جلد رسائی ہو جائے۔ آپ کی روش کا بنیادی اصول موتوا قبل ان تموتوا (مرنے سے قبل مرجاؤ) ہے اور آپ کی طریقت کا نچوڑ فنا فی التوحید ہے۔ آپ پر انوار وحدت کا غلبہ رہتا ہے۔ اور توحید اخص الخاص میں آپ کی عجب شان تھی اطوار کثرت کے تصرف میں آپ یگانہ روزگار تھے۔ کشف وکرامات اور خوارق عادات کا ظہور آپ سے بکثرت ہوتا۔ عام آدمی آپ کے فیضانِ نظر سے ولی ہو جاتا اور ولی پر آپ کی نگاہ پڑتی تو وہ کمال کے

۱۔ خلق اللہ اور تعلقات دنیوی سے علیحدہ ہو جانا تجرید ہے اور خودی یعنی ذات سے کنارہ کش ہو جانا تفرید ہے۔

([illegible] ص ۳۹۲)

درجہ پر پہنچ جاتا۔ آپ کا فیض عام اس طرح تھا کہ ناقابل قابل بن جاتا توحید و معرفت اور طریقت و حقیقت کے اصول و ضابطہ کو بے مثال انداز میں بیان فرماتے عربی و فارسی نظم و نثر میں آپ کی تصنیفات بہت زیادہ ہیں۔ آپ کی تمام تصنیفات میں تبصرہ اور رسالہ در بیان طریق سلوک کو ہندوستان میں بہت زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔

شیخ اوحدی علیہ الرحمۃ والغفران نے اپنی کتاب مستجاب میں جو مناقب نظم کی ہے اس میں حضرت خواجہ نجم الدین کے مناقب کو اس طرح پیش کیا ہے۔

یارب بہ ولی تراش مطلق　　آں نجم نجوم ملت و حق
یارب بمقام آں مقدم　　پیر کبری کبیر عالم
یارب بکمال پیر خوارزم　　آں وارث ہمہ اولوالعزم
یارب بکمال بخش بے رنج　　واصل کن مجد دیں بشطرنج
یارب بہ نو نکتہ دانش　　از تبصرہ منکشف معانیش
یارب بہ بیان بے مقالات　　بے منطق خواب محو آیات
یارب بسکون رہنمونی　　با دعوی صاحب سلونی
یارب بولی تراشی او　　خاصیت فیض پاشی او
یارب بصباح فیض پاشی　　از سگ بنظر ولی تراشی
یارب بہ نگہ او اثر یافت　　ہر کس کہ زکلب او نظر یافت

۱۔ اے اللہ اس شخصیت کے طفیل جسے نجم الدین کہتے ہیں جو کامل ولی تراش ہوئے اور جو دین حق کے ستاروں میں سے ایک روشن و تابناک ستارہ بن کر چمکے۔
۲۔ اے اللہ اس ذات گرامی کے مقام خاص کے طفیل جو دنیا میں پیر کبری اور کبیر عالم کے نام سے مشہور ہوئے۔
۳۔ اے اللہ اس پیر خوارزم کے کمال مرتبت کے طفیل جو صاحبان عزیمت و ہمت کے وارث ہوئے۔
۴۔ اے اللہ اس ذات اقدس کے طفیل جو بغیر کسی محنت و مشقت کے درجہ کمال پر پہنچانے والے ہوئے اور جنہوں نے مجد الدین بغدادی کو شطرنج جیسے کھیل کے ذریعہ درجہ کمال پر پہنچادیا۔
۵۔ اے اللہ اس عارف کامل کے طفیل جن کی نکتہ دانی اور جن کے معانی کا اظہار ان کی مشہور کتاب

تبصرہ سے ہوتا رہا۔

۶۔ اے اللہ اس ذات بابرکات کے طفیل جن کی خاموشی گفتگو تھی اور جو خاموش رہ کر ایسا جواب دیتے جس سے دوسروں کے سارے ثبوت محو ہو جاتے۔

۷۔ اے اللہ اس مرشد کامل کے طفیل جو سکون اطمینیت کے ساتھ حق سوئی کا دعویٰ کرنے والے کی رہنمائی فرمانے والے ہوئے۔

۸۔ اے اللہ اس شخص کے طفیل جو ولی تراش ہوئے اور فیض بخشی جن کی خاصیت و صفت رہی۔

۹۔ اے اللہ اس ذات قدس کے طفیل جو شیخ کے اپنی فیض بھری نظر ڈال کر کتے کے اندر ولایت کی صفت پیدا کرنے والے ہوئے۔

۱۰۔ اے اللہ اس نگاہ پر اثر کے طفیل جس نے کتے کے اندر یہ صفت ڈال دی کہ اس کتے کی نظر جس پر پڑ جائے وہ ولی ہو جائے۔

اس نظم کے شارح شیخ احمد کی نے ان اشعار کی تشریح بھی اسی کتاب کے حاشیہ میں کر دی ہے۔

شطرنج کے ذریعہ تکمیل منازل

شیخ نجم الدین کبریٰ ایک مرتبہ بازار سے گزر رہے تھے۔ شیخ مجد الدین بغدادی جو اپنے وقت کے شیخ اور مرصاد کے مصنف کے چچا ہیں اس وقت خوبصورت نوجوان تھے اور کسی بازار میں بیٹھ کر لڑکوں کے ساتھ شطرنج کھیلنے میں مشغول تھے شیخ نجم الدین کبریٰ کی جب ان پر نظر پڑی تو اپنے خادم کو بھیجا اور فرمایا کہ اس جوان سے جاکر کہو کہ اگر شطرنج کی کھیلنا ہے تو یہاں آکر نجم الدین کے ساتھ کھیلے۔

خادم جب وہاں پہنچا اور اس سے حضرت کا پیغام کہا تو شیخ مجد الدین نے اپنا بساط لپیٹا اور خادم کے ساتھ حضرت کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ خواجہ نجم الدین نے فرمایا کہ بساط بچھاؤ۔ جب بساط بچھایا تو خواجہ نے سفید مہرے ان کے سامنے رکھے اور سیاہ اپنی طرف اور کھیل شروع ہو گیا ہر ایک مہرہ چلنے پر طریقت کا ایک مقام طے کرا دیتے۔ یہاں تک کہ جب مات کر دیا تو خدا تک پہنچا دیا اور خلافت سے بھی سرفراز فرمایا۔

ولی تراش

آپ کو ولی تراش اس لئے کہتے ہیں کہ جس پر بھی نگاہ ڈال دیتے وہ اسی وقت ولایت کے درجہ پر پہنچ جاتا۔

شیخ نجم الدین کبری اور امام رازی کا واقعہ

شیخ اوحدی لکھتے ہیں کہ تبصرہ شیخ نجم الدین کبری کی ایک مختصر تصنیف ہے۔ وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ شیخ نجم الدین جب بغداد پہنچے تو وہاں شیخ الشیوخ (شہاب الدین سہروردی) اور امام فخر الدین رازی دونوں موجود تھے۔ خلیفہ وقت نے ایک مجلس بلائی جس میں شیخ نجم الدین شیخ الشیوخ اور دوسرے تمام مشائخ عظام وعلماء کرام کو شرکت کی دعوت دی۔ مگر اس مجلس میں امام فخر الدین رازی کو یہ کہہ کر مدعو نہیں کیا کہ یہ مباحثہ والے آدمی ہیں اور میں یہ پسند نہیں کرتا کہ مشائخ کے سامنے کسی طرح کی بحث ہو اور یہ تفرقہ کا سبب بن جائے۔

جب یہ بات امام فخر الدین کو معلوم ہوئی تو وہ بغیر بلائے مجلس میں پہنچ گئے اور آتے ہی شیخ نجم الدین سے آگے بڑھ کر صدر میں بیٹھ گئے اور اپنی فوقیت کا اظہار کیا۔ اگرچہ فقرا اس طرح کی باتوں سے بے نیاز ہوتے ہیں لیکن پھر بھی شیخ نجم الدین کی باطنی کیفیات کا اندازہ خلیفہ کو ہو گیا اور خلیفہ نے امام فخر الدین سے کہا کہ آپ اس مقام کو چھوڑ کر دوسری جگہ تشریف رکھیں۔ امام فخر الدین اس بات سے شرمندہ ہو گئے۔ اور اپنی شرمندگی مٹانے کے لئے شیخ الشیوخ سے ایک مسئلہ دریافت کر لیا۔ ان کی نیت یہ تھی کہ مشائخ کو بحث میں الجھا کر اور شکست دے کر خلیفہ کے سامنے اپنی بڑائی ظاہر کر دیں۔ اور خلیفہ کو اپنی رائے پر نادم ہونا پڑے۔ شیخ الشیوخ نے اس مسئلہ کا شافی جواب دے دیا۔ لیکن امام رازی نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ شیخ نجم الدین سے ایک دوسرا سوال کر دیا شیخ نے سوچا کہ ہم لوگ فقرا ہیں اگر ان سے بحث کرتے ہیں، سوال وجواب ہوتا ہے تو پھر ہم لوگوں میں اور ان میں کیا فرق باقی رہ جائے گا۔ اس لئے بظاہر خاموش رہے لیکن ان پر اپنی باطنی نظر ڈال دی اور ان کا نصف علم ان کے سینہ سے سلب کر لیا امام فخر الدین رازی اس وقت اپنی برتری میں اس درجہ کھوئے ہوئے تھے کہ اس نصف علم کے سلب ہونے کی خبر نہ ہو سکی اور انہوں نے جواب کا تقاضا پھر کر دیا۔ یہ سن کر شیخ نجم الدین نے فرمایا کہ کیا پورا

جواب چاہئے؟ اس کے بعد ایک دوسری نظر ڈالی اور ان کا سارا علم سلب کر لیا چنانچہ امام فخر الدین رازی اپنے رسالہ میں خود لکھتے ہیں کہ اس وقت میں پوری کوشش کر رہا تھا کہ حروف تہجی میں سے ایک حرف بھی یاد آ جائے لیکن یاد نہیں آیا علم کی ساری برکتیں زائل ہو چکی تھیں۔ آخر خلیفہ کی موجودگی میں اپنی غلطیوں کی معافی مانگی اور شیخ نے فرمایا "جاؤ اپنے حال پر ہو جاؤ"۔ امام فخر الدین کہتے ہیں کہ جس وقت شیخ نے یہ ارشاد فرمایا اس وقت پہلے سے زیادہ علم سینہ میں آ گیا۔ اس واقعہ سے پہلے وہ لوگوں سے کہا کرتے تھے سلونی ما تحت العرش (عرش کے نیچے کی باتیں مجھ سے دریافت کرو) اور خلیفہ کی مجلس سے آنے کے بعد وہ کہنے لگے سلونی ما فوق العرش (عرش کے اوپر کی باتیں مجھ سے پوچھو) لوگوں نے عرض کیا آخر کیا بات ہے۔ پہلے آپ کچھ کہتے تھے اب کچھ کہنے لگے۔ انہوں نے جواب دیا کہ پہلے میں عرش کے نیچے کی باتیں جانتا تھا اب عرش کے اوپر کی باتیں بھی جاننے لگا۔

کتے پر شیخ کی نظر

کہا جاتا ہے کہ شیخ نجم الدین پر صبح کے وقت ایک خاص فیضان ہوتا تھا۔ اور اس وقت آپ کی نظر جس پر بھی پڑ جاتی وہ شخص ولی ہو جاتا۔ چنانچہ ایک دن صبح کے وقت حجرے سے باہر نکلے اس وقت کوئی شخص ایسا دکھائی نہیں دیا جس پر آپ کی نگاہ پڑتی آخر حجرے سے باہر تشریف لے آئے۔ اس وقت ایک کتا آپ کے دروازے کے سامنے سے گزر رہا تھا۔ شیخ کی نظر اس کتے پر پڑ گئی اور وہ ولی صفت ہو گیا۔ اگر کوئی امتحان کے خیال سے حرام غذا اس کے سامنے رکھتا تو وہ نہیں کھاتا اور صبح سویرے اس کتے کی نظر جس پر پڑ جاتی وہ ولی ہو جاتا۔ یہاں تک کہ صوفیا کی ایک جماعت کا نام ہی کلبیہ ہو گیا۔ اس لئے کہ اس جماعت پر شیخ کے کتے کی نظر پڑ گئی ہے۔

شیخ کے عربی اشعار

شیخ واحدی نے مراتب السالکین میں شیخ نجم الدین کبریٰ علیہ الرحمۃ کے یہ شعر تحریر فرمائے ہیں

لبس التصوف فاعلمهن مرقعا ۔۔۔ او ركوة او كثرة اسفارا

تصوف نہ تو گدڑی و پیوند لگے کپڑے پہننے کا نام ہے اور نہ ہی رکوۃ کا لئے یا زیادتی سفر کا نام ہے۔

او بذل مال او صلوٰۃ تہجد　　او حج بیت او صیام نہارا

تصوف مال و دولت کی بخشش وعطا، نماز تہجد، حج بیت اللہ اور روزوں سے بھی عبارت نہیں ہے

لکن مراقبۃ الالٰہ بسرہ　　　ودوام ذکر او احترام کبارا

بلکہ تصوف تو اسرار ربانی میں مراقبہ کے ساتھ ڈوب جانے اور بزرگوں کے احترام کے ساتھ ذکر دوام کا نام ہے۔

شیخ کی فارسی رباعی

اسی کتاب میں شیخ نجم الدین کبریٰ علیہ الرحمۃ کے یہ اشعار بھی نقل کیے ہیں۔

با درد بساز چون دوائے تو منم
با کس منشین چو آشنائے تو منم
گر بر سر کوئے ماکشتہ شوئی
شکرانہ بدہ کہ خون بہائے تو منم

(جب میں ہی تمہاری دوا ہوں تو پھر درد سے سمجھوتہ کرلو جب میں ہی تمہارا آشنا ہوں تو پھر دوسروں کی صحبت سے الگ ہو جاؤ۔ جب میں ہی تمہارا خوں بہا ہوں تو پھر میری گلی میں قتل ہونے پر شکرانہ ادا کرلو)

معرفت الٰہی سے متعلق امام رازی کا سوال

حضرت شیخ الاسلام شیخ حسین معز شمس بلخی کے ملفوظ گنج لایخفیٰ میں آیا ہے کہ ایک بار شیخ الشیوخ شہاب الدین اور حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ ایک جگہ تشریف فرما تھے۔ امام فخر الدین رازی بھی وہاں آ گئے اور ان دونوں بزرگوں کے پاس بیٹھ گئے انہوں نے شیخ الشیوخ سے پوچھا کہ اے مخدوم زادہ! یہ کون شخص ہیں جو آپ کے ساتھ بیٹھے ہیں؟ حضرت شیخ الشیوخ نے فرمایا کہ حضرت خواجہ ضیاء الدین ابو نجیب سہروردی کے خلیفہ ہیں۔ اس کے بعد حضرت امام فخر الدین نے حضرت شیخ نجم الدین سے دریافت کیا بما عرفت اللہ (اللہ کو کیسے پہچانا؟) آپ نے فرمایا بالواردات الالٰہیۃ الغیبیۃ التی لاتحملھا الافہام الضعیفۃ (میں نے اللہ کو اس کے غیبی فیضان سے پہچانا جس کو کمزور سمجھ لے

برداشت نہیں کر سکتے) آپ کا یہ جواب سن کر مولانا فخر الدین رازی حیرت میں پڑ گئے اور جب اپنے
آپ میں غور کیا تو اس وقت وہ سارا علم فراموش کر چکے تھے۔ مجلس برخواست ہونے کے بعد مولانا آپ
کے گھر پر حاضر ہوئے احساس شرمندگی کے ساتھ معافی مانگی معذرت چاہی اور عرض کیا کہ میرے جیسے
آدمی کو کتنی مدت میں خدا تک پہنچا دیجئے گا۔ آپ نے فرمایا بیس سال۔ تب مولانا نے کہا اس سے کم
ہو سکتا ہے فرمایا دس سال میں۔ پھر گذارش کی اور کم کیا جائے فرمایا ایک سال میں۔ عرض کیا یہ بھی بہت
ہے اور کم کیا جائے آپ نے فرمایا ایک روز میں۔ اس کے بعد مولانا نے گذارش کی ٹھیک ہے آپ جو
حکم دیں گے وہ بجا لاؤں گا آپ نے فرمایا نہیں تم سے نہیں ہو سکتا انہوں نے کہا حکم دے کر دیکھئے شیخ
نے فرمایا ایک گھڑا اپنے سر پر رکھ کر شراب خانہ جاؤ اور وہاں سے پانی بھر کر لاؤ مولانا نے کہا یہ تو مجھ سے
نہیں ہو سکتا شیخ نے فرمایا کیا میں نے پہلے نہیں کہا تھا کہ تمہارے جیسے آدمی کو بیس سال لگ جائیں گے۔

اس حکایت میں اور شیخ واحدی نے جو حکایت بیان کی ہے ان دونوں حکایتوں میں نقل کرنے
والوں کے اختلاف کی وجہ سے اختلاف پیدا ہو گیا ہے۔ اسی واقعہ کو کسی نے شیخ واحدی کی بیان کردہ
حکایت کی طرح بیان کیا ہے اور کسی نے اسی طرح لکھا ہے جیسے گنج لاثانی میں آیا ہے۔

شرح لمعات میں آیا ہے کہ شیخ کامل و مکمل حضرت نجم الدین کبریٰ نے امام فخر الدین رازی کے
سوال معرفت رب کے جواب میں فرمایا تھا واردات ترد علی النفوس فتعجز النفوس عن
تکذیبھا میں نے خدا کو دل پر منکشف ہونے والے اس فیضان کے ذریعہ پہچانا جس کا انکار ممکن نہیں۔

ایک نظر کیمیا اثر

حضرت شیخ نظام الدین علیہ الرحمۃ کے ملفوظ "فوائد الفواد" میں آیا ہے کہ شیخ سیف الدین باخرزیؒ
شروع جوانی میں مشائخ طریقت اور فقراء کے سخت دشمن تھے جب تقریر کرتے تو اپنی تقریر میں صوفیاء اور
فقراء کو بہت برا بھلا کہتے۔ جب یہ خبر حضرت نجم الدین کبریٰ قدس اللہ سرہ کو معلوم ہوئی تو آپ نے فرمایا
کہ مجھے ان کے وعظ کی مجلس میں لے چلو۔ خادموں نے عرض کیا کہ حضور کا وہاں تشریف لے جانا
مناسب نہیں ہے۔ وہ تو فقراء اور مشائخ کو بہت برا بھلا کہتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ حضور کے سامنے بھی

---

1 ایک قلمی نسخہ میں ست دی سال تحریر ہے۔

کہنے سے باز نہ آئیں اس لئے حضور کا وہاں جانا مصلحت کے خلاف ہے۔ خدام کے انتہائی عذر کے باوجود آپ نے یہی فرمایا کہ مجھے ان کے وعظ کی مجلس میں ضرور لے چلو۔ جب آپ کا اصرار بہت ہونے لگا تو خدام آپ کو ان کی مجلس میں لے گئے آپ وہاں جا کر ایک جگہ بیٹھ گئے شیخ سیف الدین نے جب اپنی مجلس میں حضرت کو دیکھ تو مشائخ اور فقرا کی شان میں اور زیادہ سخت کلام ہو گئے وہ جس قدر بڑھ رہے تھے خواجہ نجم الدین اسی قدر سر دھن رہے تھے۔ جھوم رہے تھے اور آہستہ آہستہ فرمارہے تھے سبحان اللہ سبحان اللہ کیا قابلیت پائی ہے۔ وعظ کی مجلس برخواست ہوگئی۔ شیخ سیف الدین باخرزی منبر سے نیچے آگئے۔ ادھر شیخ نجم الدین کبریٰ اٹھ کر باہر جانے لگے مسجد کے دروازے کے قریب پہنچ کر دریافت کیا کہ ابھی تک وہ صوفی نہیں آیا۔ اسی درمیان شیخ سیف الدین نے ایک نعرہ لگایا اور کپڑا چاک کرتے ہوئے آئے اور شیخ نجم الدین کے قدموں میں گر گئے اسی وقت شیخ شہاب الدین کوزہ پشتی بھی موجود تھے۔ وہ بھی آکر قدموں سے لگ گئے۔ شیخ نجم الدین مسجد سے گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ کی داہنی طرف شیخ سیف الدین باخرزی اور بائیں طرف شیخ شہاب الدین کوزہ پشتی پاپیادہ چل رہے تھے۔ اسی روز دونوں حضرت سے مرید ہوئے اور سر کے بال ترشے گئے۔ اس وقت شیخ نجم الدین کبریٰ نے شیخ سیف الدین سے فرمایا کہ تم کو دنیا میں بھی پورا حصہ ملے گا اور عقبیٰ میں اس سے بھی زیادہ ملے گا۔ اور شیخ شہاب الدین کوزہ پشتی سے فرمایا کہ تم کو دنیا اور عقبیٰ دونوں میں راحت ملے گی لیکن شیخ سیف الدین باخرزی کو تم سے زیادہ ملے گا۔

اس کے بعد آپ نے شیخ سیف الدین باخرزی سے فرمایا کہ تم بخارا چلے جاؤ اور وہیں قیام کرو تم کو بخارا کا ملک دیا جاتا ہے۔ شیخ سیف الدین نے عرض کیا وہاں تو علمائے ظاہر کثیر تعداد میں ہیں فقرا سے جو تعصب ان کو ہے وہ سب کو معلوم ہے ایسے میں وہاں میرا کیا حال ہوگا؟ حضرت نے فرمایا کہ وہاں جانا تمہارا کام ہے باقی معاملات کو میرے سپرد کر دو میں سمجھ لوں گا۔

ادب گہہ محبت

میں نے روایت کرنے والوں سے سنا ہے کہ خواجہ نجم الدین کی مجلس میں تقریباً چار سو کامل اور منتہی صوفیاء حاضر رہتے تھے اور آفتاب حقیقی یعنی شمس تبریز جیسے صوفی اس مجمع میں مجلس کی پائنتیں میں بیٹھا کرتے۔

۱۔ میں نے اس دریائے محیط میں کشتی کو ڈال دیا ہے جس میں دونوں عالم غرق ہیں۔

۲۔ نہ تو دریائے محیط میں کشتی کی پہچان ہو سکتی ہے اور نہ کشتی سے دریائے محیط کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

۳۔ کشتی پانی بن گیا اور سیر تمام ہوئی یہ ایک مشکل اور مغلق بات ہے جس کے معنی کو سمجھنا آسان نہیں۔

۴۔ اگر تم حقیقت میں دیکھو تو اصل وجود کسی ترتیب و عمل کی وجہ سے مختلف نہیں ہے

۵۔ ایمان ہو یا کفر، سنت ہو یا بدعت یہ سب فرق و تمیز کے لئے الگ الگ اصطلاحیں ہیں۔

۶۔ حق پرستی کے ساتھ میں درہم بننا ایسا ہی ہے جیسے کسی احمق کا راستہ بھول جانا۔

۷۔ لفظ احمق میں ما اور حق دونوں پوشیدہ ہیں۔ جب تم ما کی منزل سے گذر جاؤ گے تو پھر حق ہی رہ جائے گا۔

۸۔ اے نجم اپنے کو زمانہ کی باتوں سے الگ رکھ کیونکہ تیری رگوں میں سوزش آ چکی ہے۔

دوسری غزل

گم شدم در خود نمی دانم کجا پیدا منم — عالمم عالم چیم حق گویا چیستم

آدمی نامم ولیکن آدمی دراصل چیست — معنیم یا صورتم اسمم مسمیٰ چیستم

چیست جز اینکه من درم چگویم وصف خویش — آتشم خاکم نسیمم آب دریا چیستم

عاشقم دیوانه ام اندر فراقم یا وصال — نیستم هستم نه هر جایم نه بیجا چیستم

گه رند و گه زاهد گه مست و گه هوش — ساقیم یا باده ام یا جام صهبا چیستم

قطره دریا و دریا گشته در قطره نهان — آفتابم سایه ام پنهان و پیدا چیستم

در یکی شبنم هزاران کوه و صحرا این عجب — شبنمم یا ساحلم یا کوه و دریا چیستم

عاشقم معشوق عشقم سالکم پیر و مرید — راهبم یار صلیبم یا مسیحا چیستم

مرده دل زنده ام یا زنده بی جسم و جان — نور ظلمت زهر نوش و زشت زیبا چیستم

آه زین وادی حیرت آه زین دریای ژرف — کشتی ام در قلزم یا لؤلؤی لالا چیستم

بی نشانی شد نشان و بی زبانی شد زبان — بی نشان و بی زبان گویا و بینا چیستم

دوستانم نجم خوارزمی همی خوانند و من — واله و مدهوش و حیران تا چیم یا چیستم

تیسری غزل

بعشق اندر گرفتارم نه هشیارم نه دیوانه

نه دلدارم نه دلدارم نه جان دارم نه جانانه

نه چون فرهاد مسکینم نه چون پرویز شیرینم

نه چون ویسم نه رامینم نه چون شمعم نه پروانه

نه بی اویم نه با اویم نه خاموشم نه می گویم

نه می یابم نه می جویم نه در کویم نه در خانه

نه از علوی خبر دارم نه از سفلی اثر دارم

وطن جائے دگر دارم که اینجا نیست و آنجانه

نه از جنت تمنائی نه از دوزخ تبرائی

ازین خوشتر بود جائی بمن نمائی پیمانه

نه در کنج مناجاتم نه در کوئے خراباتم

خلاف عقل طاماتم کشیده رطل مستانه

بر آن جام جان افزا ببر از خاطرم سودا

برون شو از من او از ما درآ ای مرد فرزانه

چو آتش گرچه چالاکم نه از بادم نه از خاکم

چو آب از این و آن پاکم نگفتم سر مستانه

الا ای نجم اگر خواهی مسلم ماه تا ماهی

بسوئے حضرت شاهی قدم بردار مردانه

۱۔ میں عشق میں گرفتار ہوں، نہ ہوشیار ہوں نہ دیوانہ، نہ تو کسی کا دل آرام ہوں نہ دلدار ہوں نہ کوئی میری جان ہے اور نہ میں کسی کی جان ہوں۔

۲۔ نہ میں فرہاد کی طرح مسکین ہوں نہ پرویز و شیریں ہوں، نہ ویس و رامیم ہوں نہ میں شمع ہوں نہ پروانہ۔

۳۔ نہ میں اکیلے بیٹھا ہوں نہ کسی کے ساتھ ہوں نہ خاموش ہوں نہ مشغول سخن ہوں نہ کچھ پڑھ رہا ہوں نہ کسی کی تلاش میں ہوں، نہ گلی میں ہوں اور نہ مکان میں ہوں۔

۴۔ نہ مقام علوی کی مجھے خبر ہے نہ سفلی کا مجھ پر کوئی اثر ہے میرا وطن ایسی جگہ ہے جہاں نہ یہ عالم ہے نہ وہ عالم ہے۔

۵۔ نہ مجھے جنت کی تمنا ہے نہ دوزخ کا ڈر ہے اگر اس سے بہتر کوئی جگہ ہو تو مجھے دونوں نہیں چاہئے۔

۶۔ نہ میں عبادت گاہ کے کونے میں ہوں نہ شراب خانہ کی گلیوں میں بلکہ یک رنگی شراب کے پیالوں سے مست عقل کے خلاف بکواس کرنے والا ہوں۔

۷۔ اے مرشد روح فزا شراب پلا جو میرے دل سے سود کو دور کر دے میں اور ہستی میں وہم کی قید و بند سے نکل کر (وحدت کے) خلوت خاص میں داخل ہو جاؤں۔

۸۔ میں نسیم کی طرح چالاک ہوں، ہوا اور مٹی ہوں بلکہ میں پانی کی طرح یہاں اور وہاں حتیٰ زمان و مکان کی قید و بند سے آزاد مستی کے نغمے گا رہا ہوں۔

۹۔ اے نجم الدین ہوشیار و خبردار ہو جاؤ اگر تم عرش سے فرش تک سمک سے ماہ تک اپنا عمل اختیار چاہتے ہو تو رب ذوالجلال کی بارگاہ کی طرف مردانہ وار قدم بڑھا دو۔

عوارف کو سند تحسین

ثقہ لوگوں سے سنا ہے کہ جب شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردی نے عوارف کو تصنیف کرنے کے بعد فرمایا یہ کتاب میرے خواجہ کی خدمت میں پیش کر دو اگر حضرت قبول فرمائیں تو رکھو ورنہ اسے ضائع کر دو۔ خواجہ نجم الدین کبری نے عوارف کا مطالعہ کرنے کے بعد فرمایا کہ کسی کو بھی اس کتاب سے چھٹکارا نہیں جو صوفی مخدوم زادہ کی اس کتاب کو نہیں پڑھے گا وہ صوفی نہیں ہو سکتا۔

شیخ شہاب الدین کو آپ نے مخدوم زادہ فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ شیخ شہاب الدین، حضرت خواجہ ضیاء الدین ابو نجیب سہروردیؒ کے برادر زادہ تھے۔ اور شیخ شہاب الدین نے آپ کے لئے "میرے خواجہ" کا جملہ استعمال کیا اس کی کیا وجہ تھی یقین کے ساتھ تو نہیں کہہ سکتا لیکن راقم یہی کہتا ہے کہ خواجہ کمیل بن زیاد کے خانوادہ کا خرقہ شیخ شہاب الدین سہروردی کو خواجہ نجم الدین کبری سے ملا تھا شاید میرے خواجہ کہنے کی وجہ بھی ہو۔ واللہ اعلم

خرقہ خلافت کی سند

سید محمد مبارک علوی کرمانی المشتہر بہ امیر خورد نے پیران چشت کے مناقب میں "سیر الاولیا" نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔ اس میں خرقہ سے متعلق ایک نکتہ بیان کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ میں نے سلطان المشائخ شیخ نظام الدین کے دست مبارک سے لکھی ہوئی یہ عبارت دیکھی ہے۔

رایت بخط شیخ الاسلام شہاب الدین السہروردی انہ ذکر بعض المشائخ الباس الخرقۃ الی الجنید و بعدہ اختصر علی الصحبۃ و غیرہ من المشائخ ینسبون عنعنہ الخرقۃ الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم و الاعتماد علیہ علی حدیث ام خالد و للمشائخ فیہ طریقتان الطریقۃ الحسنیۃ و الطریقۃ الکمیلیۃ فانہ علیہ السلام البس علیا و ہو البس الحسن البصری والکمیل بن زیاد فخرقۃ الحسن البصری معروفۃ اما کمیل البس عبدالواحد بن زید و البس ہو ابا یعقوب السوسی و البس ہو ابا یعقوب النہر جوری و البس ہو ابا عبداللہ بن عثمن و البس ہو ابا یعقوب الطبری و البس ہو ابا القاسم بن رمضان و البس ہو ابا العباس بن ادریس و البس ہو داود بن محمد المعروف بخادم الفقراء و البس ہو محمد ابن مالکمیل و البس ہو اسماعیل القصیری و البس ہو شیخنا ابو الجناب احمد بن عمر الصوفی و البس ہو ہذا الفقیر الی ہذا کلام صاحب سیر الاولیاء

میں نے شیخ الاسلام شہاب الدین سہروردی کے قلم سے لکھا ہوا دیکھا ہے کہ آپ نے خرقہ پہنانے کا ذکر کیا ہے اور اس کی نسبت حضرت جنید رضی اللہ عنہ کی طرف کی ہے اس کے بعد صحبت پر اختصار کیا ہے لیکن ان کے علاوہ اور مشائخ نے یکے بعد دیگرے نسبت کرتے ہوئے اس سلسلہ کو جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچایا ہے اور شیخ شہاب الدین سہروردی کا اعتماد ام خالد کی حدیث پر ہے۔ مشائخ کے نزدیک خرقہ پہنانے کے دو طریقے ہیں۔ ایک طریقہ تو حضرت حسن بصری کی طرف منسوب ہے اور دوسرا کمیل بن زیاد کی طرف اور وہ اس طرح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو خرقہ پہنایا۔ حضرت علی نے حسن بصری کو اور کمیل بن زیاد کو پہنایا چونکہ حضرت حسن بصری کے خرقہ کی نسبت معلوم و مشہور ہے اس لیے اس کو چھوڑ کر کمیل بن زیاد کے خرقہ کی تفصیل بیان کی جاتی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ کمیل

نے محمد واحد بن زید کو انہوں نے یعقوب اسوسی کو انہوں نے یعقوب جوزی کو انہوں نے ابا عبداللہ بن عثمان کو انہوں نے ابا یعقوب طبری کو انہوں نے ابا القاسم بن رمضان کو انہوں نے ابا العباس بن ادریس کو انہوں نے داؤد بن محمد المعروف بخادم الفقراء کو انہوں نے محمد ابن مکیل کو انہوں نے اسماعیل قصیری کو اور اسماعیل قصیری نے ابو الجناب احمد بن عمر الصوفی کو اور آپ نے اس فقیر کو خرقہ پہنایا۔ یہاں تک سیر الاولیاء کی عبارت تھی۔

اسم گرامی اور کنیت

خزانہ جلالی سے معلوم ہوتا ہے کہ خواجہ نجم الدین کبریٰ کی کنیت ابو الجناب اور احمد آپ کا اسم گرامی ہے۔ تفصیل کا ذکر انشاء اللہ آئندہ باب میں آئے گا۔

اب میں اپنی پہلی بات کی طرف لوٹتے ہوئے کہتا ہوں کہ آپ کی قبولیت کے اثر سے عوارف کو ساری دنیا میں وہ مقبولیت حاصل ہوئی کہ جملہ مشائخ طریقت نے اس کتاب کو اپنے ہاں مرکزی حیثیت دی ہے۔

رویائے صادقہ

سننے میں آیا ہے کہ خواجہ نجم الدین کبریٰ نے خواب دیکھا کہ ایک بہت بڑا درخت ہے جس میں بہت سی شاخیں ہیں ہر ایک شاخ پر ایک ولی سوار ہیں اور ایک شاخ پر خود خواجہ بھی سوار ہیں۔ پھر دیکھا کہ ساری شاخیں خشک ہو گئی ہیں صرف وہی شاخ تروتازہ ہے جس پر آپ سوار تھے۔ آپ نے اس خواب کو اپنے پیر و مرشد خواجہ ضیاء الدین ابو النجیب سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے بیان کیا خواجہ نے اس خواب کی یہ تعبیر بیان کی کہ معنوی طور پر فیضان کا سلسلہ تمہارے خانوادے میں قائم رہے گا۔ باقی لوگوں کے یہاں صرف ظاہری جلوہ سامانی رہے گی۔

رازِ دروں

تذکرۃ الاولیاء میں جن بزرگوں کا تذکرہ آیا ہے ان کے بعد کے بزرگوں کے مناقب میں برہان الاتقیاء نام کی ایک کتاب ہے جس میں لکھا ہے کہ شیخ نجم الدین کبریٰ ایک رات تہجد کے وقت وظیفہ

زوجیت کی ادائیگی کے لئے اپنی بلیہ محترمہ کے پاس تھے۔اس وقت شیخ شہاب الدین سہروردی نے آپ
کے نام ایک خط بھیجا یہ جاننے کے لئے کہ جب آپ اس کام میں مشغول ہیں ایسے میں آپ کا وقت
کیسے گذر رہا ہے۔حضرت نے خط پڑھا اور اسی وقت جواب لکھ کر بھیج دیا جسے پڑھ کر شیخ شہاب الدین
سہروردی نے فرمایا کہ اس صحبت سے جو فرزند پیدا ہوں گے وہ بہت سارے سالکوں کے ذریعہ رشد
وہدایت بنیں گے۔

تبصرہ کے اقتباسات

تبصرہ آپ کی ایک مختصر تصنیف ہے۔اس میں آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ ذات حق کی معرفت اس
طرح کہ صرف اسی کا علم ہو اور اسی کو جانے اس کے علاوہ جو کچھ ہے سب کو بھول جائے اسی معرفت کو
غیب ہویت کہتے ہیں۔کوئی مخلوق اس کے متعلق کچھ ادراک نہیں کرسکتا۔

آپ نے فرمایا کہ ذات حق کا شہود یعنی از روئے ظہور کائنات میں دیکھنا تمام علوم مکاشفہ میں
یہی علم سب سے افضل واعلیٰ ہے۔بزرگان دین اور مقربان کاملین کے سوا اور کسی کو یہ علم حاصل نہیں ہو۔
یہ حضرات ہی جانتے ہیں کہ ما فی الوجود الا اللہ و لیس فی الدارین غیر اللہ (عالم وجود
میں اللہ کے سوا کوئی نہیں اور دونوں جہاں میں اللہ کے سوا کوئی نہیں) بیت۔

در دہ کس نیست جملہ مستند   بانگی بدہ خراب در دہ

(اس گاؤں میں ایسا کوئی نہیں جو مست نہ ہو۔اعلان کردو کہ مست اسی گاؤں میں ہیں)

وحدت میں ثنائیت کا راز اور ملک وملکوت کی ثنائیت سب اسی عالم کی باتیں ہیں۔

کل شیئی ھالک الا وجھہ (ساری چیزیں فانی ہیں مگر اس کا چہرہ یعنی اس کی ذات۔)

آپ نے فرمایا کہ جو عارف ہوتے ہیں وہ کوئی ایسی عبارت بیان نہیں کرتے جس سے ان کی
معلومات کی باریکیاں ظاہر ہوسکیں من لم یذق لم یعرف (جس نے چکھا نہیں اس نے پہچانا نہیں)

رباعی

ای دوست حدیث عشق دگرگوں ست   ورگنبد حروف ایں سخن بیروں ست
گر دیدۂ دل بار کشائی بینی   معلوم شود کہ ایں حکایت چوں است

(اے دوست عشق کی بات ہی دوسری ہے عشق کی یہ باتیں حروف کی قید و بند سے باہر ہیں اگر تھوڑی دیر کے لئے بھی دل کی آنکھ روشن ہو جائے تو اس وقت معلوم ہو جائے کہ یہ قصہ کیا ہے)

ہاں بزرگوں نے اس علم سے متعلق جو کچھ فرمایا ہے اور جو کچھ تحریر میں لایا ہے اس سے ان کی غرض شوق دلانا اور اصلاح کرنا ہے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے

آپ نے فرمایا کہ طالبان خدا کی دو جماعتیں ہیں۔ ایک جماعت اصحاب البحث و لافکار کی ہے اور دوسری جماعت اولو الکشف و الابصار کی۔ دونوں جماعتیں اپنے مطلوب کو حاصل کرنے کے لئے الگ الگ مقررہ اصول رکھتی ہیں۔ جو اہل بحث و نظر ہوتے ہیں وہ گفتگو، بحث و تکرار، دلائل و براہین کے ذریعہ اپنے مطلوب تک پہنچنا چاہتے ہیں یہ طریقہ اگرچہ بہتر ہے لیکن فیض کے نور سے خالی ہوتا ہے۔ حقیقت میں حیرت مذمومہ کے سوا اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ حیرت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک حیرت نظار ہے اور دوسری حیرت اولو الابصار۔ حیرت نظار مذموم ہے اور یہ شکوک و شبہات کے جھگڑے اور دلائل و براہین کے اختلاف سے پیدا ہوتی ہے۔ حیرت اولو الابصار محمود ہے اور یہ حق سبحانہ تعالیٰ کے مشاہدہ توحید کے اسرار و رموز کے عجائبات اور ربوبیت کے احکام کے مسلسل تجلیات اور پیہم تابناکی سے حاصل ہوتی ہے جو اہل کشف و صاحب بصیرت ہوتے ہیں وہ تصفیہ باطن، گوشہ نشینی دنیا سے بیزاری اور پوری توجہ کے ذریعہ اپنے مقصد کی تہہ تک پہنچتے ہیں۔ وھو الوصول الی معرفه الله و لقائه الذی معرفت اور اس کا دیدار حاصل کرنے کا یہی ذریعہ ہے۔

در منزل دل پائے بستند	در وادیٔ جاں کشادہ دستند
چالاک شدند پس بیک گام	از کوئے حدوث بار رستند
فانی زخود و بدوست باقی	وین طرفه که نیستند و هستند
این طائفه اند اهل توحید	باقی همه خویشتن پرستند

۱۔ دل کی منزل میں ان کے پاؤں بندھے ہوئے ہیں اور جب جان دینے کی بات آتی ہے تو اس وقت یہ سخاوت پر اتر آتے ہیں۔

۲۔ یہ ایسے چالاک اور تیز گام ہیں کہ ایک ہی قدم میں حدوث کی منزلوں سے آگے نکل جاتے ہیں۔

۳۔ خود کو فنا کر کے دوست کے ساتھ باقی رہتے ہیں یہ عجب تماشہ ہے کہ نہیں بھی ہیں اور ہیں بھی۔

۴۔ انہیں کو اہل توحید کہتے ہیں باقی جو ہیں وہ خود پرست ہیں

جو ارباب کشف ہوتے ہیں وہ حق سبحانہ تعالیٰ کے وجود کا ادراک عقلی دلیل کے بغیر کرتے ہیں۔ ان کو حق سبحانہ تعالیٰ کے وجود کے ادراک کے لئے عقلی دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی۔ جو آنکھ والا ہے، دیکھ کر رنگوں کو سمجھ جائے گا اس کو چھونے کی کیا ضرورت ہے۔ افی اللہ شک کیا اللہ کے وجود میں تم کو شک ہے؟

کو دل کہ بداند نفسے اسرارش　　کو گوش کہ بشنود دمے گفتارش

معشوق جمال می نماید شب و روز　　کو دیدہ کہ برخورد ز دیدارش

۱۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دل ہر سانس میں اس کے اسرار سے باخبر رہتے ہیں اور ان کے کان ان کی باتیں سنتے ہیں۔

۲۔ معشوق دن رات اپنے جمال با کمال کی جلوہ نمائی میں مصروف رہتا ہے اور ان کی آنکھیں اپنے معشوق کے جمال میں گم رہتی ہیں۔

آپ نے فرمایا جب سالک کی طبیعت کو خواہشات نفسانی اور عناصر اربعہ کی قید و بند سے آزاد کر دیتے ہیں۔ اس کی آنکھوں میں نور احدیت کا سرمہ لگاتے ہیں۔ اللہ نور السموات والارض کے اسرار کا جمال بے نقاب ہو کر اس کے سامنے جلوہ فگن ہوتا ہے اس وقت اس کی سمجھ میں آتا ہے کہ نحن اقرب الیہ من حبل الورید کیا ہے اور اس وقت کل شیئی ھالک کے خلوت کدہ میں وللہ المشرق و المغرب اور فاینما تولوا فثم وجہ اللہ کی جلالت و کبریائی اس سے ہمکلام ہوتی ہے۔

با خدا غیر او محال بود　　در و درباں و پاسباں ہمہ ہیچ

اینہمہ رنگہائے پر نیرنگ　　خم وحدت کند ہمہ یک رنگ

۱۔ خدا کے ساتھ اس کے غیر کا وجود ہو یہ محال ہے اس کی بارگاہ میں دربان و پاسبان کی گذر کہاں؟

۲۔ عالم کی نیرنگیوں میں جو رنگینیاں ہیں وہ وحدت کے مٹکے میں ایک رنگ ہو جاتی ہیں۔

اس مقام میں پہنچ کر عارف کو یثبت اللہ الذین آمنوا (ابراہیم ۲۷)۔ (اللہ ثابت رکھتا ہے ایمان والوں کو) کے عنایات کی ضرورت پیش آتی ہے تاکہ اس وقت ایسی دانائی سے کام لے جس سے کسی غلطی کا شکار نہ ہو ورنہ ہلاکت کا خطرہ لگا ہوا ہے۔ کئی ہزار سالک اس مقام میں پہنچ کر راہ سے بھٹک

چکے ہیں۔ اور حلول و اتحاد وغیرہ جیسے مذاہب فاسدہ میں گرفتار ہو چکے ہیں۔ اس مقام میں وحدت و
معرفت کے اسرار اور اعیان ثابتہ[1] جس کو ثبوت کہتے ہیں آشکار ہوتے ہیں اور وجود کی حقیقت اشیا
ان دو اہم کی حیثیت سے ان پر روشن ہو جاتی ہے۔

آپ نے فرمایا کہ جب سالک ہویت کا معائنہ غیب یعنی باطن میں کرتا ہے تو اس وقت قدرت
وحدانی کا مشاہدہ کرتا ہے اور وہی ذات حق ہے یعنی ذات حق کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ وهو الله الواحد
القهار و لا يدرك الابصار وهو اللطيف الخبير سبحان من لا يعلم ما هو الا هو (وہ
ایک ہے قہار ہے، آنکھیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں، وہ لطیف و خبیر ہے، وہ پاک ہے وہ کیسا ہے یہ اس
کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔

اور جب موجودات ظاہر میں اس کو دیکھتا ہے تو اس وقت نور عرش و کرسی کا مشاہدہ کرتا ہے اور یہ حق
سبحانہ تعالیٰ کے بارگاہ ناز سے تجلی کا وقت ہوتا ہے۔ سبحان من ظهر في بطونه و بطن في ظهوره
(پاک ہے وہ جو اپنے باطن میں ظاہر ہے اور جو اپنے ظاہر کا باطن ہے) اس وقت حجاب عزت و رداے
کبریائی کا راز سمجھ میں آتا ہے اور یہ اچھی طرح معلوم ہو جاتا ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ کو رداے کبریائی کے
بغیر کوئی دیکھ نہیں سکتا۔ جب سالک احکام ظاہر و باطن کی حقیقتوں کو اچھی طرح سمجھ لیتا ہے تو اس وقت اس
کے لئے یہ جاننا مشکل نہیں ہوتا کہ وہ حق سبحانہ تعالیٰ کو کس طرح دیکھ سکتا ہے اور کس طرح نہیں دیکھ سکتا۔

رباعی

از عشق گرت میل در آید دیدن معشوق ترا سهل نماید دیدن

زنهار بسایه اش قناعت می کن هر سایه مپندار که شاید دیدن

۱۔ عالم عشق میں اگر تیرا اس معشوق کو دیکھنا چاہے تو اس کا دیدار تیرے لئے سہل و آسان ہے

۲۔ ہوشیار اور خبردار رہو اور اس کے سایہ ہی پر قناعت کرو، سایہ سے آگے تم دیکھنے کے لائق نہیں۔

جب دل کی آنکھ نور معرفت سے روشن ہوتی ہے تو دلائل و براہین سے رہ کر اس معنی کا ظہور ہوتے

---

1 اعیان ثابتہ صور علمیہ کو کہتے ہیں یعنی جو علم الٰہی میں حقائق ممکنات صورتوں میں محفوظ ہیں۔ اور صور علمیہ کو حقائق الاشیا بھی کہتے ہیں۔ (اصطلاحات صوفیہ مطبوعہ ص ۵)

سکتا ہے۔ (یعنی اس معنی کے انکشاف کے لئے دلائل کی ضرورت نہیں ہوتی)

کس نیست کہ عقل گوید او جز تو　　تا کس دارد ہیبت و نیرو جز تو

من از تو چگویم و چہ دانم گفتن　　میگو و ہمی شنو توئی کو جز تو

تیرے سوا ایسا کوئی نہیں جسے عقل قبول کرے، تیرے سوا ہیبت وقوت کسے حاصل ہے میں تیری جناب میں کیا عرض کروں اور میں بولنا کیا جانوں تو ہی (میری جانب سے) فرما اور تو ہی سن (قبول فرما) کہ تیرے سوا اور کون ہے جو کچھ ہے تو ہی تو ہے۔

آپ نے فرمایا اہل کشف کے نزدیک اسماء اور صفات دونوں ایک دوسرے کے مترادف ہیں اور ایک ہی معنی میں ہیں اور کتاب وسنت میں دونوں کا استعمال اسماء کے معنی میں ہوا ہے۔ اس مقام میں حقیقی طالب کے لئے لازم ہے کہ وہ اس کے اسماء اور صفات کو ایسی کی حیثیت سے انبیاء اور اولیاء سے حاصل کرے اس کے بعد اسی راہ میں قدم رکھے تا کہ ان کی اتباع و پیروی کی روشنی میں ان اسماء کی حقیقتوں سے واقف ہو جائے۔ بحث و تکرار اور گفتگو سے کچھ حاصل نہیں ہوسکتا۔

آپ نے فرمایا وہ طریقت کے جو سردار ہیں اور اسرار وحدت کے جو خزینہ ہیں اور حق سبحانہ تعالی نے جس کو علم اور معرفت عطا فرمائی ہے وہ اس بات کو جانتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالی کی صفات ایک حیثیت سے عین ذات بھی ہیں اور ایک حیثیت سے غیر ذات بھی۔ اس کے اسماء چاہے معانی اعتبارات نسبت اور اضافت جس حیثیت سے بھی ہوں اس وجہ سے عین ذات ہیں کہ اس کے سوا کسی کا وجود نہیں۔ جب اس کے سوا کسی کا وجود نہیں تو اس کے اسماء بھی عین ذات ہوں گے اور غیر ذات اس وجہ سے ہیں کہ اس کا مفہوم مختلف معنوں میں ہوتا ہے۔ موجودات کے اختلاف، معانی اور اعتبارات کے فرق کی وجہ سے اسماء کی کثرت سامنے آتی ہے وھیا اسرار غامضہ اور یہ بہت دقیق اسرار ہیں۔

حی، عالم، مرید، قادر یہ وہ اسماء ہیں جن کے معنی اس قدیم کے ساتھ قائم ہیں۔ اور اسماء در حقیقت اسی قدیم کے معانی ہیں جب بھی معانی الفاظ میں آتے ہیں تو ان کو اسماء کہا جاتا ہے۔

آپ نے فرمایا کہ اللہ اس ذات قدیم کا ایک جامع اسم ہے اس اعتبار سے کہ ظاہری و باطنی دونوں حیثیت سے تمام اسماء وصفات سے موصوف ہے۔ اور اس نام کو جو عظمت حاصل ہے وہ اور کسی نام کو حاصل نہیں۔

رحمٰن بھی اس ذات بابرکت کا نام ہے لیکن یہ نام بارگاہِ واجد سے اس کے انوار وجود کو مملکت خام پر روشن و تابناک کرنے کا ذریعہ ہے اور اس نام میں ہویت والی نسبت نہیں پائی جاتی۔ اس حیثیت سے کہ ہویت کے لئے غیب ہے اور یہ تدبر کے لئے مخصوص ہے۔ اللہ وہ اسم ہے جو غیب و شہادت ظاہر و باطن سب کو محیط ہے۔

مختصر یہ کہ یہ دونوں نام یعنی اللہ اور رحمٰن بے حد عزت و جلال والے نام ہیں۔ ان دونوں ناموں کے علاوہ اور جو اسماء ہیں اور جن کا ادراک آدمی سے ممکن ہے عارف اپنی ذات میں ان کی حکمتوں کا ادراک اپنے ذوق کے مطابق پر نقش نفیس کرتا ہے۔

آپ نے فرمایا حدیث میں آیا ہے کہ آسمان پر رہنے والی مخلوق اور فرشتوں میں سے ہر ایک اللہ تعالیٰ کے ایک ایک مخصوص نام کے ساتھ مشغول ہے اور وہی مخصوص نام اس کے لئے ہمیشہ ہمیشہ قوت کا باعث ہوتا ہے (یعنی اسی مخصوص نام کے ذکر و فکر میں وہ ہمیشہ لگا رہتا ہے) مثلاً جو "لطیف" کی صفت سے یاد کرتا ہے وہ "قہار" صفت کو نہیں جانتا جو عظیم کا ورد کرتا ہے اس کی زبان "ستار" کے ورد سے ناآشنا رہتی ہے۔ لیکن یہ بات آدمی کے ساتھ نہیں۔ اس کا معاملہ کچھ اور ہے۔ آدمی تو خدا کا خلیفہ اور اس کی الوہیت کا مظہر تام ہے۔ و علم ادم الاسماء کلہا (اور سکھا دیئے آدم علیہ السلام کو ساری چیزوں کے نام)۔

فرستادم آدم را بہ بیروں   جمال خویش در صحرا نہادیم

(جب میں نے آدم کو باہر نکالا تو صحرا یعنی میدان وجود میں اپنے جمال کو ظاہر کر دیا)

اس مقام میں بڑے بڑے اسرار ہیں۔ اور تفصیل بیان کی گنجائش ہے لیکن عوام کو ان باتوں کے سننے میں نفع سے زیادہ نقصان ہوگا۔

آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے اسماء شمار کی گنتی میں نہیں آسکتے اور ان کی تفصیل کو سوائے اس کے کوئی دوسرا نہیں جانتا و استاثرت به فی علم الغیب عندک (میں نے اس کو اپنے پاس علم غیب میں جو تیرے نزدیک ہے) یہی ہے ولو ان ما فی الارض من شجرة اقلام و البحر یمده من بعده سبعة ابحر ما نفدت کلمات الله (سورہ لقمان ۲۷)۔ (اور زمین میں جتنے پیڑ ہیں سب قلم بن جائیں اور سمندر اس کی سیاہی ہو اور اس کے پیچھے سات سمندر ہوں تو اللہ کی باتیں ختم نہ ہوں)

آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ جل جلالہ کے افعال دو قسم کے ہیں۔ ایک غیب سے اور دوسرے شہادت سے۔

کلام مجید میں اسی کو امر اور خلق کہا گیا ہے الا لہ الخلق والامر (اعراف:۵۴)۔ (سن لو، اسی کے ہاتھ ہے پیدا کرنا اور حکم دینا)۔ عالم خلق وہ عالم ہے جس کی طرف حسی طور پر اشارہ کیا جا سکتا ہے۔ (یعنی جس کو محسوس کیا جا سکتا ہے) اسی کو عالم شہادت، عالم ملک، عالم اجسام عالم پستی کہتے ہیں۔ یہ سب الفاظ معنا ایک دوسرے کے مترادف ہیں اور عالم امر وہ عالم ہے جس کی طرف حسی اشارے نہیں کئے جا سکتے (یعنی جو محسوس نہیں کئے جا سکتے) اسی کو عالم غیب، عالم ملکوت، عالم ارواح اور عالم علوی کہتے ہیں۔ یہ سب الفاظ بھی معنا ایک دوسرے کے مترادف ہیں اور سب ایک ہی معنی میں ہیں۔

آپ نے فرمایا موجودات علوی کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم ان کی ہے جو عالم اجسام سے کسی طرح کا بھی تعلق نہیں رکھتے ان کو کروبیاں کہتے ہیں۔ اور ان کی بھی دو قسمیں ہیں ایک قسم ان کی وہ ہے جو عالم اور عالم والوں سے بالکل بے خبر ہوتے ہیں ھاموا فی جلال اللہ وجمالہ مذ خلقھم (جس وقت سے یہ پیدا کئے گئے اسی وقت سے اللہ تبارک وتعالیٰ کے جلال و جمال میں گم ہیں) ان کو ملائکہ مہیمہ کہا جاتا ہے۔ دوسری قسم ان کی ہے جو عالم اجسام کی طرف التفات تو نہیں رکھتے لیکن اس حی و قیوم کی صفات قیومیت کے مشاہدہ میں متحیر اور فریفتہ رہتے ہیں۔ یہی بارگاہ الوہیت کے لئے حجاب اور فیض ربوبیت کے لئے واسطہ ہیں۔ ان کا سردار و رئیس روح اعظم ہے ملاء اعلیٰ میں اس سے عظیم تر کوئی روح نہیں۔ اور ایک اعتبار سے اسی کو عقل کہتے ہیں۔ اول ما خلق اللہ العقل فقال لہ اقبل فاقبل ثم قال ادبر فادبر ثم قال وعزتی وجلالی ما خلقت خلقا اکرم علی منک بک اخذ وبک اثیب وبک اعاقب (اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو سب سے پہلے پیدا کیا وہ عقل ہے۔ پھر اس سے کہا سامنے آ تو وہ سامنے آ گیا پھر فرمایا پیچھے جاؤ پیچھے چلا گیا پھر ارشاد ہوا قسم ہے میری عزت وجلال کی، میں نے کسی کو تجھ سے زیادہ بزرگ پیدا نہیں کیا۔ میں تیرے ہی ذریعہ گرفت میں لوں گا تیرے ہی ذریعہ ثواب دوں گا اور تیرے ہی ذریعہ عذاب میں مبتلا کروں گا) یہی روح اعظم صلوٰۃ اللہ علیہ اس گروہ کی پہلی صف میں ہے اور روح القدس جن کو جبرئیل علیہ السلام کہا جاتا ہے آخری صف میں ہیں وما منا الا لہ (الصفت ۱۶۴) مقام معلوم اور ہم میں سے ہر ایک کے لئے ایک مقام ہے۔

دوسری قسم ان کی ہے جن کو روحانیان کہتے ہیں ان کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم ان کی ہے جو آسمانوں میں تصرف کرتے ہیں ان کو ملکوت اعلیٰ کہا جاتا ہے۔ اور دوسری قسم ان کی ہے جو زمین پر بھی تصرف رکھتے ہیں ان کو ملکوت اسفل کہا جاتا ہے۔

آپ نے فرمایا کہ آدمی کی حقیقت جس کو لطیفہ مدرکہ عالم ربانی کہتے ہیں عالم ملکوت کے اسرار کا خلاصہ ہے اور عالم روحانی و عالم جسمانی سے مرکب ہے تمام موجودات میں سب سے کامل یہی ہے۔ اہل بصیرت کے نزدیک اس کے اور حق سبحانہ تعالیٰ کے درمیان اور کوئی واسطہ نہیں اور سارے افعال کا مقصود وہی ہے لیکن مقربان ملاء اعلیٰ اس سے مستثنیٰ ہیں۔

آپ نے فرمایا دوزخ کو جو پیدا کیا وہ کمال مہربانی اور رحمت کی بنا پر پیدا کیا تا کہ رحمت کا جمال بکمال عزت کے پردہ سے باہر آ جائے اور تم سے اشارہ میں یاتی علی جھنم زمان یبت فی قعرھا البحر (جہنم پر ایک ایسی گھڑی بھی آئے گی جب اس کی گہرائی میں سمندر نمودار ہوگا) کا راز بتائے۔

آپ نے فرمایا قرآن کا جمال انسان دل کے آئینے میں نور قدسیت کی شعاؤں کے ذریعہ بے نقاب دیکھ سکتا ہے۔ فکر کے ذریعہ اور عقل کی رہنمائی میں وہاں تک ہرگز رسائی نہیں ہو سکتی۔

آپ نے فرمایا عالم ارواح اور عالم اجسام کے درمیان اور بھی عالم ہیں علمائے حکمت کی ایک جماعت نے اس کو عالم مثال کا نام دیا ہے۔ اور محققوں کے نزدیک اس کی الگ الگ تفصیل ہے۔ جن کے نزدیک اس کے ادراک کے لیے دماغی قوت شرط ہے۔ انہوں نے اس کو خیال متصل کہا ہے۔ اور اس عالم میں عجائبات و مقامات بہت ہیں۔ جن محققوں کے نزدیک اس کے ادراک کے لئے دماغی قوت کی شرط نہیں انہوں نے اس کو خیال منفصل کا نام دیا ہے، روح کا جسد کی صورت میں ہونا، جسد کا ارواح میں بدلنا، اخلاق و اعمال کا تشخص معنی کا مناسب صورت میں ظہور، مجردات کا صورت و جسم میں مشاہدہ ان سب کا ثبوت اس عالم میں موجود ہے۔ جبرئیل علیہ السلام کو دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی صورت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا، انتقال شدہ اولیاء، انبیاء صلوٰۃ اللہ علیہم کو مشائخ و سادات طریقت نے ظاہری صورت و جسم میں دیکھا یہ بھی اس عالم کی باتیں ہیں۔ پھر خضر علیہ السلام کو اس عالم میں دیکھا گیا یہ سب عجیب اسرار ہیں۔

آپ نے فرمایا ولایت کے طور طریقے عقل کے طور طریقے سے بلند ہیں اور اس طریقہ کو دریافت کرنے کے جتنے احکام ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ کے وجود کا ادراک عقلی ثبوت سے الگ ہو کر ہے اور عالم میں جتنے موجودات ہیں ان کے ذریعہ اس کے قرب کا راز معلوم کرے جب اللہ جل حدالہ کے قرب کی عظمت و بزرگی عارف کے دل پر سایہ فگن ہوتی ہے تو اس وقت اس کی نظر میں حضوری

کریم صلی اللہ علیہ وسلم جبریئل علیہ السلام، عرش، سدرہ، مومن، کافر، چیونٹی، مچھر کی حقیقت یکساں طور پر عیاں ہو جاتی ہے اور جملہ مخلوقات میں قیوم (باری تعالیٰ) کا جلوہ اسے نظر آتا ہے۔ فاینما تولوا فثم وجہ اللہ سلطان عشق کا ظہور خواص سے اس طرح ہوتا ہے اور اس مرتبہ کے لئے آدمی ہی مخصوص ہے۔ فرشتوں کو یہ کہاں نصیب؟

حدیث میں آتا ہے کہ فرشتے یہ کہاں جانتے کہ الوہیت کیا ہے دریائے عشق کے ساحل سے آگے علم وعقل کی گذر نہیں۔ اس سے آگے تو حیرت و بے نشانی ہے۔ یہاں پہنچ کر ابتدائی باتیں ختم ہو جاتی ہیں اور اس کو مقام حصول کہتے ہیں اور یہ جو کہا گیا ہے السفر سفران سفر الی اللہ و سفر فی اللہ (سفر دو ہیں ایک سفر الی اللہ ہے اور دوسرا سفر فی اللہ) سفر الی اللہ جب یہاں مکمل ہوتا ہے تو سفر فی اللہ باقی رہ جاتا ہے اس کو یوں سمجھئے کہ پہلے عاشق کی سیر معشوق کی طرف ہوتی ہے اور اس کے بعد معشوق کی سیر عاشق کی طرف ہوتی ہے۔ بیت

در تو کجا رسد کسے تا نرود بپائے تو مرغ تو کی شود ولی تا نپرد بباں تو

(جب تک تیری دستگیری نہ ہو تجھ تک رسائی نہیں ہو سکتی جب تک تو بال و پر عطا نہ فرمائے تیرا مرغ پرواز نہیں کر سکتا۔)

اس طور کے عجائبات کی کوئی انتہا نہیں اور یہ احوال سلوک ہی کے ذریعہ معلوم ہو سکتے ہیں اور شاید سلوک جذبہ کے لئے شرط ہے۔ ایسا نہیں کہ صرف طلب سے حاصل ہو جائے۔ ہاں جو سلوک کو حاصل کرتا ہے وہ مقصد کو پالیتا ہے۔

آپ نے فرمایا طوار نبوت کے عجائبات کا احاطہ ممکن نہیں اور وہ علوم و مکاشفات کے عجائبات میں سے ہیں جس کے معانی تک عقل کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ اس کی معرفت کا نصب ایسے نور پر ہے جو عقل کی روشنی سے پرے ہے۔ اس کے لئے آفتاب محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کی ضرورت ہے۔ ورنہ یہ بات تو معلوم ہے کہ عقل کے چراغ سے اس کا ادراک ممکن نہیں۔ حقیقت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا کہنا۔ خود حق سبحانہ تعالیٰ نبی کی طرف سے یوں خطاب فرماتا ہے۔ وعلمک مالم تکن تعلم و کان فضل اللہ علیک عظیما (سورہ نساء، ۱۱۳)۔ (اور تمہیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے، اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے)

... کشش حق تعالیٰ۔ یعنی حق سبحانہ تعالیٰ کا بندہ کو اپنی طرف کھینچ لینا بغیر اس کی سعی کے۔ (اصطلاحات صوفیہ ص ۳۹)

آپ نے فرمایا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں اہل اولیاء کی ایک جماعت ہوتی ہے جس کو حضورؐ کے طور (روش) کا ذوق حاصل ہوتا ہے۔ ان کو اولیاء کہتے ہیں یہی آپ کے وارث اور خوان ہیں۔ ارشاد گرامی ہے واشوقاه الی لقاء اخوانی من بعدی (مجھے ان بھائیوں کو دیکھنے کا بے حد شوق ہے جو میرے بعد ہوں گے) اس میں اخوانی کا اشارہ اسی جماعت کی طرف مخصوص ہے۔

آپ نے فرمایا اولیاء کی دو قسمیں ہیں ایک اولیائے مردود[1] و مخلص ہیں یہ ہوشیاروں کی جماعت ہے۔ دوسری اولیائے مستہلک کامل[2] کی ہے۔ یہ مستوں کی جماعت ہے چونکہ اولیائے مستہلک کو بشریت کی تنگیوں سے باہر نکال دیتے ہیں۔ احدیت کے سمندر میں غرق کر دیتے ہیں۔ جلال و جمال صمدیت کے مشاہدہ میں محو کر دیتے ہیں۔ اس لیے ان کو خود ان کی اپنی خبر نہیں ہوتی یہ دوسروں کی خبر کیا لیں گے۔ اس جماعت کو طور نبوت کے ذوق سے کچھ حصہ نہیں ملتا اور اسی لئے ان کو دعوت (تبلیغ) کے کاموں میں مشغول نہیں کیا جاتا۔

اولیائے مردود کو عالم حدوث و تکوین[3] کی ظلمت و تاریکی سے نکال دیتے ہیں۔ زمان و مکان کو ان کے حق میں طے کرا دیتے ہیں (یعنی زمان و مکاں کی قید سے ان کو آزاد کر دیتے ہیں) ان کو خود ان کی اپنی خودی سے بے نیاز کر دیتے ہیں۔ جمال ازلی کا تصرف خود ان کو ان کے اپنے آپ میں ہوتا ہے۔ اس مقام و اثبات بعد المحو کہتے ہیں۔ اس جماعت کو خلعت نیابت سے سرفراز فرماتے ہیں (یعنی نائب بناتے ہیں) خلافت کی کرسی پر بٹھاتے ہیں۔ مملکت میں ان کی حکمرانی کو نافذ کرتے ہیں اور یہ حضرات نبوت و شریعت کے اصول و قوانین پر خود کو رکھتے ہوئے انبیائے کرام صلوات اللہ علیہم اجمعین کے مکاشفات کے ذوق سے خود کو بہرہ مند رکھتے ہیں۔

آپ نے فرمایا جو دنیا کی چیزوں کو دین کی راہ کا ذریعہ بناتا ہے جو لذات جسمانی کے حصول سے اپنی نظر پھیر لیتا ہے و مما رزقناهم ينفقون (بقرہ ۳)۔ (اور جو کچھ دیا ہے ہم نے ان کو اس میں سے خرچ کرتے ہیں) کو اپنا نصب العین بنا لیتا ہے وہ بظاہر دنیا میں رہتا ہے لیکن اس کا دل مدام علیٰ پر ہوتا ہے اور صراط مستقیم طے کرنے میں اس کو یقین عظیم معانی حاصل ہوتے ہیں۔ نعم المال الصالح للرجل

---

۱ المردود۔ مرد تک سفر میں درجہ ۱۱۱ (المنجد)

۲ اولیائے مستہلک کامل کی تعریف حضرت داعی رحمۃ اللہ میں درج ہے۔

۳ کون۔ کسی چیز کو پیدا کرنا۔

الصالح (نیکوکار کا وہ مال کتنا اچھا ہے جو نیکوکار کے لئے ہو) وہ سب کچھ رضائے حق میں قربان کر دیتا ہے۔(اسی صلہ میں) اس کی منزل اور اس کا ٹھکانہ عالم ملکوت میں ہوتا ہے فی مقعد صدق عند ملیک مقتدر (القمر ۵۵)۔(صدق وصفا کی مجلس میں عظیم قدرت والے بادشاہ کے حضور)۔

اور جو دنیا کی چیزوں کو شیطان کی راہ کا ذریعہ بناتا ہے اپنی ساری زندگی کو اپنی خواہش اور نفس مردہ کی لذتوں کے حصول میں گذارتا ہے اس کا ٹھکانا جہنم کے طبقات میں ہوتا ہے۔

آپ نے فرمایا ارواح انسانی کے لئے اس وطن کے بعد جہاں الست بربکم کا سوال ہوا تھا اور بھی بہت سارے وطن ہیں۔ان عالموں میں سے پہلا عالم زماں ہے جو حسی ہے اور اس کو دنیا کہتے ہیں اس عالم کا قانون پیدائش سے موت تک رہتا ہے۔دوسرا عالم وہ ہے جو موت سے حشر تک رہتا ہے۔ اس عالم کے احکام بہت ہی عجیب ہیں۔دنیا میں آدمی نے جن اعمال ، احوال ، اور اخلاق کو اپنایا اس دوسرے عالم میں (جس کا تعلق موت سے حشر تک ہے) وہ آدمی انہیں صفات سے متشکل کیا جائے گا۔یہ وہ عالم ہے جہاں ظاہر باطن ہو جاتا ہے اور باطن ظاہر۔دنیا میں آدمی پر جس صفت کا غلبہ ہوتا ہے اس عالم میں وہ آدمی اسی صفت کے مناسب صورت میں پیدا کیا جاتا ہے۔مثلاً اگر اس پر جاہ ومرتبہ کی محبت غالب رہی ہے تو وہ شیر کی صورت میں ظاہر ہوگا اگر اس پر شہوت کا غلبہ رہا تو وہ خنزیر (سؤر) کی شکل میں اٹھایا جائے گا۔اور تیسرا عالم عالم حشر ہے اور یہ عالم عالم عنصری کی طرح ہے مصاحبة الشاة الكائنة في الدنيا (دنیاوی پیدائش کے مانند) اس عالم کے احکام بہت عجیب ہیں اور ان عجائب واحوال کو سمجھنے سے عقل قاصر ہے اس وطن کے احکام کو نور ایمان سے سمجھا جا سکتا ہے یا نور کشف سے۔اس دن کے عجائبات میں سے ایک عجیب بات یہ ہے کہ اس عالم کا ایک دن کسی جماعت کو پچاس ہزار سال معلوم ہوگا اور کسی جماعت کو صرف ایک لمحہ۔اس دن کو قیامت کبریٰ کہتے ہیں اور قیامت کا لفظ مشترک الدلالہ ہے۔ارباب بصیرت اس کو معین دن پر اطلاق کرتے ہیں۔اور اس کو قیامت صغریٰ کہتے ہیں۔من مات فقد قامت قیامه (جو مر گیا یقیناً اس کے لئے قیامت ہو گئی) اس جملہ میں اسی طرف اشارہ ہے۔لفظ قیامت کا اطلاق عارف کے حالت وصول پر بھی ہوتا ہے جس وقت عارف کی نظر میں کونین نور وحدانیت سے محو اور نیست ہو جاتا ہے ولا يبقى الا الحي القيوم اس کو قیامت عظمیٰ کہتے ہیں۔اس یوم حشر سے مراد قیامت کبریٰ ہے کتاب وسنت میں اس کی شرح بہت تفصیل سے آئی ہے۔اس کی حقیقت اور عجائبات کا ادراک ولایت ونبوت کے اطوار وانوار پر موقوف ہے۔وفقنا الله اسراره اس

عالم کے بعد جو اسرار ہیں ان کی مدتوں کی شرح کا وزن عقل کے پیمانہ اور ترازو میں نہیں ہو سکتا۔ فلا تعلم نفس ما اخفی لھم من قرۃ اعین (السجدہ ۱۷)۔ (پس نہیں جانتا کوئی شخص کہ ان کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک کا کیا کیا سامان چھپا دیا گیا ہے)

جو سعید ہیں ان کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک کو مقربان کہتے ہیں اور دوسرے کو اصحاب الیمین جو اصحاب الیمین ہیں ان کے لئے بہشت حور و قصور اور مرغ و حلوہ ہے اور جو مقربان ہیں ان کے لئے بہشت تجلی معرفت اور نور ولقا ہے۔

اکثر اھل الجنۃ البلہ و علیون لذوی الالباب

(اکثر جنتی سیدھے سادے لوگ ہوں گے اور جنت کا اعلیٰ درجہ ارباب دانش کے لئے ہوگا)

در بہشت فلک ھمہ خاماں در بہشت تو دو رخ آشاماں

(آسمان والی جنت میں خام کار لوگ رہیں گے اور تیری جنت میں وہ لوگ رہیں گے جو تلخیوں کو گھونٹ جانے والے ہوں گے) تقی اور کافر کے لئے حشر کے بعد ایک ہی عالم ہوگا اور وہ جسم کی زندگی ہے۔

آپ نے فرمایا سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ کوئی بادشاہ ہمنشیں ہوتے ہوئے بھی اپنے وجود کا خواہشمند رہے اپنے کو خدمت کا حقدار سمجھے اور اپنی طبیعت کے گلشن کو شہوت کی نجاستوں سے آلودہ کرے

ای سدآں عقل و حر شریف می کند ایں ملبد را تصحیف
حویشتن را ندیدہ اید ھمہ آدم سو رسیدہ آید ھمہ

(اے شریف ذات اور اے بڑی عقل والے، تو نے اعلیٰ باتوں کو غلط سمجھ رکھا ہے تو نے اپنے آپ کو دیکھا ہی نہیں ابھی تو تو نور دیدہ بچہ ہے)

ابدی سلطنت کو نفس اور روح کی دو روزہ بندگی کے عوض بیچ دینا اور مسرور کی وسعت کو زمانہ کی تنگیوں سے بدل دینا۔ یہ بھی کوئی تجارت ہوئی۔

رشت بود روح قدسی منتظر و آنگاہ تو در غرور[1] آباد گیتی اھرمن چوں بودہ

---

[1] مخطوطہ میں یہ مصرع اس طرح ہے۔ "در غرور آباد گیتی ہمنشیں ..."

(ورنہ تیری سطح میں نہ کوئی برائی ہے اور نہ خرابی اس کے باوجود تو اس غرور سے بھری دنیا میں شیطان صفت ہو رہا ہے)

لطف و کرم کی دعوت دینے والا تجھے بار بار اپنی طرف بلا رہا ہے اور تو خاموشی اختیار کئے ہوئے ہے حقیقی لذتیں تجھے آوازیں دے رہی ہیں اور تو ان سے بھاگ رہا ہے۔ مجازی لذتیں تجھ سے بھاگ رہی ہیں اور تو ان کے پیچھے دوڑ رہا ہے۔

سنو! آج اختیار کی لگام تمہارے ہاتھ میں ہے۔ اگر آج تم سے کچھ نہ ہو تو پھر کل کیا ہوگا۔ جب جلال کبریائی سارا اختیار اپنے ہاتھ میں رکھے گا۔ والامر یومئذ لله (الانفطار ۱۹)۔ (اور سارا حکم اس دن اللہ کا ہے) تم نے اپنے اختیار سے جو کچھ کیا تھا اس کا حجاب اس وقت اٹھا دیا جائے گا اور بارگاہ عزت کا منادی یوں ندا کرے گا لمن الملک الیوم لله الواحد القهار (المؤمن ۱۶)۔ (آج کس کی بادشاہی ہے ایک اللہ کی جو سب پر غالب ہے)

اس وقت یحسرتی علی ما فرطت فی جنب الله (الزمر ۵۶)۔ (اے افسوس میری اس تقصیر پر جو میں نے خدا کے حق میں کی) کہنے اور نالہ و فریاد سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

رسالہ سلوک طریقت کے اقتباسات

آپ نے جو رسالہ سلوک طریقت کے موضوع پر تصنیف فرمایا ہے اس میں سے مختصر طور پر چند کلمات نقل کیے جاتے ہیں۔

آپ نے فرمایا مخلوق کی جتنی تعداد ہے اللہ تک پہنچنے کے اتنے راستے ہیں تعداد کی اس کثرت کے باوجود ان کا احاطہ تین قسموں میں کیا جا سکتا ہے۔

پہلی قسم ارباب معاملات کی ہے۔ یہ حضرات نماز، روزہ، تلاوت قرآن، حج اور جہاد جیسے اعمال ظاہر کو خدا تک پہنچنے کا ذریعہ بناتے ہیں۔ یہ اخیار کا طریقہ ہے۔ اس راہ میں طویل مدت گذارنے کے بعد بہت کم لوگ واصل بحق ہوتے ہیں۔

دوسری قسم اصحاب مجاہدات و ریاضات کی ہے۔ یہ حضرات اخلاق کی تبدیلی، نفس کی پاکیزگی، روح کی آراستگی اور ان تمام چیزوں میں مشغول رہتے ہیں جن سے باطن کی عمارت تعمیر ہو سکے۔ یہ ابرار کا طریقہ ہے۔ پہلی قسم کی بہ نسبت اس دوسری قسم میں واصلوں کی زیادہ تعداد ملتی ہے۔ لیکن اس کے ذریعہ

تعلقات کو ختم کردینا عزلت ہے۔ یعنی جس طرح مردہ غسل دینے والے کے ہاتھ میں ہوتا ہے اسی طرح خود کو پیر کے سپرد کر دے تاکہ پیر اس کو خدا کی محبت کے پانی سے غسل دے کر غیر کی نجاست اور حدوث کی ناپاکی سے دور کر دے اور حقیقی عزلت تو یہ ہے کہ حواس کو محسوسات کے تصرف سے الگ کر دیا جائے۔ اس لئے کہ روح کو جو فتنہ، بدی اور آفت پہنچتی ہے وہ حواس ہی کے ذریعہ پہنچتی ہے۔

اصل ششم ذکر ہے

جس طرح موت کے بعد انسان سب کچھ بھول جاتا ہے اسی طرح غیر خدا کے ذکر سے خود کو نکال لینا یعنی غیر خدا کو بھول جانا ہی مداومت ذکر ہے۔ فاذکرونی اذکرکم (تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا) ذاکریت، مذکوریت میں اور مذکوریت ذاکریت میں بدل جائے۔ ذاکر ذکر میں اس طرح فنا ہو جائے کہ صرف مذکور باقی رہے اور اس وقت وہی ذاکر کا قائم مقام ہو۔

اصل ہفتم توجہ الی اللہ

یعنی اپنے پورے وجود کے ساتھ اللہ کی طرف متوجہ ہو جانا اور موت کی طرح غیر حق کی طرف مائل کرنے والے ہر مطالبہ سے باہر نکل آنا توجہ الی اللہ ہے اگر انبیاء اور رسل کے مقامات بھی اس کے سامنے پیش کیے جائیں تو وہ ایک لمحہ کے لئے بھی خدا سے منہ موڑ کر ان کی طرف مائل نہ ہو۔

اصل ہشتم صبر ہے

مجاہدہ اور مکابدہ کے ذریعہ نفس کی لذتوں سے نکل آنا جس طرح موت کے بعد نفس کی لذتیں چھوٹ جاتی ہیں اسی طرح نفس کی محبوب اور پسندیدہ چیزوں کی جدائی پر ثابت وقایم رہنا صبر ہے۔

اصل نہم مراقبہ ہے

مردہ کی طرح اپنی قوت وطاقت سے نکل آنا مراقبہ ہے یعنی جو بخشش وعنایت غیر حق کی جانب سے آئے مراقبہ کرنے والا سب کو خدا کی جانب سے سمجھتا ہے خدا کی محبت کے دریا میں غرق رہتا ہے اس کی روح جو کچھ کہتی ہے خدا سے کہتی ہے مدد چاہتی ہے تو اسی سے، فریاد کرتی ہے تو اسی سے۔ یہی مراقبہ ہے۔

اصل دہم رضا ہے

مرید کی طرح نفس کی رضا سے نکل کر خدا کی رضا میں داخل ہو جانے کو رضا کہتے ہیں۔ ازل میں جو کچھ ہو چکا ہے اس کو بلا چوں وچرا ماننا اور خود کو بندی تدبیر کے حوالے کر دینا ہی رضا ہے۔

ضبط فغاں

برہان الاتقیاء سے نقل کیا جاتا ہے آپ نے فرمایا صوفی کو سماع میں شریک ہونا چاہیے اس لئے کہ اگلے تمام مشائخ سماع میں شریک رہے ہیں لیکن تکلف سے کام نہ لے۔ جب کیفیت پیدا ہو اور وہاں پر پیر موجود ہوں تو جہاں تک ممکن ہو ضبط سے کام لے ورنہ اگر کیفیت تیز ہو بے قابو ہو جائے سکون سے بیٹھنا مشکل ہو جائے اس وقت تکلف سے بیٹھنا منع ہے۔

سماع میں تین چیزوں کا خاص خیال رکھے مکان، زمان، اخوان۔ مکان یہ ہے کہ جہاں سماع ہو وہ جگہ کشادہ ہو۔ زمان سے مراد یہ ہے کہ سماع کا وقت مناسب ہو۔ اخوان یہ ہے کہ سماع میں جو لوگ شریک ہوں وہ سب ایک ہی جنس کے ہوں۔ اس لیے کہ ناجنسوں کی صحبت بہت بڑا عذاب ہے۔

برہان الاتقیاء کے حوالہ سے نقل ہے آپ نے فرمایا مرید کو اس وقت خرقہ پہننا چاہیے جب وہ اچھی طرح سمجھ لے کہ اس پر قائم رہے گا۔ راہ طریقت کی محنت ومشقت اور اہل حقیقت کے ریاضت و مجاہدہ پر صبر سے کام لے گا اور اس کے تمام مطالبات سے عہدہ برآ ہوگا۔ خرقہ پہننے کے بعد خود کو اگلے بزرگوں کے رنگ میں رنگ لے۔ اگر خرقہ پہننے کے بعد معنویت حاصل نہیں ہوئی تو سمجھ لو کہ کل قیامت کے دن تمام مشائخ اس سے باز پرس کریں گے۔ اور اگر معنویت حاصل ہوگئی تو تمام مشائخ اس کے لئے سفارش کریں گے۔ اور اس کے شفیع بن جائیں گے۔

سہ سرتراش

خزانہ جلالی میں حضرت شیخ نجم الدین کے اصحاب کی بعض کتابوں کے حوالہ سے منقول ہے کہ حضرت شیخ نجم الدین قدس اللہ سرہ کے تین شیخ تھے۔ ایک اسمٰعیل قصری دوسرے عمار یاسر اور تیسرے شیخ ضیاء الدین ابونجیب سہروردی رضوان اللہ علیہم اجمعین چونکہ آپ کو ان تینوں شیوخ سے قوت ومدد (یعنی فیض) حاصل تھا اسی لئے آپ کو "سہ سرتراش" کہا جاتا ہے اور مشائخ سے جو خرقہ کی سند آپ کو ملی اس کو

خزانہ جلالی میں یوں تحریر کیا ہے۔

اسنادِ خرقہ

شیخ ابوالجناب احمد بن عمر اصوفی المشتہر بہ نجم الدین کبری نے شیخ اسماعیل القصری سے خرقہ پایا آپ نے محمد بن مالکیل سے آپ نے داود بن محمد المعروف بخوم الفقراء سے آپ نے ابی العباس بن ادریس سے آپ نے ابی القاسم بن رمضان سے آپ نے یعقوب الطبری سے آپ نے عبداللہ بن عثمان سے آپ نے یعقوب النہرجوری سے آپ نے یعقوب السوسی سے آپ نے عبدالواحد بن زید سے آپ نے کمیل بن زیاد سے آپ نے حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہم سے اور آپ نے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے خرقہ پایا۔

سندِ صحبت و طریقت

شیخ ابوالجناب (یعنی حضرت نجم الدین کبری) نے حضرت شیخ عمار بن یاسر اندلسی سے صحبت اور طریقت پائی۔ آپ نے شیخ ضیاءالدین ابی النجیب عبدالقاہر السہروردی[1] سے آپ نے شیخ احمد غزالی سے آپ نے ابی بکر نساج سے آپ نے شیخ ابی القاسم گرگانی[2] سے آپ نے ابی عثمان المغربی سے آپ نے ابی علی کاتب سے آپ نے ابی علی الرودباری سے آپ نے جنید بغدادی سے آپ نے سری سقطی سے آپ نے معروف کرخی سے آپ نے داود طائی سے آپ نے حبیب عجمی سے آپ نے سیدالتابعین حسن بصری سے اور آپ نے حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ سے صحبت و طریقت پائی۔

اتباعِ رسول اور شہادت

حضرت خواجہ نجم الدین کے مناقب اس قدر ہیں کہ اس مختصر کتاب میں تحریر کرنا ممکن نہیں۔ جہادِ اکبر میں اگر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی روش کا ذوق کامل طور پر حاصل تھا تو جہادِ اصغر میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا شرف نصیب ہوا تھا۔ خیبر والی یہودی عورت کا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر دینا اور اس زہر کا اثر آخر عمر تک باقی رہنا یہاں تک کہ اسی زہر کے اثر سے وفات پانا،

1۔ مطبوعہ نسخہ میں عبدالقادر ہے۔ 2۔ مطبوعہ نسخہ میں کرمانی ہے۔

زہر کے اثر سے وفات پانے میں یہ نکتہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کمال کے تمام درجات پر فائز رہنے کے ساتھ ساتھ درجہ شہادت کو بھی پالیں اور کوئی فضیلت باقی نہ رہ جائے۔ خواجہ نجم الدین کبریٰ کو بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع و پیروی میں چنگیز خاں کے حملہ میں شہادت نصیب ہوئی تاکہ حضور کی اتباع کا یہ درجہ بھی اس طرح حاصل ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کے ساتھ جو معاملہ بھی کرتا ہے اس میں کوئی نہ کوئی حکمت اور راز ضرور ہوتا ہے۔

آپ کی شہادت کا واقعہ یوں ہے کہ شیخ مجدالدین بغدادی جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے بہت خوبصورت اور صاحب جمال تھے اپنے زمانہ میں حسن و جمال میں اپنی مثال آپ تھے۔ یعنی اس زمانہ میں آپ کا کوئی ثانی نہ تھا خود بخود فریفتہ ہو جاتا۔ ہر آنکھ والے کو آپ کے دیدار کی تمنا رہتی۔ ہر شخص زبان حال سے یہی شعر کہتا۔

چشماں من از روئے تو بسندہ نہ سیرند   ہر چند کہ بیند نہ بیند بہ بیند

(میری آنکھیں تمہیں دیکھنے سے سیر نہیں ہوتی ہیں دیکھتی ہیں تو پھر دیکھتی ہی رہ جاتی ہیں)

حضرت مجدالدین بہت خوبصورت تھے۔ محمد خوارزم شاہ کی بیٹی بھی آپ کے حسن و جمال پر فریفتہ تھی۔

ایک روز شیخ مجدالدین بغداد میں تشریف فرما تھے اور کسی شطرنج باز کے ساتھ شطرنج کھیل رہے تھے شیخ نجم الدین کبریٰ اپنے مریدوں کے ساتھ بازار سے گذرے آپ کی نگاہ شیخ مجدالدین پر پڑی اور سمجھ گئے کہ یہ جوان ظاہری خوبصورتی کے ساتھ ساتھ حسن سیرت سے بھی آراستہ ہیں بلکہ ان کی باطنی قومیت ظاہری خوبصورتی سے کہیں آگے ہے آپ ان کی صورت و سیرت پر فریفتہ ہو گئے

خدنگ غمزہ خوباں خطا نمی افتد   اگرچہ طائفہ زہد را سپر گیرند

(صاحب حسن و جمال کے ابرو کے تیر کا نشانہ کبھی خطا نہیں کرتا اور یہ ان زاہدوں کی جماعت کو بھی اپنا نشانہ بناتا ہے جو زہد کے ڈھال سے اپنے کو بچانا چاہتے ہیں)

خواجہ نجم الدین کبریٰ عالم ملکوت و جبروت کے شہباز تھے آپ ملکوتی و جبروتی تمثلات کے شکار بھی نہیں ہوئے۔ سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ و طفیل میں آپ کی آنکھیں **مازاغ البصر و ما طغی** سے سرمگیں تھیں۔ اس لئے حضرت شیخ مجدالدین کا حسن اور جمال با کمال آپ کو اپنا شکار نہیں بنا سکا۔ آپ زبان حال سے یہ مصرع پڑھ رہے تھے۔

مشکل کسے دام آورد مانند تو شهبار را

(تیرے جیسے شہباز کو کوئی شکار کر لے یہ بہت مشکل ہے)

یہ ایک عظیم راز ہے اس کو عارف کامل ہی جانتے ہیں جو ناقص ہیں وہ اس حال کو سن کر طعنہ دیں گے اور جو کاملین ہیں وہ غبطہ کریں گے اور حضرت زینبؓ کے قصہ پر اس کو محمول کریں گے۔

جب خواجہ نجم الدین کے ہاتھوں سے اختیار کی کام چھوٹ گئی تو آپ نے تفریح اور انبساط کو ذریعہ بنایا۔ خواجہ مجد الدین کے پاس اپنے خادم کو بھیجا اور فرمایا کہ اس نوجوان سے جا کر کہو کہ چو نجم الدین کے ساتھ شطرنج کھیلو۔ شیخ مجد الدین کے اندر جو قابلیت تھی اسی قابلیت نے انہیں فوراً اس دعوت کو قبول کرنے پر مجبور کر دیا شطرنج کی بساط لے کر حضرت خواجہ نجم الدین کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ بساط پھیر دیا اور خواجہ نجم الدین شیخ مجد الدین کے ساتھ شطرنج کھیلنے میں مشغول ہو گئے۔ مہرہ کی ہر چال میں راہ ہدایت طے کراتے اور ہر چال میں سلوک وطریقت کے مقام میں سے یک مقام پر پہنچا دیتے یہاں تک کہ جب مات کرنے کی منزل آئی تو واصل بحق کر دیا اور طریقت میں اپنا بچہ بنا دیا۔ شیخ مجد الدین شیخ کامل بن گئے۔ ان کے مرید بھی بلند اور روشن احوال کے مالک ہوئے مرصاد العباد[1] کے مصنف بھی ان ہی کے مرید ہیں رسالہ مکیہ کے مصنف بھی چند واسطوں سے ان ہی کے مریدوں کی فہرست میں آتے ہیں۔

...... آمدیم بر سر سخن ...... جب شیخ مجد الدین مسند طریقت پر جلوہ افروز ہوئے اور محمد خوارزم شاہ کی لڑکی ان کے عشق میں مبتلا تھی اس نے بہت حیلے اور بہانے تراشے تا کہ شیخ مجد الدین کو کسی طرح اپنی طرف مائل کرے لیکن شیخ مجد الدین تو خدا کی محبت میں اس درجہ گم ہو چکے تھے کہ خود ان کو اپنی خبر نہ تھی وہ محبت الٰہی میں بے خود تھے غیروں کی طرف کیا مائل ہوتے۔ جب اس حال میں ایک عرصہ گذر گیا اور اس لڑکی کا مقصد حاصل نہیں ہوا تو اس کا اضطراب بڑھنے لگا۔ عشق کی بے قراری میں اضافہ ہو گیا محبت کی کہانی لوگوں کی زبان پر پھیلنے لگی اس کے باپ یعنی خوارزم شاہ کو یہ بات پسند نہ آئی۔ سلطنت کے غرور کا نشہ اس پر سوار تھا۔ اس نے شیخ مجد الدین کے قتل کا پختہ ارادہ کر لیا تا کہ یہ عشق کا چرچہ ہی ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے۔ اس نے کچھ لوگوں کو اس کام کے لئے تیار کر لیا اور شیخ مجد الدین کو قتل کروا دیا۔ جب ان کی شہادت ہوگئی تب خوارزم شاہ کی آنکھ کھلی وہ اپنے دل میں سوچنے لگا کہ یہ کیا ہو گیا شیخ مجد الدین تو حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ کے محبوب اور منظور نظر تھے۔ حضرت کے دل کا ملال کہیں میری

---

[1] مرصاد العباد کے مصنف شیخ نجم الدین رازی المعروف بہ دایہ ہیں۔ (نفحات الانس مخطوط ص ۶۷۳)

سلطنت کے زوال کا سبب نہ بن جائے۔ طرح طرح کے تحائف لے کر وہ معافی کے لئے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا جیسے ہی آپ کی نظر اس پر پڑی آپ نے فرمایا مجد الدین کا خوں بہا لے آئے ہو؟ سنو اس کا خون بہا تمہارا سر، نجم الدین کا سر اور سارے لوگوں کا سر ہوگا۔

شیخ کے اس فرمان کو زیادہ عرصہ نہیں گذرا تھا کہ چنگیز خاں ملعون نے تو لاکھ سواروں کے ساتھ وہاں حملہ کر دیا پورے ملک میں تباہی مچ دی محمد خوارزم شاہ اور اسکی سلطنت کے دیگر ارکان کو قتل کر دیا۔ اس کے بعد یہ کفار حضرت نجم الدین کبری کی خانقاہ میں داخل ہو گئے۔ اور آپ پر تلوار چلانا چاہا لیکن وہ کامیاب نہیں ہو سکے اور آپ نے فرمایا کہ تم لوگ تین دنوں تک ہم لوگوں پر تلوار چلانے میں کامیاب نہیں ہو سکتے اور اس تین روز کے تاخیر ہونے کا سبب یہ ہے کہ ابھی کچھ سالکین (ہماری خانقاہ میں) چلہ کش ہیں اور ان کا چلہ پورا ہونے میں تین دن باقی ہیں۔ تین روز گذرنے کے بعد جب یہ سالکین واصل بحق ہو گئے تو چوتھے دن سب نے حضرت خواجہ نجم الدین کبری کے ساتھ جام شہادت نوش فرمایا[1]

سبحان اللہ ان سالکین کی کیسی مشغولیت ہوتی تھی دنیا میں فتنہ و فساد پھیل گیا جان پر بن آئی لیکن ان کی مشغولیت میں کوئی فرق نہیں پڑا۔ جب ایسی مشغولیت ہوگی تب منزل مقصود حاصل ہوگی۔

ناقابل است آنکہ بدولت نمی رسد ورنہ زمانہ در طلب مرد قابل است

(جس میں قابلیت نہیں ہوتی ہے وہی دولت سے محروم رہتا ہے ورنہ زمانہ تو قابلیت رکھنے والوں کی تلاش میں رہتا ہے)

---

[1] کفار سے جنگ کرنے کا پورا قصہ نفحات الانس میں تفصیل کے ساتھ درج ہے

ذکر

حضرت خواجہ سیف الدین باخرزیؒ

خداوندا بذوق شاہ اندرز
جہان عشق سیف الدین باخرز

آداب والقاب

علوم ربانی کے جاننے والے، فیوض سبحانی کی قابلیت رکھنے والے، اہل شریعت کے پشت و پناہ اہل طریقت کے نشان راہ، معرفت کی بزرگی کو پانے والے حقیقت کے راز سربستہ کو کھولنے والے۔ میدان صدق میں دوڑ لگانے والے صدیقوں کے بادشاہ خواجہ سیف الملۃ والدین باخرزیؒ اپنے عہد کے امام اور مشہور زمانہ شیخ تھے بلند و رفیع مقامات کے حامل روشن احوال کے مالک تھے۔ روش شہود کی سیر کرنے والے اور اس راہ میں پرواز کرنے والے ہوئے موتوا قبل ان تموتوا (مر جاؤ قبل مرنے کے) کی راہ پر گامزن تھے راہ سلوک میں آگے بڑھنے کا جذبہ حاصل تھا اور اپنے زمانہ میں اپنی مثال آپ تھے اس زمانہ کے مشائخ آپ کے کلمات و فرمودات پر اعتماد رکھتے اور معرفت کے باریک نکات آپ ہی سے حاصل کرتے۔

تصوف کے علوم کو آپ نے نظم میں بیان فرمایا ہے۔ ایک دفعہ[1] مریدوں نے گذارش کی کہ کوئی کتاب تصنیف کر دی جائے آپ نے فرمایا کہ میرا ایک شعر ہی کتاب کے درجہ میں ہے۔

اشعار کا جواب اشعار میں

جن لوگوں پر اعتماد اور بھروسہ کیا جا سکتا ہے ان سے سنا گیا ہے کہ کشاف کے مصنف جار اللہ زمخشری نے ارباب تصوف کی مذمت میں یہ دو اشعار کہے۔

---

1. فوائد الفواد ملفوظ حضرت شیخ نظام الدین اولیاء قدس سرہ مطبوعہ ۱۹۱۶ ص ۱۵۰ میں بھی آپ کا یہ قول اسی طرح درج ہے

ایا جیل التصوف شر جیل　　لقد جئتم بامر مستحیل
اقال الله فی القرآن قولا　　کلوا مثل البهائم وارقصوا لی

اے ارباب تصوف بدترین گروہ والے　　تم لوگوں نے محال چیزوں کو لے لیا ہے
کیا قرآن میں اللہ نے ایسا کچھ فرمایا　　کہ چوپایوں کی طرح کھاؤ اور بے جا رقص کرو

حضرت شیخ سیف الدین باخرزی نے جواب میں یہ دو شعر کہے

ایا خیل التصوف خیر خیل　　شرحتم کل امر مستحیل
لقال الله فی القرآن حقا　　کلوا من طیبات و شکروا لی

اے ارباب تصوف بہترین گروہ والے
تم لوگوں نے تمام محال و مشکل چیزوں کی اپنے عمل سے شرح فرمائی
بے شک اللہ نے قرآن میں سچ فرمایا
کہ پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ اور میرا شکر ادا کرو

لذت نیم شب

آپ کے اشعار ہندستان میں بہت کم پہنچے ہیں۔ یہ دو اشعار بھی آپ ہی کے ہیں

چوں چتر سنجری رخ بختم سیاہ باد　　با فقر اگر بود ہوس ملک سنجرم
تایافت جانِ من خبرِ از ملک نیم شب　　صد ملک نیم روز بیک جو نمی خرم

(اگر میں فقر کی دولت کے باوجود سنجر کے ملک کی ہوس کروں تو میری تقدیر کا چہرہ سنجری چتر کی طرح سیاہ ہو جائے۔ میری روح نے نصف شب کے ملک کی جانکاری حاصل کر لی ہے اب تو میں ملک نیم روز کی سلطنت ایک جو کے بدلے میں بھی نہیں خرید سکتا)

محبت میں صادق کون؟

خواجہ قطب الدین بختیار اوشی رحمۃ اللہ علیہ اپنے پیر خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمۃ اللہ علیہ سے

ملفوظ دلیل العارفین میں تحریر فرماتے ہیں کہ سوموار کے دن قدم بوسی کی سعادت حاصل ہوئی۔ اس وقت شیخ شہاب الدین سہروردی، خواجہ اجل سروری[1] اور شیخ سیف الدین باخرزی بھی ملاقات کے لئے آئے ہوئے تھے۔ گفتگو کا موضوع یہ تھا کہ محبت میں صادق کون ہے؟ خواجہ معین الدین نے فرمایا کہ محبت میں صادق وہ ہے کہ جب اس پر بلاؤں کا نزول ہو تو وہ ان بلاؤں کو رغبت اور خوشی سے قبول کرے ان کے بعد شیخ شہاب الدین سہروردی نے فرمایا کہ محبت میں صادق وہ ہے کہ اس پر عالم شوق و اشتیاق کا ایسا غلبہ ہو کہ اگر سو ہزار تلواریں بھی اس کے سر پر پڑیں تو اس کو خبر نہ ہو اور یہ نہ کہے کہ یہ تلواریں کہاں سے برس رہی ہیں۔ ان کے بعد خواجہ اجل سروری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا محبت میں صادق وہ ہے کہ اگر اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیں، اس کے سر پر آگ روشن کر دیں اور اس کو جلا کر خاکستر کر دیں تو وہ اُف نہ کرے۔ دم نہ مارے اور ساکت رہے ان کے بعد شیخ سیف الدین باخرزی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ محبت میں صادق وہ ہے کہ اس کو جو کچھ بھی رنج و تکلیف پہنچے "مشاہدہ جمال دوست" میں ایسا محو رہے کہ اس سب کو بھول جائے اور اس رنج و تکلیف کا اس پر کچھ بھی اثر نہ ہو۔

یہ سن کر خواجہ معین الدین نے فرمایا کہ شیخ سیف الدین کا قول حقیقت سے زیادہ قریب ہے اس لئے آثار الاولیاء میں دیکھا ہے کہ ایک دفعہ حضرت رابعہ بصریہ، خواجہ حسن بصری، مالک دینار اور خواجہ شفیق بلخی سب بصرہ میں ایک جگہ تشریف فرما تھے۔ مولیٰ کی محبت میں صدق کے اسی موضوع پر گفتگو ہونے لگی۔ سب اپنے اپنے طور پر تشریح کر رہے تھے جب حضرت رابعہ بصریہ کی باری آئی تو آپ نے فرمایا کہ مولیٰ کی محبت میں وہی صادق ہے جو مشاہدہ دوست میں سب رنج و تکلیف بھول جائے اس کے بعد خواجہ نے فرمایا کہ مجھے بھی شیخ سیف الدین کے قول سے اتفاق ہے اور اصل معاملہ بھی یہی ہے۔

سانپ کا تقریر سننا

حضرت شیخ نصیر الدین محمودؒ کے ملفوظ خیر المجالس میں تحریر ہے کہ ایک دفعہ شیخ سیف الدین باخرزی رحمۃ اللہ علیہ تقریر کر رہے تھے تقریر میں جب گرمی آئی تو منبر کے اوپر چھت کے ایک سوراخ سے سانپ نکلا۔ پھن مار کر کھڑا ہو گیا لوگوں نے ادھر دیکھنا شروع کر دیا۔ یکے بعد دیگرے سب دیکھنے لگے۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ کیا بات ہے؟ لوگوں نے عرض کیا ایک سانپ نکل آیا ہے آپ نے فرمایا کہ اس کو

---

[1] ترجمہ دلیل العارفین مطبوعہ ۳۳۳ میں اجل شیرازی درج ہے۔

تکلیف نہ دو، وہ اللہ کی باتیں سننے کے لیے آگیا ہے۔ جب آپ منبر سے نیچے آئے وہ سانپ سوراخ میں واپس چلا گیا۔

نظام شب بیداری

شیخ فریدالدین اجودھنی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظ راحت القلوب میں ہے کہ شیخ سیف الدین باخرزی کا قاعدہ تھا کہ مغرب کی نماز پڑھنے کے بعد اسی جگہ سو جاتے یہاں تک کہ رات کا تہائی حصہ جب گذر جاتا تو اٹھ جاتے۔ اس وقت امام اور مؤذن بھی وہاں موجود ہوتے عشاء کی نماز ادا کی جاتی اور پھر صبح تک جاگتے رہتے۔ پوری زندگی آپ کا یہی معمول رہا۔۔۔ یہاں تک راحت القلوب کی عبارت ہے۔۔۔ اس سلسلہ میں یہ بات جاننی ضروری ہے کہ یہ جو کہا گیا کہ مغرب اور عشاء کے درمیان سونا مکروہ ہے یہ اس شخص کے لئے ہے جو رات کو قیام نہیں کرتا مگر صرف مغرب اور عشاء کے درمیان۔۔۔

قوت القلوب میں رات کے قیام کے لئے رات کی تقسیم اس طرح کی گئی ہے۔ وان احب المرید نام ثلث اللیل الاول و قام نصفه و نام سدسه الأخر و ان اراد نام نصفه و قام ثلثه و نام سدسه الأخر یعنی اگر مرید اس بات کو پسند کرے تو ابتدائی رات کے تہائی حصہ میں سو رہے نصف شب میں قیام کرے اور آخر رات کے چھٹے حصہ میں سو رہے اور اگر چاہے آدھی رات سو رہے اور تہائی رات قیام کرے اور رات کے آخری چھٹے حصہ میں سو رہے عوارف میں بھی اسی طریقہ پر درج ہے۔

اگر عشاء کے بعد سونا مراد لیا جائے تو رات کی وہ تقسیم جو اوپر بتائی گئی درست نہیں ہوگی اس لئے کہ ہمارے علاقہ میں عشاء وہ وقت تین گھڑی گذرنے کے بعد ہوتا ہے اور یہ رات کا دسواں حصہ ہے کیونکہ یہ علاقہ میں جہاں معتدل ہو چکی ہے اور رات دن برابر ہوتا ہے رات کے تیس گھنٹے کئے جائیں تو تین گھڑی کے بعد عشاء کا وقت ہوگا اور عشاء گذارنے میں دو گھڑی لگ جائے گی۔ لہذا رات کا ابتدائی پانچ گھڑی بیداری میں گذر جائے گی۔ اور یہ رات کا چھٹا حصہ ہوگا اور رات کی جو تقسیم بتائی گئی ہے اس تقسیم کی رو سے رات کے ابتدائی چھٹے حصہ میں بیدار رہے دوسرے چھٹے حصہ میں سو جائے اس کے بعد آدھی رات کو اٹھ جائے اس وقت سے قیام کرے آخری چھٹے حصہ میں پھر سو جائے

اور دوسری تقسیم جو قوت القلوب کے حوالہ سے درج ہوئی اس کے رو سے لازم آتا ہے کہ آدھی رات تک عشاء میں تاخیر کی جائے اور اتنی تاخیر مستحب نہیں ہے ہاں مباح ہے اور شب بیداری کے لئے مستحب کا ترک کرنا جائز ہے۔

قوت القلوب میں یہ عبارت بھی موجود ہے۔ و کان منهم من ينام اول الليل فاى و قت انتبه احى بقية ليله و لم يعد لنومه ثابه راتوں کو جاگنے والے اور شب بیداری کرنے والے بعض لوگ ایسے بھی ہوئے ہیں جو رات کے اگلے حصہ میں سو جاتے اور جب بیدار ہوتے تو رات کے باقی حصے کو جاگ کر گذار دیتے اور پھر دوبارہ نہیں سوتے۔

شیخ سیف الدین دیکھنے والوں کی نظر میں سوئے ہوئے نظر آتے مگر حقیقتاً آپ عبادت فکری میں مشغول رہتے اور یہ سلسلہ تہائی رات تک رہتا تہائی رات کی حفاظت کی یہ واضح دلیل ہے اس سے کہ حقیقتاً سونے والا تہائی رات کی حفاظت ہمیشہ نہیں کر سکتا ہے۔

نان گرانمایہ

برہان الاتقیاء میں ہے کہ ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تین ہزار دینار طلب کا سوال کیا آپ نے اپنے خادم سے فرمایا کہ اس کے ہاتھ میں تین روٹیاں دے دو خادم نے تین روٹیاں حوالہ کر دیں وہ روٹیاں لے کر باہر آ گئے کسی شخص نے پوچھا کہئے آپ کو دربار سے کیا ملا؟ انہوں نے کہا تین ہزار دینار کا سوال کیا تھا اور تین روٹیاں ملیں۔ اس شخص نے کہا تین ہزار دینار مجھ سے لے لیجئے اور یہ تینوں روٹیاں مجھے دے دیجئے۔ انہوں نے روٹیاں دے کر تین ہزار دینار اس سے لے لیا اس کے بعد اس شخص نے کہا کہ آپ نے یہ سودا مفت میں کر لیا اور بہت کم قیمت میں یہ روٹیاں فروخت کر دیں۔

علاج ضعف ایمان

ایک دن ایک شخص آپ کی خدمت میں آئے اور کہا کہ اے امام میرے پاس کافی مال تھا لیکن کچھ دنوں سے میرے مال میں نقصان ہو رہا ہے حقوق کی ادائیگی میں زحمت اٹھانی پڑ رہی ہے اور وقت گذارنا مشکل ہو رہا ہے۔ آپ نے فرمایا جب مومن کے دل میں کمی ہو یا اس کے نفس میں کوئی

لے قلمی نسخہ میں سرصد ہے اور مطبوعہ میں سی صد۔

بیماری ، حق موتو یہ اس کے صحت یمان کی دلیل ہے۔

علم غیب

حضرت شیخ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظ فوائد الفواد میں آیا ہے کہ ایک رات شیخ سعد الدین حمویہ کو خواب میں حکم ہوا کہ شیخ سیف الدین باخرزی کی خدمت میں جاؤ اور ان کی زیارت کرو۔ جب شیخ سعد الدین خواب سے بیدار ہوئے تو اپنی جگہ سے اس مقام کے لیے روانہ ہو گئے جہاں شیخ سیف الدین باخرزی کی قیامگاہ تھی اور آپ کی قیامگاہ کی دوری وہاں سے تین مہینے کی مسافت تھی۔ ادھر شیخ سیف الدین نے بھی خواب میں دیکھا کہ شیخ سعد الدین حمویہ کو آپ کی خدمت میں بھیجا جا رہا ہے۔ جب شیخ سعد الدین نے تین مہینے کی راہ طے کر لی اور صرف تین منزل باقی رہی تو شیخ سیف الدین کی خدمت میں ایک شخص کو بھیجا اور یہ پیغام دیا کہ میں نے آپ کی زیارت کے لیے تین مہینے کی راہ طے کر لی اب آپ کم از کم تین منزل تو میرے استقبال کو آئیے۔ جب آپ کو یہ پیغام ملا آپ نے فرمایا یہ فضول باتیں ہیں وہ مجھے نہیں دیکھ سکیں گے۔ اور واقعی ایسا ہی ہوا شیخ سعد الدین اسی جگہ رحمت حق سے مل کے جنت واصل بحق ہوئے اور شیخ سیف الدین باخرزی کی خدمت میں نہیں پہنچ سکے۔ راحت القلوب جو شیخ نصیر الدین محمود کا ملفوظ ہے اور جسکو محمد ابو بکر قرشوری نے جمع کیا ہے اس میں تحریر ہے کہ شیخ سعد الدین حمویہ اور شیخ سیف الدین رحمہما اللہ دونوں شیخ نجم الدین کبریٰ کے خلیفہ تھے۔

سلیقہ دل نوازی کا

فوائد الفواد میں آیا ہے کہ ایک دفعہ درویشوں کے اخلاق اور دشمنوں کے ساتھ ان کے معاملات پر گفتگو ہو رہی تھی فرمایا کہ تاتاری نام کا ایک بادشاہ تھا جس کو حضرت سیف الدین باخرزی رحمۃ اللہ علیہ سے بے انتہا محبت تھی اور کسی فساد میں وہ مارا گیا اس کے قتل کے بعد ایک دوسرے شخص کو سلطنت ملی اور وہ تخت نشین ہوا اس سے قربت رکھنے والوں میں ایک ایسا شخص بھی تھا جس کو چغلخوری کی عادت تھی اور وہ حضرت شیخ سیف الدین باخرزی سے دشمنی رکھتا تھا جب اس چغلخور کو موقع ہاتھ آیا اور بادشاہ سے گفتگو کا موقع ملا تو اس نے کہا کہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ یہ سلطنت اور حکومت آپ کے ہاتھ میں رہے تو سب سے پہلے شیخ سیف الدین کو راستے سے ہٹائیے اس لیے کہ ملک میں یہ جو کچھ تبدیلی اور سلطنت کی منتقلی

ہوتی ہے وہ سب انہیں کی وجہ سے ہوتی ہے۔ بادشاہ نے یہ سن کر اس شخص سے کہا کہ تم جاؤ اور جس طرح بھی ہو شیخ سیف الدین کو یہاں لے کر آؤ وہ شخص گیا اور شیخ سیف الدین کی گردن میں دستار ڈال کر گستاخی کے ساتھ اور ذلت آمیز انداز میں پکڑ کر لے آیا جیسے ہی آپ شاہی دربار میں پہنچے اور بادشاہ کی نظر آپ پر پڑی وہ اسی وقت تخت سے نیچے اتر آیا آپ کے ہاتھ پاؤں چومنے لگا گھوڑا اور جامہ پیش کیا معافی مانگی اور عرض کیا میں نے اس طرح لانے کے لئے تو نہیں کہا تھا۔ آپ اسی وقت وہاں سے اٹھ کر اپنی قیامگاہ چلے آئے۔ دوسرے روز بادشاہ نے اس شخص کو ہاتھ پاؤں باندھ کر آپ کی خدمت میں بھیج دیا اور کہلوا دیا کہ میں نے تو اس کے قتل کا حکم نافذ کر دیا ہے۔ مگر حضور کے پاس اس لئے بھیج رہا ہوں کہ آپ جس طرح حکم دیں قتل کر دیا جائے۔ آپ نے جب اس شخص کو دیکھا اسی وقت اس کا ہاتھ پاؤں کھول دیا۔ اپنا پیرہن اس کو پہنا دیا اور فرمایا کہ چلو آج میرے ساتھ وعظ کی مجلس میں چلو۔ وہ جمعہ کا دن تھا اور اسی روز آپ کی تقریر کا دن تھا آپ مسجد میں تشریف لائے اور اس شخص کو بھی اپنے ساتھ لائے منبر پر جلوہ فروز ہوئے اور یہ شعر پڑھا۔

آنہا کہ بجائے من بدیہا کردند گر دست دہد بجز نیکوئی نکنم

(جو میرے ساتھ برائی سے پیش آئے اگر مجھے موقع مل جائے تو میں اس کے ساتھ نیکی سے پیش آؤں)

مہمان نوازی

شیخ الاسلام شیخ فریدالدین اجودھنی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظ راحت القلوب سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا ایک دفعہ میں نے بخارا کا سفر کیا وہاں شیخ سیف الدین کی زیارت نصیب ہوئی آپ بہت بڑے بزرگ اور عظمت و ہیبت والے شیخ تھے آپ کے جماعت خانہ میں داخل ہوتے ہی زمیں بوس ہو گیا حکم ہوا کہ بیٹھ جاؤ اور میں بیٹھ گیا آپ جتنی بار نظر اٹھا کر دیکھتے یہی فرماتے کہ یہ لڑکا اپنے زمانہ کے مشائخ میں ہوگا۔ ساری دنیا کے لوگ اس کے مریدوں اور فرزندوں میں شامل ہوں گے اس کے بعد آپ نے اپنی کالی کملی جو آپ کے کاندھے پر تھی اتار کر میری طرف پھینک دی اور فرمایا کہ اسے اوڑھ لو میں نے وہ کملی اوڑھ لی میں چند روز آپ کی صحبت میں رہا اور میں نے یہی دیکھا کہ روزانہ ہزار مرد بلکہ اس سے بھی زیادہ لوگ آپ کے دستر خوان پر کھانا کھاتے۔ یہی روز کا معمول تھا۔ اور اگر کھانے کا وقت

میں رہتا اور جس وقت بھی اگر کوئی آجاتا تو وہ بھی محروم نہیں جاتا بلکہ کچھ نہ کچھ اس کو ضرور عنایت ہوتا۔

تنگ کا تازیانہ

حضرت نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظ فوائد الفواد میں منقول ہے کہ بخارا میں ایک لڑکا تھا جس کو پریوں کی جماعت پریشان کرتی روزانہ مغرب کی نماز کے وقت وہ جہاں پر بھی ہوتا اسے اٹھا کر لے جاتی اور اس کے گھر کے آنگن میں ایک درخت تھا اس لڑکے کو اسی درخت پر بیٹھا کر چلی جاتی۔ اس بچے کے والدین جہاں تک ممکن ہوتا حفاظت کرتے۔ پوری احتیاط برتتے کمرہ میں چھپا کر رکھتے کمرہ میں تالا لگا دیتے لیکن جیسے ہی مغرب کی نماز کا وقت ہوتا وہ بچہ اسی درخت پر پایا جاتا۔ جب ان کی پریشانی بڑھ گئی اور مجبور و بے بس ہوگئے تو شیخ سیف الدین باخرزی کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے صورت حال بیان کی۔ آپ نے فرمایا اس بچہ کا سر مونڈ دیا جائے اس کے بعد اپنی ٹوپی اس کو پہنا دی اور اس سے فرمایا کہ پریوں کی جماعت اگر دوبارہ تمہارے پاس آئے تو اس سے کہہ دینا کہ میں شیخ کا مرید ہوں اور آپ ہی کے ذریعہ میرا سر مونڈا گیا ہے اور یہ ٹوپی بھی دکھا کر کہہ دینا کہ یہ ٹوپی مجھے حضرت ہی سے ملی ہے۔ جب وہ لڑکا گھر آیا اور وہی جماعت آئی تو اس لڑکے نے وہ ٹوپی دکھائی اور حضرت کے فرمان کے مطابق ساری بات کہی اس پر پریاں کانپ گئیں اور اس سے کہا کون بدنصیب اس بچہ کو شیخ کے پاس لے گیا یہ کہہ کر وہ سب چلے گئے اور پھر کبھی نہیں آئے۔

رہ و رسم شاہبازی

شیخ نصیر الدین محمود رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظ راحت القلوب میں ہے کہ مغل بادشاہ "خدابندہ" نے ایک رات شیخ سیف الدین کو خواب میں دیکھا کہ آپ تشریف لا چکے ہیں اور مغربی عمامہ زیب سر ہے۔ اسی بارگاہ میں تشریف فرما ہیں۔ مجھے کلمہ پڑھا رہے ہیں اور میں آپ کے سامنے مسلمان ہو رہا ہوں۔ صبح ہوتے ہی خدابندہ اٹھا اور اسی وقت مسلمان ہو گیا۔ اس کے بعد یہ خواب اپنی اہلیہ کو سنایا وہ بھی اسی وقت مسلمان ہو گئی پھر اپنے متعلقین ارکان حکومت اور لشکر سے کہا یہ سب بھی مشرف با اسلام ہو گئے۔ اس کے بعد خدابندہ نے شیخ سیف الدین رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک عریضہ بھیجا اور اس میں یہ لکھا کہ میں نے فلاں شب حضور کو خواب میں دیکھا ہے کہ آپ مجھے کلمہ پڑھا رہے ہیں اور میں مسلمان ہو

رہا ہوں۔ خواب سے بیدار ہو کر میں میری بلیہ میرے متعلقین ارکان حکومت اور لشکر سب نے اسلام قبول کر لیا اب میں آپ کی زیارت کے خیال سے بخارا آنا چاہتا ہوں۔ حضور بخارا کے لوگوں کو یہ بتا دیں کہ میرے آنے سے ان کے دل میں کسی طرح کا خوف و ہراس پیدا نہ ہو اور وہ یہ نہ سمجھ لیں کہ میں بخارا پر قبضہ کرنے کے لئے آ رہا ہوں۔ جب خدا بندہ بخارا کے نزدیک پہنچا۔ اس نے آپ کو اطلاع دی آپ نے اس کو پیغام بھیجا کہ وہ چند لوگوں کے ساتھ بخارا آئے اور جب یہاں سے واپس جائے تو پھر لشکر میں سے کچھ لوگ آئیں۔ اسی طرح تھوڑے تھوڑے لوگ آئیں ایک ساتھ سب لوگ نہ آئیں۔ خدا بندہ چند لوگوں کے ساتھ بخارا میں داخل ہوا جب آپ کی خانقاہ کے قریب پہنچا شیخؒ کی خدمت میں اپنے پہنچنے کی خبر دی۔ آپ نے خادم کو بلایا اور فرمایا کہ سبز چوغا اور مصری دستار جو رکھی ہے نکال کر لاؤ تا کہ میں اسے پہنوں احباب نے عرض کیا حضور خدا بندہ کی کیا حیثیت ہے جو اس کے لئے یہ تیاری کی جا رہی ہے۔ آپ نے فرمایا خدا بندہ نے مجھ کو اسی لباس میں خواب میں دیکھا ہے اسی لئے میں یہ پوشاک استعمال کر رہا ہوں تا کہ اس کا خواب سچ ہو جائے اور اس کے اعتقاد میں پختگی آ جائے خدا بندہ چند لوگوں کے ساتھ حاضر خدمت ہوا تحفے اور نذرانے پیش کئے اور تجدید ایمان کیا اور شیخؒ نے بھی اس کی تعظیم کی۔ تین دن کے بعد وہ رخصت ہوا۔ تین دنوں تک خدا بندہ کے لشکر کے کھانے پینے کا انتظام شیخؒ کی طرف سے ہوا اس کی واپسی کے بعد لشکر میں سے تھوڑے تھوڑے لوگ آتے رہے اور قدم بوس ہو کر واپس جاتے رہے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ پہلے اس کو "خربندہ" کہا جاتا تھا مسلمان ہونے کے بعد اس کا نام "خدا بندہ" ہو گیا۔

شیخ نصیر الدین محمودؒ کے ملفوظ خیر المجالس میں یہ حکایت اس طرح آئی ہے کہ قیدو نام کا ایک مغل بادشاہ تھا، اس کے انتقال کے بعد اس کا لڑکا خربندہ تخت نشین ہوا۔ اس نے ایک رات خواب دیکھا کہ شیخ سیف الدین باخرزی کے سامنے مسلمان ہو گیا ہے۔ اس کے بعد اسی واقعہ کی تفصیل ہے اور آخر میں یہ تحریر ہے کہ خربندہ اپنی فوج کے ساتھ بخارا کے نزدیک پہنچا۔ اپنی اہلیہ اور صاحبزادگان کو لے کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ لوگوں نے آپ سے فرمایا کہ خربندہ آیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس کو خربندہ نہ کہو بلکہ خدا بندہ کہو۔ اس کے بعد سے وہ خدا بندہ کے نام سے مشہور ہو گیا۔

آخری سفر

فوائد الفواد میں ہے کہ شیخ سیف الدین باخرزی نے ایک روز اپنے پیر کو خواب میں دیکھا جو انتہائی

ذکر

حضرت خواجہ بدرالدین سمرقندیؒ

خداوندا بحال خود نمانده

فلك بدر سمرقندیش خوانده

آداب والقاب

آسمانِ طریقت کے ماہتاب، آسمانِ حقیقت کے آفتاب، راہِ استقامت کی رہبری فرمانے والے، اہلِ بدعت کے رسوم کو مٹانے والے، دینِ محمدی کے امام خواجہ بدرالدین سمرقندیؒ[1] اپنے زمانہ کے محقق مشائخ میں شمار ہوتے طریقت کے بہت سارے بزرگوں کو پایا۔ شیخ الاسلام شیخ سیف الدین باخرزی سے تربیت اور خلافت حاصل کی۔ تمام علومِ دین میں کامل تھے، ریاضت و مجاہدہ میں ثابت قدم اور اللہ کے دوستوں کی روش شعار کو اپنانے والے تھے، زبانِ حال سے ہمیشہ یہی فرماتے کہ علومِ دین کی طلب میں لگے رہو، علومِ دین کے مطابق عمل کرو، اور جو کچھ کرو وہ خالص للہ کرو۔ ایسا علم جس کے مطابق عمل نہ ہو بیکار ہے اور وہ عمل جس میں اخلاص نہ ہو بے فائدہ ہے۔ کرامت کی طلب میں لگے رہو یعنی کرم کرنے والے کی عبادت پر ہمیشہ قائم رہو۔ اس لئے کہ یہی استقامت اصل کرامت ہے۔ الاستقامة کل الکرامة جب عبادت میں استقامت حاصل ہوگی تب یقین کا کشف حاصل ہوگا۔

استقامت اصل کرامت

ہندوستان میں اصولِ طریقت کی بنیاد آپ اور آپ کے متبعین کے ذریعہ مستحکم ہوئی آپ سے پہلے عوام و خواص الا من شاء اللہ سب کشف و کرامت ہی کو شیخی اور بزرگی کی بنیاد سمجھ رہے تھے۔

یہ بات تو سب کو معلوم ہے کہ خواجہ قطب الدین بختیار رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں ہندوستان میں

---

[1] آپ کا مزار مبارک غزول میں ہے۔ اخبار الاخیار، ص ۲۵۰

اہل طریقت محققین کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ شیخ الاسلام شیخ بہاء الدین زکریا، شیخ الاسلام شیخ نجم الدین صغریٰ، شیخ شیخ الاسلام دہلی، شیخ الاسلام خواجہ بدرالدین سمرقندی (جن کا یہ تذکرہ ہو رہا ہے) خواجہ قطب الدین کے پیر شیخ الاسلام شیخ معین الدین سنجری رحمۃ اللہ علیہم اجمعین سب کے سب موجود تھے۔ لیکن عوام و خواص کا ہجوم جو خواجہ قطب الدین بختیار کے یہاں تھا وہ ان بزرگان دین میں سے اور کسی کے یہاں نہیں تھا۔ اور اس کی وجہ یہی تھی کہ خواجہ قطب الدین کے یہاں کشف و کرامت کا اظہار بہت ہوتا۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کرامت کے اظہار میں اس کی کیا نیت ہوتی ہے۔ لیکن یہ بات حق ہے کہ خواجہ قطب الدین بختیار کے پیر خواجہ معین الدین سنجری کو ان کا یہ اظہار کرامت پسند نہیں تھا۔ اس سے منع فرمایا۔

شیخ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظ "سراج العارفین" میں آیا ہے کہ ایک دفعہ شیخ معین الدین اجمیر سے دہلی تشریف لائے۔ اس وقت دہلی میں شیخ نجم الدین صغریٰ اس شہر کے شیخ الاسلام تھے۔ اور آپ ایک صاحب ولایت بزرگ تھے۔ شیخ معین الدین ملاقات کی نیت سے جب ان کے مکان پر پہنچے تو اس وقت آپ اپنے مکان کے صحن میں چبوترہ بنوا رہے تھے۔ جب شیخ معین الدین سامنے آئے انہوں نے رخ پھیر لیا۔ شیخ معین الدین جب اس طرف گئے تو انہوں نے رخ دوسری طرف کر لیا۔ یہاں تک کہ شیخ معین الدین جس طرف سے سامنے آتے آپ رخ دوسری طرف پھیرتے رہے۔ آخر میں شیخ معین الدین قدس سرہ چوپال تک گئے اور آپ کا ہاتھ پکڑ لیا۔ شیخ نجم الدین کہنے لگے کہ بختیار کو مجھ پر کیوں چھوڑ رکھا ہے کوئی یوں نہیں روکتے۔ شیخ معین نے فرمایا کہ اچھا منع کر دوں گا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب شہر میں شیخ قطب الدین کی شہرت کا یہ جگہ شور تھا اور سارے شہر کا رجوع آپ ہی کی طرف تھا۔

جب شیخ معین الدین گھر تشریف لائے شیخ قطب الدین سے فرمایا کہ بختیار تم نے یکایک اتنی شہرت کیوں اختیار کر لی کہ لوگوں کو تم سے شکایت ہونے لگی۔ ایسا ہی ہے تو یہاں سے اٹھو اجمیر چلو تم وہاں بیٹھنا اور میں تمہارے آگے کھڑا رہوں گا۔ شیخ قطب الدین نے فرمایا کہ حضرت آپ کے سامنے جب مجھے کھڑے ہونے کی ہمت نہیں ہوتی تو میں آپ کے سامنے بیٹھوں یہ کیسے ہو سکتا ہے یہاں تک سراج العارفین کی عبارت مکمل ہوئی۔

اس واقعہ کو تحریر میں لانے کا مقصد یہ ہے کہ جس زمانہ میں خواجہ بدرالدین سمرقندی دہلی میں جلوہ افروز تھے اس زمانہ میں ہندوستان کے لوگ اسی کو شیخ سمجھتے تھے جن سے کرامت کا ظہور ہوتا تھا اور جن سے کرامت کا اظہار نہیں ہوتا ان کی نظر میں وہ شیخ نہیں تھے۔ حالانکہ یہ بات نہیں۔ بلکہ معاملہ اس کے

برعکس ہے۔ یعنی دین پر قایم رہنا، کشف یقین کا حاصل ہونا، اور کرامت کا چھپانا شیخی یہی ہے۔ اگر اللہ تعالی کرامت عطا فرمائے یا کرامت سے الگ رکھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہاں کشف یقین کی نعمت ضرور حاصل رہنی چاہیے۔ جن کو کشف یقین کی نعمت حاصل ہے وہ کرامت سے بے نیاز رہتے ہیں۔ شیخ ہونے کے لئے کرامت لازم نہیں ہے۔ ہاں اگر کشف یقین کے ساتھ کرامت بھی حاصل ہے تو اچھا ہے اور اگر صرف کشف یقین ہے کرامت نہیں ہے تو یہ زیادہ اچھا ہے۔

شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ عوارف کے تیسرے باب میں تحریر فرماتے ہیں کہ بعض صادقوں میں کرامت کا دروازہ اس حکمت سے کھول دیا جاتا ہے کہ ان کے یقین میں زیادتی ہو۔ زہد اور نفس کی مخالفت میں ان کو زیادہ سے زیادہ قوت حاصل ہو اور بعض حضرات یقین کے ذریعہ صاحبِ کشف ہوتے ہیں۔ ان کے دل سے پردے ہٹا دیئے جاتے ہیں۔ اور یہ کرامت سے بے نیاز ہوتے ہیں اور یہ جماعت استعداد و اہلیت کے اعتبار سے پہلی جماعت سے زیادہ کامل سمجھی جاتی ہے۔ یہاں تک عوارف کی عبارت کا خلاصہ تھا۔ اب میں اصل عنوان کی طرف آتا ہوں۔ خواجہ بدرالدین سمرقندی نے لوگوں کو استقامت حاصل کرنے کی ترغیب دی۔ چاہنے والوں کے دلوں کو کرامت کی طلب سے دور رکھا اور جنہوں نے آپ کی خدمت کی اور جو آپ کی صحبت سے مشرف ہوئے انہوں نے دین کی راہ میں استقامت حاصل کی۔ مشائخ طریقت کی روش معلوم کی اور ان کے مذہب سے واقف ہوئے دوسرے لوگ اپنے قدیم اعتقاد پر رہے۔

کیفیت سے کیفیت پیدا ہوئی

خواجہ بدرالدین سمرقندی کا سماع میں بہت علی مقام تھا۔ ایک بار آپ کے سامنے چنگ بج رہا تھا۔ ایک بزرگ بھی اس مجلس میں موجود تھے۔ ان کو چنگ سے انکار تھا۔ اس لئے کہ چنگ مزامیر میں داخل ہے۔ وہ اس مجلس سے اٹھ کر چلے گئے۔ اور ایک گوشہ میں جا کر بیٹھ گئے جب خواجہ کو اس مجلس میں ذوق پیدا ہوا تو وہ بزرگ جو گوشہ میں جا کر بیٹھ گئے تھے مکیف ہو گئے اور ان پر ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ اپنی ریش مبارک پکڑتے ہوئے مجلس میں چلے آئے اور اپنی دستار اتار کر چنگ کے اوپر رکھ دی یقیناً سماع میں ایسی ہی کیفیت ہونی چاہئے کہ کیفیت سے کیفیت پیدا ہو جائے اور صاحب ذوق کی برکت سے دوسروں کو ذوق آ جائے۔

روشِ سمرقندیؒ

خواجہ بدرالدین سمرقندی کی روش ہندوستان کے مشائخ کی روش سے ممتاز ہے، ہندوستان کے مشائخ میں اکثر ارباب سماع ہوئے ہیں اور بعض اصحاب ریاضت و مجاہدہ۔ لیکن خواجہ بدرالدین سمرقندی شطار اور محبانِ حق کے طریقہ پر تھے اور اس قسم کے طریقے کا بیان خواجہ نجم الدین کبریٰ کے تذکرہ میں گذر چکا ہے۔ طریقہ شطار کی بنیاد موتِ ارادی پر ہے۔ اس راہ کے سالکین کو موتوا قبل ان تموتوا (مرجاؤ قبل مرنے کے) کا خطاب ہوتا ہے۔ یہ حضرت اللہ کی طرف سیر کرنے والے اور اللہ کی طرف پرواز کرنے والے ہوتے ہیں۔ ان کا پہلا قدم فنا جب پیدا ہوتا ہے، تمام اسباب ان کی نظر میں نہیں ہوتا۔ جان کی بازی لگا دیتے ہیں۔ اس راہ میں قدم رکھنے کے لئے شیر کا جگر چاہئے۔ اپنے آپ کو فنا کردے۔ درجات اور کرامات کی طلب اور مراد رکھنے والے دوسرے لوگ ہیں۔ کریم کی طلب رکھنے والے نامرادی اور فنائیت کی منزل سے گذرنے والے دوسرے لوگ ہیں۔

کفر کافر را و دین دیندار را ذرہ دردت دلِ عطار را

(کافر کو کفر، دین والوں کو دین چاہئے۔ اور عطار کے دل کو تیری محبت کا ایک ذرہ چاہئے)

اس راہ کے سالکین مجذوبانِ حق ہیں اے اللہ[1] مجذوبانِ حق کی خاکِ پا کے صدقے اس بندہ کو جذبہ حق عطا فرما۔

---

[1] یہ دعائیہ حصہ مطبوعہ نسخہ فارسی میں نہیں ہے۔ صرف ایک قلمی نسخہ میں ہے۔

ذکر

حضرت خواجہ رکن الدین فردوسیؒ

خداوندا بقرب شیخ کامل
شہ دیں رکن فردوسی واصل

آداب والقاب

کامل مجذوبوں کی راہ کے مجذوب سالک، محبان شعار کی روش پر چلنے والے، طریقت و شریعت کے رکن، حقیقت و معرفت کے اہل، فیض اویسی کی طرح صاحب فیض، شیخ الاسلام خواجہ رکن الدین فردوسی اہل طریقت میں سب سے زیادہ مستحکم تھے۔ بچپن ہی میں پیر کی تربیت میں رہ کر شیخی کے کمال کو پا چکے تھے۔ شعار یعنی محبان حق کی راہ پر چلے جو اللہ کے شیر مردوں اور اس کے مجذوبوں کی روش ہے اس کو اپنے پیر کی صحبت اور خدمت کی برکت سے حاصل کی۔

نعمت غیر مترقبہ

واقعات بیان کرنے والوں سے سنا گیا ہے کہ آپ کے پیر خواجہ بدرالدین سمرقندیؒ نے ایک رات خواب دیکھا کہ سید السادات سید امیر خورد سائیں نوبخشہ ایک لڑکے کو آپ کی گود میں دے رہے ہیں۔ سید امیر خورد صاحب کشف و کرامت بزرگ تھے۔ خواجہ بدرالدین سمرقندی نے وہ خواب سید امیر خورد کو سنایا۔ انہوں نے فرمایا کہ اس خواب کی تعبیر کچھ دنوں کے بعد ظاہر ہو جائے گی۔ سید امیر خورد کی ایک صاحبزادی تھیں۔ جب وہ بالغ ہوئیں تو آپ کے قوم کے افراد آپ سے بار بار کہنے لگے کہ لڑکی بالغ ہوگئی ہے اب اس کی شادی کر دی جائے۔ آپ فرماتے یہ جس کے مقدر کی ہے وہ خود آ جائے گا۔ کچھ عرصہ کے بعد حضرت شیخ عماد الدین فردوسی اپنے دو صاحبزادوں کے ساتھ سید امیر خورد کی خانقاہ میں تشریف لائے۔ ان میں سے شیخ نظام الدین جوان تھے اور شیخ رکن الدین کم سن تھے۔ آپ ان کے

ساتھ اعزاز و اکرام سے پیش آئے۔ اور اپنی قوم سے فرمایا کہ میری لڑکی جس کے مقدر کی ہے وہ آگیا۔ یہ کارِ خیر انجام دینے کے بعد بڑے صاحبزادے نے اپنے والد کی مرضی سے مسافرت اختیار کی۔ حق کی طلب میں نکل پڑے اس لئے کہ غربت ہی میں عاجزی و انکساری حاصل ہوتی ہے اور نفس پر زور پڑتا ہے۔

شبستانِ محبت

ایک روز شیخ عماد الدین فردوسی کی نظر چھوٹے صاحبزادے شیخ رکن الدین پر پڑی۔ دیکھ کر رونے لگے۔ سید امیر خورد نے دریافت فرمایا کہ آپ رونے کا کیا سبب ہے آپ نے جواب دیا کہ یہ بھی بالغ ہونے کے بعد مجھ سے جدا ہو جائے گا اور اس کی ماں کی یہ وصیت ہے کہ اس وقت سے الگ نہ کرنا۔ سید موصوف نے فرمایا کہ نہیں نہیں یہ آپ سے جدا نہیں ہوں گے۔ ایک شخص ہیں جو آپ سے ہی ان کی تربیت کریں گے۔ اس کے بعد سید میر خورد نے ایک شخص کو خواجہ بدر الدین سمرقندی کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ آپ نے جس لڑکے کو خواب میں دیکھا تھا وہ آگیا ہے اور وہی آپ کی معنوی اولاد ہے۔ خواجہ بدر الدین سمرقندی تشریف لائے اور بڑی عزت و احترام کے ساتھ خواجہ رکن الدین کو اپنے گھر لے گئے بہت ہی شفقت کے ساتھ ان کی پرورش کی۔ بہت اچھے طریقے سے ان کی تربیت فرمائی جب جوان ہوئے تو علم ادب علم طریقت کی تعلیم دی اور جب طریقت میں کمال حاصل کیا تو خلافت سے سرفراز فرمایا اور اپنا مجاز بنایا۔ خواجہ رکن الدین فردوسی اپنے پیر کی صحبت و خدمت کی برکت سے کمال کے اس درجہ پر پہنچ گئے کہ اس عہد کے مشائخ آپ کی روش اور طریقت پر رشک کرتے۔

فریب خوردہ شاہین اور محو جمالِ حق

شیخ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ سے حسد کا صدور ہو آپ اس طرح کی برائیوں سے بالکل پاک تھے۔ ہاں آپ کے مریدوں اور معتقدوں کو حسد تھا۔ وہ مصائب اور حوادث کے انتظار میں رہتے۔ اگر خواجہ رکن الدین فردوسی کو کوئی پریشانی ہوتی یا کوئی حادثہ پیش آتا تو یہ لوگ زبان درازی کرتے اور یہی کہتے کہ خواجہ رکن الدین پر جو یہ مصیبت آئی ہے وہ شیخ نظام الدین کی وجہ سے ہے اور ان کے دل کو تکلیف پہنچی ہے اسی لئے ایسا ہوا ہے۔

اور یہ بات معلوم ہے کہ دہلی کے سارے لوگ شیخ نظام الدین کے معتقد تھے اسی لئے سب کو خواجہ

رکن الدین سے حسد کی ہمت ہوتی تھی، لیکن یہ بات معلوم نہ ہو سکی کہ شیخ نظام الدین کے مریدوں اور معتقدوں کو کس وجہ سے حسد تھا، اور ان لوگوں کا منشا کیا تھا؟ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ شیخ نظام الدین اور خواجہ رکن الدین ان دونوں بزرگوں کے درمیان کسی دینی مسئلہ میں مناظرہ ہوا ہوگا۔ شیخ نظام الدین کے مریدوں اور معتقدوں نے اس مناظرہ کو دشمنی پر محمول کر لیا اور دل میں حسد رکھا۔ لیکن خواجہ رکن الدین فردوسی مشاہدۂ حق میں ایسے گم تھے کہ آپ کی نظر میں یہ سب معدود تھے اور ہر بھلائی و برائی، خیر و شر حس سے دوچار ہوتے اس کو حق دیکھتے حق جانتے اور حق کی جانب سے سمجھتے۔ اہل کرامت، کرامت کے غرور میں ہوتے ہیں اور محققین دیدار حق سے خوش ہوتے ہیں۔ جن لوگوں نے اضافت کو اٹھا دیا ہے وہ ایسی بہشت میں ہوتے ہیں جس کے مدمقابل کوئی دوزخ نہیں۔ اور ایسے ہی لوگوں کے احوال میں کہا گیا ہے مصرع: اے صور سنت خوش ماداے مدر سلام علیت لیکن سنت الٰہی اس طور پر جاری ہے کہ محسود کی عاقبت بخیر ہوتی ہے۔ (یعنی جس سے حسد کیا جائے اس کی آخرت اچھی ہوتی ہے اس کو بہترین اجر ملتا ہے) اسی لئے خواجہ رکن الدین ہندوستان میں ایسے مشہور ہوئے کہ ان کی شہرت عرب سے عجم تک پہنچ گئی۔

لفظ فردوسی کی ابتدا

اس سلسلہ کے شجرۂ طیبہ کے پیروں کے ساتھ آپ ہی کے نام کی مہر لگ گئی پیران فردوس کہے گئے، اور اس شجرہ کے وابستگان کو ہندوستان میں فردوسی[1] کہا جاتا ہے جو آپ ہی کے نام کی وجہ سے

---

[1] اسی مضمون کو سیدی و مرشدی حضرت پیر سید شاہ تسنیم مدنی احمد فردوسی شرفی مد ظلہٗ نے اس طرح نظم فرمایا ہے

اس بزرگی کی کرامت ہے یہی کیا کچھ کم
بڑھ ہے اس نام کی شہرت سے عرب اور عجم

ہے کہیں کشف و کرامت سے بڑا یہ رتبہ
کہ ہے اس نام کا فردوس بریں پر سکہ

کیا نہیں جانتے اس بات کو ارباب عقول
کہ یہ سب خاص لقب عرش سے پاتے ہیں نزول

محرم خاص کے ہوتے ہیں علامات یہی
اک نشانی ہے یہی ذٰلک فضل اللہ کی

آپ کے حق میں جو یہ فضل نہ لکھا ہوتا
سہروردی کا لقب سب ہی کو زیبا ہوتا

نجمی و کبروی و اہل ضیا کہلاتے
یا کہ شطار طریق عرفا کہلاتے

کرم حق سے انہیں عزت فردوسی ہے
اس سے ہم لوگوں کو بھی نسبت فردوسی ہے

ہے۔ الا لقاب تنزل من السماء ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔ اگر یہ فضل و کرم خواجہ رکن الدین کے حق میں نہیں ہوتا تو اس شجرہ کے مشائخ کو خواجہ ضیاء الدین سہروردی سے نسبت ہونے کی وجہ سے سہروردی کہا جاتا یا شطار طریق کہے جاتے یا کبروی کہلاتے جیسے کہ خواجہ نجم الدین کبریٰ کے متوسلین کو کہا جاتا ہے۔

مکتوب کا اقتباس

خواجہ رکن الدین نے مشغولیت رکھنے والوں کی تربیت کے سلسلے میں ایک مکتوب تحریر فرمایا ہے، جو توحید میں مشغولیت رکھنے والوں کے لئے نادر تحفہ ہے اور وہ ایک مشہور مکتوب ہے۔ مکتوب کی ابتداء اس طرح ہوتی ہے۔

اے عزیز! مشغولی آں ست کہ دایم بریاد او باشی و یاد او نہ آں ست کہ یاد حروف و اصوات کنی کہ آں غیر اوست و دردکر فراموشی غیر او باید چنانکہ فرمود و اذکر ربک اذا نسیت ملکہ یاد و آں بود کہ ذاکر باشی ذات بے کیف اورا ماصفات بے چوں اورا

اے عزیز! چوں چیزے ندیدہ باشی یاداو چگونہ کنی و او بچہ وجہ در خاطر تو بگذرد اکنوں بدانکہ۔

چو آدم را فرستادیم بیروں   جمالِ خویش در صحرا نہادیم

اے عزیز! مشغولی یہ ہے کہ ہمیشہ اس کی یاد میں لگے رہو، اور یاد یہ نہیں ہے کہ حروف و آواز کے ذریعہ یاد کیا جائے اس لئے کہ حروف و آواز اس کا غیر ہے، ذکر میں اس کے غیر کو فراموش کر دینا چاہئے جیسا کہ فرمایا اپنے پروردگار کو اس وقت یاد کرو جب اس کے ماسوا کو فراموش کردو۔ بلکہ اس کی ذات بے کیف اور بے مثال صفات میں گم ہو جاؤ، ذکر یہی ہو۔

اے عزیز! جب تم نے کسی چیز کو دیکھا ہی نہیں تو پھر اس کو یاد کیسے کرو گے اور کس طرح تمہارے دل میں اس کی گذر ہو گی۔ اس کو یوں سمجھو جب میں نے

آدم کو بہ ہر معنی عالم ظاہر میں بھیجا تو میں نے اپنے جمال کو میدان میں ڈال دیا۔

اندازِ تحقیق

بعض لوگوں نے اس مکتوب کو شیخ رکن الدین ابوالفتح سے منسوب کیا ہے لیکن معلوم ہونا چاہئے کہ شیخ رکن الدین ابوالفتح کی روش جداگانہ ہے۔ اس مکتوب سے مطابقت نہیں۔ فردوسی اور سہروردی دونوں ایک ہی روش پر ہیں۔ اور ایک ہی شجرہ سے منسلک ہیں۔ لیکن شیخ شہاب الدین سہروردی اور خواجہ نجم الدین کبریٰ ان دونوں بزرگوں کی روش میں جو فرق ہے وہ ان دونوں بزرگوں کے کلمات اور ان کے متبعین کے فرمودات کے مطالعہ کرنے والوں سے پوشیدہ نہیں۔ بعض لوگوں نے مولانا شہاب الدین امام شیخ نظام الدین کے صاحبزادے مولانا رکن الدین کا مکتوب کہا ہے لیکن سلسلہ چشتیہ کی روش ہندوستان میں مشہور ہے اور یہ کسی دانشور سے پوشیدہ نہیں کہ اس مکتوب کا جو مضمون ہے اس سے ان کی روش بہت دور ہے (اس لئے یہ مکتوب نہ شیخ رکن الدین ابوالفتح کا ہے اور نہ مولانا رکن الدین کا) بلکہ یہ مکتوب حضرت خواجہ رکن الدین فردوسی کا ہے۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت اور قوی دلیل یہ ہے کہ شیخ الاسلام[1] شیخ مظفر بلخی نے فائدہ کے زیر عنوان اس مکتوب کے مضمون کو اپنے قلم سے تحریر فرمایا ہے اور اس مکتوب

---

1. حضرت مخدوم شاہ محمد ابراہیم حسین فردوسی نے بھی اپنے مکتوب میں حضرت کے مکتوب کی عبارت کو شامل کیا ہے۔

2. خانقاہ فردوسیہ: حضرت رکن الدین فردوسی قدس سرہ کا مزار مبارک دہلی کے مشہور محلہ طغلق آباد میں ہے اور اس علاقہ کو فردوس نگر کہا جاتا ہے۔ درگاہ شریف اور اس سے ملحق زمین پر غیروں کا قبضہ تھا۔ شیخی و مرشدی مخدوم علامہ حضرت جدی سید شاہ محمد ابراہیم حسین فردوسی نے اپنے مرید و خلیفہ محترمی جناب محمد موسیٰ اشتیاق جوہری فردوسی صاحب کو اس درگاہ کی بازیابی اور خدمت کے لئے دہلی بھیجا۔ انہوں نے وہاں جا کر نامساعد حالات کا مقابلہ کیا حکومت دہلی اور غیر مسلموں سے نپٹنے میں بڑی بڑی صعوبتیں اٹھائیں۔ تائید غیبی نے ان کی مدد فرمائی اور بحمد اللہ ... حق میں کامیابی ہوئی، درگاہ حاصل ہوئی اور اس سے ملحق زمین بازیاب ہوئی۔ آج ان کی محنت و خدمت سے وہ درگاہ مرجع خلائق ہے اور ابھی بھی محترم جوہری فردوسی صاحب ہی اس درگاہ کی خدمت کر رہے ہیں۔ ہر سال نہایت تزک و احتشام سے ۲۶ صفر کو حضرت کا عرس انجام دیتے ہیں۔

آباد رہے ساقی دائم یہ میخانہ ہم ساقی و ہم ساغر ہم بادہ و پیمانہ

سے شیخ مظفر مرحوم کا استفادہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ مکتوب خواجہ رکن الدین فاروقی ہی کا ہے اس لئے کہ حضرت شیخ مظفر اپنے پیر کی روایت کے عاشق تھے وہ اپنے پیر کے علاوہ کسی دوسرے کی عبارت سے استفادہ کریں یہ ممکن نہیں۔ اور پیر کا پیر پیر ہی ہوگا وہ بمنزلہ پیر ہے چاہے درمیان میں کئی واسطے ہوں۔

اس مکتوب کے بارے میں اتنی باتیں اس لئے عرض کی گئیں کہ دونوں فروعوں کے وابستگان اس مکتوب کی طرف راغب ہوں۔ اس مکتوب کے مطابق عمل کریں تا کہ نجات کا ذریعہ بنے۔ اللہ الموفق علی ذلک۔ اللہ تعالیٰ اس کی توفیق دینے والا ہے۔

ذکر

حضرت خواجہ نجیب الدین فردوسی

حدا وسدا شیخ قطب اقطاب

نجیب الدین که دین روشد شرمیاب

آداب والقاب

شیخ اور امام صاحب فقر تمام، طریقت پر ثابت قدم رہنے والے حقیقت کا انکشاف کرنے والے، مجردوں کی جماعت کے سردار، منفردوں کے گروہ کے سربراہ اہلِ صفا کے مرجع، مردانِ خدا کے سرچشمہ، ہمت میں وہ بلند مقام رکھنے والے کہ ان کی ہمت عرش و کرسی سے بھی برتر وارفع یعنی شیخ الاسلام خواجہ نجیب الدین فردوسی ایسے شیخ کامل ہوئے کہ شریعت کو آپ نے اختیار فرمایا، طریقت کی منزلوں کو طے کیا۔ حقیقت کو اپنا حال بنایا، جو بھی آپ سے وابستہ ہوا اس نے نجات پائی۔ بزرگانِ دین نے دین کی راہ میں مقتدائی کے لئے جو شرائط رکھی ہیں وہ سب کی سب حقیقتاً آپ میں موجود تھیں۔ اس کے باوجود گمنامی کو اختیار فرمایا۔ شہرت اور اسباب شہرت سے اپنے کو دور رکھا۔ اولیائی تحت قبائی (میرے دوست میری قبا کے اندر ہیں) آپ کی پوری شان تھی۔ آپ مرشد کامل تھے اور آپ کی صحبت میں کیمیا گری کی صفت تھی۔ اسی لئے آپ کی صحبت میں رہنے والے مریدوں سے اوصاف ذمیمہ دور ہو جاتے۔

اثرِ کیمیا گری

شیخ الاسلام شیخ شرف الدین منیری قلیل خدمت اور مختصر صحبت میں مقصود کو پہنچ گئے احوالِ درویشی میں کمال حاصل کیا اور آپ نے شیخ شرف الدین منیری کے پہنچنے سے بارہ سال قبل ہی ان کے لئے اجازت نامہ لکھ کر رکھ دیا تھا۔ آپ کے مریدان میں جو بھی تھے وہ اہلِ معنی تھے۔

فتاویٰ تاتارخانی کے جامع مولانا عالم اندپی بھی آپ ہی کے مرید تھے، ان کی نقلیں بامعنی ہوتیں۔

مادرِ مہربان

خواجہ نجیب الدین فردوسی کے مناقب لوگوں سے پوشیدہ ہیں۔ آپ شیخ عمادالدین فردوسی کے صاحبزادے اور شیخ رکن الدین فردوسی کے خلیفہ اور حقیقی بھائی تھے۔ آپ کی والدہ سیدہ ولیہ صاحبہ کشف و کرامت بزرگ تھیں۔

شیخ عمادالدین ابھی ابتدائے حال ہی میں تھے کہ حضرت خواجہ نجیب الدین فردوسی کی والدہ نے انہیں دیکھ کر یہ کہہ دیا تھا کہ ان کی پیشانی میں ایسا نور ہے جو اس بات کی علامت ہے کہ دہلی میں یہ وہ کام کریں گے جو کسی نے نہیں کیا۔ آپ سید میر خورد کی صاحبزادی تھیں اور شیخ عمادالدین فردوسی سے ان کی شادی کا واقعہ خواجہ رکن الدین فردوسی کے تذکرہ میں گزر چکا ہے۔ رحمۃ اللہ عنہ و عنہا و علی ابیہا (ان پر، ان کی والدہ پر اور ان کی والدہ کے والد پر اللہ کی رحمت ہو)

ذکر

حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیریؒ

خداوند ا شرف الدین احمد
کہ قدمش بود بر قدم محمد ﷺ

آداب والقاب

تجرید[1] و توحید میں مجرد، تصحیح تفرید[2] میں منفرد، راہ طریقت کے باریک نکات کو کھولنے والے، حقیقت کے معانی کا اظہار فرمانے والے، احدیت کی گہرائیوں میں سکون فرمانے والے، مقام وحدیت میں قیام کرنے والے، مجاہدے کے میدان میں جہاد کرنے والے، کشف و مشاہدہ کے ملک کو اپنی ملکیت میں رکھنے والے، اقلیم یقین کے سیمرغ، اہل تمکین کی ہمت کے تاج، صاحب صفا، مرد خدا، تخت خلافت کے وارث، محبت و معرفت کی سلطنت کے سلیمان، واقف اسرار ہدایت و رہبری شیخ جہاں شرف الدین احمد یحییٰ منیری سر دفتر مشائخ طریقت، اور سر حلقہ اہل حقیقت ہیں، ریاضت و مجاہدہ میں آپ کی شان عجیب و غریب رہی۔ آپ کا جذبہ سلوک سے آگے تھا، تیس سالوں تک بیابانوں پہاڑوں اور جنگلوں میں رہ کر خدا کی عبادت کرتے رہے۔ ماسوی اللہ کو ترک کر چکے تھے، دنیا آپ کے سامنے معدوم تھی اس کا کوئی وجود نہیں تھا۔ آخرت اور آخرت کی نعمتوں کا آپ کی ہمت کے پہلو میں کوئی مقام نہ تھا، آپ کی روح کا مقصود صرف خدا تھا دنیا اور دنیا کے جاہ و مرتبہ سے بیزار رہے، کرامت اور خوارق عادات سے متنفر رہے، حقیقت کے احوال میں مقام تمکین پر فائز تھے، اصحاب معرفت اور ارباب یقین کے آپ مرجع تھے طریقت کے باریک نکات اور حقیقت و معرفت کے اسرار کو بیان کرنے میں آپ کی عبارت بہت اعلیٰ ہے۔

---

1. خلق اللہ اور تعلقات دنیاوی سے علیحدہ ہو جانا تجرید ہے۔
2. اپنی ذات سے کنارہ کش ہو جانا تفرید ہے۔ مکتوبات صدی مکتوب ۱۲

ہر عنوان پر آپ کا بیان تشفی بخش ہوتا۔ عشق و محبت کے موضوع پر آپ کے نکات لطیف اور گہرائیوں میں ڈوبے ہوئے تھے، علم تصوف کے موضوع پر آپ کی بہت ساری تصنیفات ہیں۔

کشفِ اسرار

ہندوستان میں توحید خاص اور علم حقیقت کو آپ ہی نے عام کیا۔ امام احمد غزالی، امام محمد غزالی، عین القضاۃ، ابن عربی، خواجہ فریدالدین عطار، شیخ عراقی اور مولانا جلال الدین رومی جیسے موحدین اور عارفین حقیقت کے نکات کی آپ ہی نے وضاحت فرمائی، ہندوستان میں آپ سے پہلے ان بزرگوں کے نکات کا مطالعہ کسی نے نہیں کیا تھا۔ اگر کسی نے کیا بھی تھا تو ان بزرگوں کے مقصد تک رسائی نہیں ہوئی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان کے دیگر مشائخ کرام رحمۃ اللہ علیہم کے ملفوظات میں ان بزرگوں کے نکات کا حوالہ بہت کم ملتا ہے، بلکہ ہندوستان کے بعض مشائخؒ نے ان بزرگوں پر طعنہ زنی بھی کی ہے۔

شیخ نظام الدینؒ کے ملفوظ سراج العارفین کے [illegible] باب میں تحریر ہے کہ شیخ نظام الدین نے فرمایا کہ عین القضاۃ ہمدان کے قاضی بچے تھے، ان کے وفور علم کے بارے میں کیا کہا جا سکتا ہے، علم تو حاصل ہو سکتا ہے لیکن بیس برس کی عمر میں درویشی کی صفت کہاں سے پیدا ہو سکتی ہے، احوال کے اسرار پر ان کے جو مکتوبات ہیں وہ بہت لطیف ہیں، عین القضاۃ عارف تھے، لیکن جب بچے تھے اور فنا کی سرحد میں نہیں پہنچے تھے، اس وقت اپنی کتابوں میں اپنی تعریف کی ہے اور جگہ جگہ ایسی باتیں لکھ گئے ہیں جو حدود شریعت سے باہر ہیں۔ یہاں تک سراج العارفین کی عبارت تھی لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ شیخ [illegible] شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری سے پہلے ان بزرگوں کے کلمات پر اعتراض ہوتا تھا۔ امام احمد غزالی اور امام محمد غزالی کے کلمات رموز و اشارات میں ہیں، لیکن عین القضاۃ کا مذہب اور ان بزرگوں کا مذہب ایک ہی ہے، ایسی صورت میں ایک پر اعتراض گویا سب پر اعتراض ہے۔ قاضی عین القضاۃ نے توحید اور وحدت کے موضوع پر جو کچھ فرمایا ہے امام محمد غزالی اور دوسرے بزرگوں نے وہی باتیں کہی ہیں۔ ہاں بعض بزرگوں نے رمز و اشارہ میں کہی ہیں اور بعض نے تصریح کے ساتھ بیان کی ہیں جیسا کہ خواجہ فریدالدین عطارؒ نے فرمایا ہے ؎

اے برادر غیر حق خود نیست کس　　　اهل معنی را همین یک حرف بس

(اے بھائی! جو اہلِ معنی ہیں ان کے نزدیک صرف ایک ہی بات ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ کے سوا کسی کا وجود نہیں)

اور مولانا روم نے فرمایا ۔

اے قوم[1] بحج رفتہ کجائید کجائید   معشوق ہمیں جاست بیائید بیائید

آنانکہ طلبگار خدائید خدائید   حاجت بطلب نیست شمائید شمائید

(اے لوگو! حج کے لیے کہاں جا رہے ہو، کہاں جا رہے ہو؟ معشوق حقیقی (یعنی خداوند تعالیٰ) تو یہیں ہے یہیں آؤ یہیں آؤ۔)

(جو خدا کے طالب ہیں اور جو اس کی طلب میں ادھر ادھر جاتے ہیں ان کو طلب کی حاجت نہیں وہ تمہارے پاس ہے وہ تمہارے پاس ہے)

خواجہ فریدالدین اور مولانا جلال روم نے جو تصریحات پیش کی ہیں قاضی عین القضاۃ اور دوسرے بزرگوں کے یہاں بہت مخفی ہیں یہاں رمز و اشارہ میں گفتگو کی گئی ہے۔ چند مثالیں پیش ہیں۔

امام محمد غزالی کی تالیف احیاء العلوم کے ملتقط میں یوں تحریر ہے۔

واما التوحید فقد جعل الان عبارة عن صنعة الکلام و معرفة طریقة المجادلة والاحاطة بمناقضات الخصوم والقدرة علی التشدق بتکثیر الاسولة واثارة الشبهات و تألیف الالزامات وکان التوحید فی العصر الاول عبارة عن امر آخر لا یفهمه اکثر المتکلمین وان فهموه لم یتصفوا به وهو ان یری الامور کلها من الله تعالی رؤیة یقطع التفاته عن الاسباب والوسائط فلا یری الخیر والشر والنفع والضر الا منه وهذا مقام شریف احدی ثمراته التوکل کما سیاتی بیانه فی کتاب التوکل ومن ثمراته ترک شکایة الخلق و ترک الغضب علیهم والرضا والتسلیم بحکم الله تعالی وهذا من مقامات الصدیقین

یعنی اس زمانہ میں بحث مباحثہ کے کام یا مجادلہ کے طریقے کو جاننا، مخالفین پر اعتراض کرنا،

---

[1] ہمارے آقا، حضرت مولانا حسین احمد مدنی قدس سرہ نے اپنے مکتوبات کے مکتوب ۹۹ میں اس شعر کی تشریح بہت شرح و بسط کے ساتھ کی ہے۔ اور اس شعر کے معنی بہت کھول کر بیان کر دیے۔

فصاحت و بلاغت کے اظہار پر قدرت حاصل کرنا، سوالوں کی توجیہ کرنا، شکوک و شبہات پیدا کرنا الزام ڈالنا اسی کو توحید سمجھتے ہیں۔

حالانکہ اگلے زمانے میں توحید سے مراد ایک دوسری ہی بات تھی جو اکثر متکلموں کی سمجھ میں نہ آتی۔ اور اگر سمجھ بھی لیتے تو پھر اس کی صفت سے متصف نہیں ہوتے، اور توحید کی صفت سے متصف ہونا یہ ہے کہ تمام کاموں کو اللہ کی جانب سے سمجھے، اور یہ سمجھنا اور دیکھنا ایسا ہو کہ اس کی نگاہ سے سارے اسباب و واسطے ہٹ جائیں۔ خیر و شر، نفع و نقصان سب کو اللہ کی جانب سے دیکھے، اور یہ بہت بڑا مقام ہے، اس مقام کے ثمرات میں سے صرف ایک ثمرہ توکل ہے، اور اس کا بیان توکل کے باب میں آئے گا۔ اور اس مقام کے ثمرات میں سے ایک دوسرا ثمرہ یہ ہے کہ مخلوق سے نہ کوئی شکایت رہے اور نہ اس پر کسی طرح کا غصہ آئے اور اللہ تعالیٰ کے حکم پر راضی برضا رہے اور سر تسلیم خم رکھے، اور یہ صدیقوں کے مقام کی باتیں ہیں۔

توحید خاص کے موضوع پر امام محمد غزالی کی یہ عبارت قاضی عین القضاۃ کی بیان کردہ عبارت سے بین مطابق ہے۔

کلمات عین القضاۃ اور عوارف کی تحسین

شیخ شرف الدین منیری نے اپنے کلمات میں قاضی عین القضاۃ کی بہت تعریف کی ہے، کہیں "عاشق فی عین القضاۃ همدانی" اور کہیں "مست الست بردای قاضی عین القضاۃ همدانی" کے القاب سے یاد فرماتے ہیں۔ اپنے ملفوظ معدن معانی کے [illegible] باب میں فرماتے ہیں کہ اگرچہ علم معرفت میں مشائخ نے خوب خوب لکھا ہے لیکن عین القضاۃ نے اصول دین کے تمہیدات کے قوانین اور قاعدوں پر جو کچھ لکھا ہے ایسا بہت کم کسی نے لکھا ہے۔ ان کے کلمات سے مشاہدات کا علم ہوتا ہے لیکن ان کے کلمات کے مفہوم کو سمجھنا اور وہاں تک رسائی کا ہونا اسی وقت ممکن ہے جب اس گروہ (صوفیا) کے اصول و قوانین پر آگہی حاصل ہوگی، وہ صرف دین کے قواعد پر آپ کے کلمات کو بیان کرنا ممکن نہیں، اس موقع پر حاضرین میں سے کسی نے عوارف کا تذکرہ کیا، حضرت مخدوم نے فرمایا اگرچہ عوارف ایک معتبر کتاب ہے اس کتاب میں تصوف، احکام طریقت اور اس گروہ کے مذہب کی پوری تحقیق ہو جاتی ہے لیکن اس کتاب کے مصنف اس سے کہیں اعلیٰ و ارفع ہیں۔ اس کتاب

سے بہتر اور اعلیٰ کتاب تصنیف فرما سکتے تھے مگر مریدوں اور معتقدوں کے مقام کا خیال رکھتے ہوئے اپنے مقام سے نزول فرما کر اس کتاب کو تصنیف فرمایا۔ آپ کا وفور علم اور کشف معانی پر عبور معروف و مشہور ہے، لیکن مکتوبات عین القضاۃ ایک دوسری ہی چیز ہے۔

توحید خواص کے اسرار پر گفتگو

اب میں اپنے اصل مضمون کی طرف آتا ہوں کہ شیخ شرف الدین منیری سے قبل ہندوستان میں توحید خواص کے اسرار کو سننے کی طاقت رکھنے والے بہت کم لوگ تھے اس موضوع پر گفتگو کرنا یہ تو بات ہی دوسری ہے الا ماشاء اللہ علی سبیل الندرۃ (ہاں اجن کو حق تعالیٰ چاہے ویسے لوگ نادر تھے)۔

احمد بہاری اور اعز کاکوی کا قتل اور دہلی کی بربادی

ایسے ہی نادر لوگوں میں ایک دیوانہ صورت شخصیت احمد بہاری کی تھی جو شیخ شرف الدین منیری کی بارگاہ میں اکثر آیا کرتے، توحید خواص سے متعلق سوالات کرتے اور کبھی اس موضوع پر خود بھی گفتگو کرتے۔ شیخ سے بہت کھل کر رہتے۔ عالم دیوانگی میں کھل کر باتیں کہہ جاتے جو لوگوں کی فہم سے باہر ہوتیں۔

شیخ اعز کاکوی بھی صاحب شغل اور کامل حال بزرگ تھے ان کی مشغولیت کا یہ حال تھا کہ کاکو جو بہار سے تھوڑی دوری پر ہے، وہاں سے شیخ شرف الدین منیری کی خدمت میں حاضر ہونے کا بھی موقع نہیں ملتا، اگر توحید خواص اور عشق و محبت میں کوئی مشکل پیش آتی تو خطوط کے ذریعہ شیخ شرف الدین منیری کی خدمت میں پیش کرتے اور آپ ان کا جواب مرحمت فرماتے، آپ کے وہ کلمات اجوبہ کاکوی کے نام سے مشہور ہیں، یہ دونوں بزرگ (احمد بہاری اور اعز کاکوی) سلطان فیروز کے زمانہ میں دہلی تشریف لے گئے، توحید کے عنوان پر کھل کر باتیں کرنے لگے اور شطحیات بولنے لگے، دہلی کے علماء نے سلطان فیروز تک یہ بات پہنچا دی کہ یہ دونوں ایسی گفتگو کرتے ہیں جس کی وجہ سے قتل کے لائق ہیں۔ بادشاہ نے محضر طلب کیا، سارے اکابر شہر کو جمع کیا، سب نے ان دونوں کے قتل پر فتویٰ دیدیا، دہلی جیسے شہر جہاں مشائخ، علماء، فضلاء، کثیر تعداد میں تھے خود سلطان فیروز بھی بزرگوں کا معتقد تھا، لیکن کسی سے یہ نہ ہوا کہ دیوانگی کا بہانہ لگا کر ان دونوں بزرگوں کو بچا لیتے جب ان دونوں کے قتل کی خبر شیخ شرف الدین

منیری تک پہنچی تو آپ نے فرمایا جس شہر میں ایسے بزرگوں کا خون بہے اور وہ شہر آباد رہے۔ یہ تعجب کی بات ہے۔

جیسا آپ نے فرمایا ویسا ہی ہوا تھوڑے ہی دن گذرے تھے کہ سلطان فیروز شاہ کے زمانہ میں خرابی اور بربادی کے آثار نمایاں ہو گئے، شہر میں سلطان فیروز کی جو شان و شوکت تھی وہ باقی نہ رہی۔ سلطان کا لڑکا وزیر خان جہان کے ساتھ مل گیا، اس ہنگامے میں بہت سارے مسلمان مارے گئے، شہر میں بربادی ہونے لگی، اس کے بعد بادشاہ کے غلاموں نے دہلی پر قبضہ کر لیا۔ اور سلطان کے لڑکے سے مل گئے پھر مغل آگئے اور دہلی کو تباہ و برباد کر دیا۔ واللہ غالب علی کل امرہ (اللہ تعالیٰ تمام کاموں پر غالب ہے)

آپ محفوظ تھے

بات کہاں سے کہاں پہنچ گئی، الکلام یجر الکلام (بات سے بات نکلتی ہے) اب میں اپنی گفتگو کی طرف لوٹ رہا ہوں۔ شیخ شرف الدین منیری ایک بہت بڑے بزرگ تھے، شروع سے آخر تک محفوظ رہے۔ آپ سے گناہ صغیرہ تک بھی صدور نہیں ہوا، آپ کے والدین کو آپ کی ولادت سے پہلے ہی آپ کی بزرگی کی خوشخبری مل چکی تھی۔

ولی مادرزاد

روایت کرنے والوں سے سنا ہے کہ آپ کے والد شیخ یحییٰ، مولانا تقی الدین عربی ساکن خطہ مہسوں جنہوں نے احیائے علوم کا انتخاب ملتقط کے نام سے کیا ہے عقیدت رکھتے تھے۔ شاید مولانا سے ارادت بھی ہو (یعنی شاید شیخ یحییٰ مولانا تقی سے مرید ہوں) شیخ یحییٰ آپ کی ملاقات اور زیارت کے لئے منیر سے مہسوں جایا کرتے اور جب آپ وہاں تشریف لے جاتے مولانا کھڑے ہو جاتے تعظیم کرتے اور آپ کی پشت مبارک کا بوسہ لیتے، عادت کے مطابق جب ایک مرتبہ آپ وہاں گئے تو مولانا نے آپ کی تعظیم نہیں کی، شیخ یحییٰ کے دل پر اثر ہوا کہ آخر کیا بات ہے جو مولانا نے اپنی روش ترک کر دی اور پہلے کی طرح استقبال نہیں کیا۔ مولانا نے اشراق باطن سے سمجھ لیا اور فرمایا کہ میں جس کی تعظیم کرتا تھا وہ اب شکم مادر میں ہے۔

حفاظت غیبی

سنا ہے کہ شیخ شرف الدین منیری کی والدہ (بی بی رضیہ) نے کبھی بھی آپ کو بے وضو دودھ نہیں پلایا۔ ایک روز مکان میں کوئی نہیں تھا۔ والدہ محترمہ آپ کو پالنے میں سلا کر کسی دوسرے مکان میں تشریف لے گئیں۔ تھوڑی دیر کے بعد جب واپس آئیں تو دیکھا کہ ایک شخص پالنے کے پاس تشریف فرما ہیں۔ مکھیاں جھل رہے ہیں۔ پالنے کو ہلا رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر آپ خوفزدہ ہو گئیں اور وہ شخص غائب ہو گئے۔ جب دل کو سکون ہوا۔ وہ بڑی حالت پریشانی میں تھیں۔ سارا واقعہ اپنے والد بزرگوار کو سنایا۔ آپ کے والد نے فرمایا ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔ وہ خود حضرت خضر علیہ السلام تھے جو پالنے کو ہلا رہے تھے اور بچہ کی حفاظت فرما رہے تھے تمہارا لڑکا بزرگ ہوگا خواجہ خضر نے تنبیہ کی ہے کہ تمہاری لڑکی اس بچہ کو خالی مکان میں اکیلے چھوڑ کر چلی گئی تھی۔ بچہ کو خالی مکان میں اکیلے چھوڑنا نہ چاہیں۔ اس لئے کہ خالی مکان میں آسیب کا ڈر ہے۔ شیخ شرف الدین منیری کے نانا قاضی شہاب الدین بہت بڑے بزرگ تھے۔

سبحان اللہ جو بچپن میں بلکہ ماں کے شکم میں اور باپ کی پشت میں لائق تعظیم وتکریم اور معظم ومکرم ہوا اس کے مناقب کو کوئی کیا بیان کر سکتا ہے۔

تحصیل علوم

سنا ہے کہ جب بلوغت کو پہنچے علوم دینی کی تحصیل میں مشغول ہوئے علوم دین میں کمال حاصل کر لیا۔ اس زمانہ میں مولانا شرف الدین توامہ کی عظمت وبزرگی اور دانشمندی کا شہرہ نہ صرف ہندوستان میں بلکہ عرب وعجم میں بھی تھا۔ تمام علوم میں کمال حاصل تھا یہاں تک کہ کیمیا وسیمیا جیسے علوم میں بھی کمال رکھتے۔ علم دین میں تمام علماء دین آپ ہی کی طرف رجوع کرتے، عوام خواص، امراء اور بادشاہ وقت سب آپ کے معتقد اور مطیع وفرمانبردار تھے۔ علم سیمیا کے ذریعہ لوگوں کو حیرت انگیز اور تعجب خیز کرشمے دکھاتے۔ لوگوں کی آپ کے ساتھ بے انتہا فرماں برداری نے دہلی کے بادشاہ کو متفکر کر دیا وہ اس بات سے خوفزدہ ہو گیا کہ کہیں ملک پر قابض نہ ہو جائیں۔ اس نے حیلہ اور بہانہ تلاش کر کے مولانا کو سنار گاؤں جانے کا حکم دے دیا۔ اس وقت بنگال بھی بادشاہ دہلی کے ماتحت تھا۔ مولانا نے بھی اپنی فراست سے سب کچھ سمجھ لیا۔ اور بادشاہ وقت کی اطاعت واجب ہے اس لئے پیش نظر سنار گاؤں کے

سے روانہ ہو گئے۔ اثنائے سفر میں منیر پہنچے۔ شیخ شرف الدین منیری ملاقات کے لیے تشریف لے گئے۔
مولانا شرف الدین توامہ کی علمی دانشمندی اور علم کی فروتنی دیکھ کر فریفتہ ہو گئے۔ فرمایا کہ ایسے محقق کی
صحبت اور خدمت کے بغیر علوم دین کی تحقیق نہیں ہو سکتی۔ ارادہ کر لیا کہ مولانا کی خدمت و صحبت سے
سرفراز ہونے کے لیے سنارگاؤں چلے جائیں گے۔ مولانا شرف الدین توامہ بھی شیخ شرف الدین منیری کی
قابلیت و صلاح و تقوی کی روش کو دیکھ کر خوش ہو گئے۔ اور فرمایا کہ ایسے شخص کو علوم دین سکھانے میں
محنت کرنی چاہئے۔

اپنے والدین کی مرضی سے مولانا کے ساتھ سنارگاؤں چلے گئے۔ علوم دین حاصل کرنے میں
بڑی محنت کا دی۔ رات دن پڑھتے لکھتے میں لگے رہتے اور تحصیل علم کے دوران ریاضت و مجاہدہ میں بھی
مشغول رہے۔ طلبے کا رو دور رکھتے، اور کثرت مشاغل کی وجہ سے مولانا شرف الدین توامہ کے دسترخوان
پر حاضر نہیں ہوتے اور فرماتے کہ دسترخوان پر حاضر ہونے میں بہت وقت ضائع ہوتا ہے۔ جب مولانا کو یہ
بات معلوم ہوئی تو آپ کے کھانے کا علیحدہ انتظام کر دیا۔ ایک مدت تک مولانا کی خدمت و صحبت میں رہ
علوم دین کی تحقیق فرمائی۔ استاد نے چاہا کہ اور دوسرے علوم بھی سکھا دے جائیں لیکن آپ نے فرمایا کہ
میرے لیے یہی علم دین کافی ہے۔ پھر وہاں سے منیر کا سفر کیا اور والدہ محترمہ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔

ازدواج

جس زمانہ میں سنارگاؤں میں رہ کر علم دین حاصل کرنے میں مشغول تھے اسی زمانہ میں آپ کو
ایک بیماری لاحق ہو گئی کہ طبیبوں نے جس کا علاج نکاح بتایا۔ آپ نے علاج کی غرض سے نکاح کیا۔
ایک صاحبزادہ تولد ہوئے صاحبزادہ کو اپنی والدہ محترمہ کے حوالہ کیا اور فرمایا کہ اس کو میری جگہ پر سمجھے اور
مجھے اجازت دیجئے تاکہ میں جہاں چاہوں جاؤں سمجھ لیجئے کہ شرف الدین اس دنیا میں نہیں رہا۔

من ہم شیخم

اس کے بعد دہلی کا سفر کیا۔ مشائخ دہلی سے ملاقات کی اور فرمایا کہ اگر شیخی اینست ما ہم شیخم" اگر
شیخی یہی بزرگی یہی ہے تو ہم بھی شیخ ہیں۔

سیر غیست

پھر شیخ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کی۔ اس وقت آپ کی مجلس میں کسی موضوع پر علمی مذاکرہ ہو رہا تھا۔ آپ نے پسندیدہ جواب دیئے۔ شیخ نظام الدین نے اعزاز و اکرام فرمایا۔ ایک طشت میں پان پیش کیا اور فرمایا ''سیر غیست نصیب دام، نیست'' (یہ ایک سیر تو ہیں لیکن میرے حصے نہیں)

شیخ مغلوب الحال

وہاں سے پانی پت تشریف لے گئے۔ وہاں شیخ شرف الدین پانی پتی سے ملاقات کی اور فرمایا شیخ تو ہیں لیکن مغلوب الحال ہیں۔ دوسروں کی تربیت کیسے ہو گی۔

مرد فقیر اولی

سنا ہے کہ اس کے بعد آپ کے بڑے بھائی نے آپ کے سامنے خواجہ نجیب الدین فردوسی کا تذکرہ کیا۔ آپ کی روش اور مناقب بیان کئے۔ آپ نے فرمایا کہ قطب دہلی نے پان دے کر رخصت کر دیا اب کسی دوسرے کے پاس کیا جائیں۔ بھائی نے فرمایا کہ ملاقات سے کوئی نقصان تو نہیں۔ ملاقات کر لی جائے۔ جب بھائی نے زور دیا تو ملاقات کے لئے روانہ ہو گئے۔ راستہ میں پان کھاتے ہوئے تھے اور تھوڑا پان دستار میں بھی رکھ لیا تھا جب خواجہ نجیب الدین فردوسی کے مکان کے قریب پہنچے خوف طاری ہونے لگا اور ایک خاص قسم کا اثر پیدا ہونے لگا۔ دل میں فرمایا کہ میں شیخ نظام الدین کی خدمت میں حاضر ہوا۔ لیکن وہاں کسی قسم کا خوف محسوس نہیں ہوا لیکن یہاں کیا بات ہے کہ مجھے خوف محسوس ہو رہا ہے جس وقت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت پان منہ میں تھا خواجہ نے آپ کی طرف دیکھا اور فرمایا "در دھن برگ و در دستار برگ و گفتار اینکه ماهم شیخم" (منہ میں پان، دستار میں پان اور دعوی یہ کہ ہم بھی شیخ ہیں) اسی وقت پان منہ سے پھینک دیا اور خوفزدہ ہو کر ادب کے ساتھ بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد مرید ہونے کی درخواست کی خواجہ نجیب الدین نے آپ کو مرید کیا اور وہ اجازت نامہ جو بارہ سال قبل لکھ کر رکھا تھا حوالہ کیا۔

سخن دلنواز

شیخ شرف الدین نے فرمایا کہ میں نے ابھی حضور کی کوئی خدمت نہیں کی۔ اور طریقت کی روش

معلوم نہیں کہ اس پر یہ ذمہ داری جو ڈالی جا رہی ہے کس طرح اس کی ادائیگی ہو گی۔ خواجہ نجیب الدین نے فرمایا کہ میں نے یہ اجازت نامہ رسول خدا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے لکھا ہے آپ کی تربیت بارگاہ نبوت سے ہو گی۔ پیروں کی دعا یہ کام کرے گی آپ اس کی چنداں فکر نہ کریں۔ طریقت کی روش بتا کر اور تلقین کر کے رخصت کر دیا اور فرمایا اگر راستہ میں کچھ سننے میں آئے تو واپس نہ آنا۔ ابھی بیس منزل آئے تھے کہ خبر ملی خواجہ نجیب الدین فردوسی اس دار فنا سے دار بقا کی طرف رحلت فرما گئے یعنی مقام صدق میں مالک مقتدر کے پاس پہنچ گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون (شیخ کے حکم کے مطابق) یہ خبر سن کر آپ واپس نہیں ہوئے۔ منیر کی طرف روانہ ہو گئے کچھ عرصہ بعد بہار پہنچے۔ ایک روز مور کی آواز سنی کیفیت پیدا ہوئی خود کو بہیا کے جنگل میں ڈال دیا۔ کسی کو معلوم نہ ہو سکا کہاں گئے۔ لوگوں نے بہت تلاش کی لیکن کوئی خبر نہ ملی۔ بھائیوں اور ساتھیوں نے اجازت نامہ اور چیزیں تبرکات آپ کی والدہ محترمہ کی خدمت میں پیش کر دیا۔

کیفیت حزن

سنا ہے کہ شیخ شرف الدین منیری فرماتے تھے کہ میں جب خواجہ نجیب الدین فردوسی سے وابستہ ہوا میرے دل میں ایک حزن رکھ دیا گیا اور حزن کی یہ کیفیت روز بروز بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ میں بہیا پہنچ گیا اور خود کو بہیا کے جنگل میں ڈال دیا۔

حفاظت خداوندی

جب شیخ شرف الدین منیری کی والدہ محترمہ کو آپ کے غائب ہونے کی خبر ملی ہجر فراق سے غمزدہ رہنے لگیں۔ ایک روز اندھیری رات میں بارش ہو رہی تھی۔ بیٹے کو یاد کر کے رونے لگیں۔ اور یہی کہتیں کہ نہ جانے وہ دور افتادہ ایسی رات میں کہاں ہو گا۔ اچانک جب نظر اٹھائی تو دیکھا کہ صحن میں کھڑے ہیں۔ فرمایا اے بیٹے ایسی بارش میں صحن میں کھڑے کیا کر رہے ہو گھر کے اندر آ جاؤ۔ عرض کی آپ بھی صحن میں آ جائیں اور دیکھ لیں کہ میں اس بارش میں کس طرح محفوظ ہوں۔ جب والدہ محترمہ صحن میں آئیں دیکھا کہ جہاں آپ کھڑے ہیں وہاں بارش کا کوئی اثر نہیں۔ اور آپ کے کپڑے بھی خشک ہیں عرض کی اے اماں! مجھ کو اللہ تعالیٰ اس طرح رکھتا ہے۔ آپ میرے لئے کیوں غمزدہ ہوتی ہیں، مجھ کو خدا

کے حوالے کیجئے اور مجھ سے خوش رہئے والدہ محترمہ نے فرمایا جاؤ میں نے تمہیں خدا کے سپرد کیا جب تم خدا کی طلب میں ہو تو میں دل و جان سے تم سے خوش ہوں۔ کچھ دن کے بعد آپ پھر غائب ہو گئے۔

محرم راز درون میخانہ

سنا ہے کہ جب آپ بہیا کے جنگل میں چلے گئے، بارہ سال تک کسی کو آپ کی کچھ خبر نہ ہوئی اس کے بعد آپ راجگیر کے جنگل میں دیکھے گئے، کئی سال تک راجگیر کے جنگل میں اس طرح گذرا کہ وہاں کسی سے آپ کی ملاقات نہیں ہوئی، اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اتنے طویل عرصہ تک جنگلوں میں خدا کے ساتھ آپ کا کیا معاملہ رہا، سنا ہے کہ آپ کو جنگل میں کسی نے اس حال میں دیکھا کہ آپ درخت کو پکڑے ہوئے عالم تحیر میں گم ہیں، چیونٹیاں حلق سے آجا رہی ہیں، اور آپ کو اس حال کی کوئی خبر نہیں۔

جنگل سے شہر کی طرف

سنا ہے کہ ایک مدت کے بعد چند لوگوں نے آپ کو جنگل میں دیکھا ملاقات کی، مولانا نظام مولی[1] خلیفہ شیخ نظام الدین بہار میں موجود تھے، جب ان کو یہ معلوم ہوا کہ شیخ شرف الدین منیری سے لوگوں کی ملاقات ہوتی ہے وہ بھی زیارت کے لئے گئے، تلاش کی، جہاں جہاں پہاڑوں اور جنگلوں میں مشغول رہتے تھے وہاں وہاں ڈھونڈتے پھرتے آخر شرف زیارت سے مشرف ہوئے، اس وقت شیخ نظام الدین کے اور دوسرے احباب بھی بہار میں موجود تھے، وہ لوگ بھی مولانا نظام مولی کے ساتھ وہاں جاتے رہے شیخ شرف الدین منیری نے جب ان لوگوں کے صدق طلب اور سچی لگن کو دیکھا فرمایا اتنی دور سے اس جنگل میں جو جانوروں اور درندوں کی آماجگاہ ہے اور جہاں ان درندوں کا خوف لگا رہتا ہے وہاں آپ لوگوں کا پہنچنا مجھ کو بہت پریشان کن لگتا ہے۔ آپ لوگ شہر ہی میں رہئے، میں جمعہ کے دن شہر کی جامع مسجد میں موجود رہوں گا، وہیں ملاقات ہو جائے گی۔

مولانا نظام مولی اور دوسرے احباب کو یہ بات پسند آگئی۔ اس کے بعد آپ شہر کی جامع مسجد میں آنے لگے، مولانا نظام اور دوسرے احباب وہاں آپ کی خدمت میں حاضر رہتے۔ پھر آپ جنگل کی

---

[1] مطبوعہ نسخہ میں مولانا نظام مدنی ہے۔ جو سہو کاتب ہے کیوں کہ گنج لا یخفی ملفوظ مخدوم حسین بن معز بلخی (م ۸۴۴ھ) میں بھی مولانا نظام مولی ہی نام ملتا ہے۔

طرف لوٹ جاتے۔ ایک عرصہ تک یہی طریقہ رہا، پھر احباب نے عرض کی کوئی ایسی جگہ بنائی جائے جہاں جمعہ کے بعد آپ آرام فرمائیں شہر سے باہر جس جگہ مخدوم جہاں کی خانقاہ ہے، دو چھپری ڈالدی گئی، جمعہ سے واپس ہوتے وہاں احباب کے ساتھ آرام فرماتے اور کبھی کبھی ایک دو روز قیام بھی کرتے۔

خلوت کی گھڑی گذری جلوت کی گھڑی آئی

اس کے بعد مولانا نظام مولی نے مجد الملک مقطع بہار پر زور دیا کہ میرے پاس پاک مال ہے، میری خواہش ہے کہ میں اس مال سے حضرت شیخ شرف الدین منیری کے لئے ایک مکان تعمیر کراؤں، جہاں پر دو چھپری تھی وہیں پر ایک عمارت بنائی گئی، کھانا پکا، لوگوں کو دعوت دی گئی، شیخ نظام الدین کے احباب بھی تشریف لائے، حضرت شیخ شرف الدین سے سجادہ پر بیٹھنے کی درخواست کی گئی، آپ زیب سجادہ ہوئے اس کے بعد آپ نے مولانا نظام مولی اور شیخ نظام الدین کے دوسرے رفقا کی طرف رخ کر کے فرمایا دوستو! آپ لوگوں کی صحبت نے مجھے بت خانہ میں بٹھا دیا، جب تک پاؤں میں طاقت رہی باہر جاتے رہے، ایک مہینہ، دو مہینہ باہر رہتے۔ اس طرح ایک مدت گذر گئی۔

خانقاہ کی تعمیر

بادشاہ دہلی سلطان محمد تغلق کو خبر ملی کہ شیخ شرف الدین منیری جو برسہابرس بہیا کے جنگل میں رہے اور لوگوں سے دور رہ کر زندگی گذاری وہ اب شہر میں آگئے ہیں۔ اور لوگوں سے ارتباط رکھتے ہیں، بادشاہ نے مجد الملک مقطع بہار کو لکھا کہ شیخ الاسلام شیخ شرف الدین منیری کے لئے خانقاہ بنائی جائے، خانقاہ کے فقراء کے خرچ کے لئے راجگیر پیش کیا جائے اور ایک بلغاری مصلیٰ بطور نشانی نذر کیا جائے اور فرمان میں یہ بھی لکھا کہ اگر قبول نہیں کریں تو جبراً زبردستی قبول کرایا جائے۔

سلطان محمد تغلق کی حکمت عملی

سلطان محمد تغلق بھی عجیب بادشاہ تھا۔ لوگ اس کو ظالم کہتے اور وہ خود کو عادل کہتا۔ اس کا کہنا تھا کہ جو شخص جس کام کا مستحق ہے اس کو وہی کام سونپنا چاہئے اور کسی دوسرے پر مامور کرنا چاہئے۔ اس نے اپنے زمانہ کے اکثر اہل طریقت سے ان کا لباس (درویشی) اتروایا اور دنیاداری کے عہدوں میں سے کسی عہدہ پر

مامور کر دیا۔

یہاں تک کہ شیخ نصیر الدین محمودؒ کو ریاست کے عہدہ پر فائز کر دیا اور کہا کہ اگر ایسے لوگوں کو رئیس بنا دیا جائے تو کسی پر ظلم وستم نہ ہو حتیٰ ہر شخص ظلم سے محفوظ ہو جائے، لیکن شیخ محمود نے جب اس عہدہ کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تو خود ان کو بادشاہ کے ظلم وستم کا شکار ہونا پڑا اس نے سید السادات سید جلال بخاری کو بھی فقراء کے لشکر کا منتظم بنا دیا تھا۔

خزانہ[1] جلالی میں مرقوم ہے کہ حضرت مخدوم مداللہ ظلہ (مخدوم سید جلال الدین بخاریؒ) نے سلطان محمد شاہ کے عہد سلطنت میں مکہ جانے سے قبل حضرت شیخ قطب الوقت نصیر الحق والشرع والدین اودھی کی خدمت میں عرض کیا کہ مخدوم اس زمانہ میں درویش زادوں سے لباس درویشی اتروا کر انہیں قبا اور ٹوپی پہنائی جا رہی ہے اس سے مجھے ڈر لگتا ہے۔ حضرت شیخ نصیر الدین نے اپنا خاص تبرک دستار اور جبہ انہیں پہنا دیا اور فرمایا کہ یہی لباس پہن کر بادشاہ کے سامنے جاؤ وہ تم سے یہ لباس درویشی نہیں اتروائے گا۔ حضرت مخدوم مداللہ ظلہ وہی لباس زیب تن کر کے بادشاہ کی خدمت میں پہنچے، شیخ الاسلامی کی نیابت، سندھ، سیوستان[2] میں خانقاہ محمدی اور اس کے مضافات میں چالیس خانقاہیں حضرت مخدوم مداللہ ظلہ کو عنایت کی گئیں۔ جب شاہی لشکر سے واپسی ہوئی اور مخدوم نے شیخ الاسلام کی خدمت میں قدمبوسی حاصل کی عرض کیا کہ بادشاہ کا فرمان ہے کہ سیوستان میں فقراء کی خدمت کروں لیکن مجھے تو اس کام کے لئے شیخ قطب العالم رکن الحق والدین سے اجازت نہیں ملی ہے۔ حضرت خواجہ شیخ الوقت نصیر الحق والشرع والدین نے کہا کہ جائیے فقیروں کی خدمت کیجئے، میری طرف سے اجازت ہے۔

اسباب وذرائع کاملین کی نظر میں

(آمدم برسر مطلب) حاصل کلام یہ کہ جب سلطان وقت کا فرمان مجد الملک تک پہنچا تو وہ اسے لے کر حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میری کیا مجال

---

1 خزانہ جلالی حضرت مخدوم سید جلال الدین جہانیاں جہاں گشتؒ کے ملفوظ کا نام ہے۔ اخبار الاخیار ص ۳۰

2 حضرت سید جلال الدین جہانیاں جہاں گشت شیخ الاسلام شیخ رکن الدین ابوالفتح کے مرید اور شیخ نصیر الدین محمد چراغ دہلی کے خلیفہ تھے۔ سلطان محمد تغلق کے زمانہ میں شیخ الاسلامی کے عہدہ پر فائز ہوئے۔ سیوستان اور اس کے ارد گرد کا علاقہ آپ کی جاگیر قرار دیا گیا وہاں آپ نے ایک خانقاہ تعمیر کی جس کا نام خانقاہ محمدی رکھا۔ (اخبار الاخیار ص ۳۰۸-۳۰۹)

ہے کہ فرمان کے مطابق عمل سے گریز کروں، لیکن اگر حضور نے قبول نہیں کیا تو سارا قصور میرا سمجھا جائے گا۔ اور پھر بادشاہ میرے ساتھ کیا معاملہ کرے گا یہ تو کسی سے پوشیدہ نہیں، خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ میرا کیا حشر ہوگا۔ جب حضرت مخدوم جہاں نے مجد الملک کی الحاح وزاری دیکھی تو کراہیت کے ساتھ قبول فرمایا، لیکن بادشاہ کے انتقال کے بعد جب سلطان فیروز تخت نشین ہوا تو گاؤں واپس کر دیا جو کاملین ہوتے ہیں ان کو لوگوں سے میل جول، گاؤں اور دیہات کی مشغولیت اور خانقاہ داری سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا لیکن اسباب وذرائع کی کثرت کو یہ حضرات کاملین بعد اور تفرقہ (دوری ومجبوری) کا موجب سمجھتے ہیں۔ اسی کو نفرت اور حجاب کہتے ہیں، حالانکہ ان لوگوں کے لئے یہ چیزیں بعد وتفرقہ کا سبب نہیں بنتیں، ان کی نگاہوں سے حق غائب نہیں ہوتا ساری چیزوں کو حق سے اور حق ہی دیکھتے ہیں۔ ان کے مشاہدہ میں کسی طرح کا خلل واقع نہیں ہوتا۔ اور وہ چیزیں جو طریقت کے لئے اہم ہیں ان سے بھی کراہیت کرتے ہیں، اور ہر حال میں مشاہدہ حق میں ہوتے ہیں، مرید اور متصوف صوفیوں کے حالات کو کیا سمجھیں جو صوفی ہوتے ہیں وہ مکمل طور پر صاحب ہوش ہوتے ہیں۔ ان کے اطوار ہی دوسرے ہوتے ہیں جو کچھ کرتے ہیں حق کرتے ہیں اور حق پر ہوتے ہیں۔

کمال عجز وانکسار

سنا ہے کہ ایک دفعہ قاضی زاہد جو اپنے وقت کے دانشمند، سالک طریقت اور مخدوم جہاں کے معتقد تھے، حضرت مخدوم سے دریافت کیا کہ حضرت! سنا ہے کہ آپ نے تیس سال تک کچھ نہیں کھایا اور بول وبراز کی حاجت بھی نہیں ہوئی، اس ریاضت کے صلہ میں آپ کو کس خلعت سے نوازا گیا؟ آپ نے فرمایا تیس سال تک میں نے کھانا نہیں کھایا۔ ہاں اگر کسی وقت ضرورت ہوتی تو جنگل کی کوئی چیز کھالیتا، جب بول وبراز کی حاجت نہیں رہی تو کئی برسوں کے بعد ایک روز احتلام ہو گیا۔ اس وقت سردی بہت سخت تھی، میں پانی کے کنارے گیا مجھے خیال آیا کہ تیمم کر کے نماز ادا کر لوں، لیکن دل نے کہا کہ نفس شریعت کی پناہ ڈھونڈھ رہا ہے اور شریعت کا سہارا لے رہا ہے۔ لہٰذا اسی وقت پانی میں داخل ہو گیا اور داخل ہوتے ہی بیہوش ہو گیا، جب سورج نکلا تو ہوش آیا۔ (اس تیس سال کی ریاضت کا) انعام یہی ملا کہ اس روز فجر کی نماز قضا ہوئی۔ پھر فرمایا زاہد! شرف الدین نے جو ریاضت ومجاہدہ کیا ہے وہ اگر پہاڑ کرتا پانی ہو جاتا۔ لیکن شرف الدین کچھ نہ ہوا لا الٰہ الا اللہ کیا ہمت کی بلندی ہے۔ سبحان اللہ! جو کچھ پایا

سب کچھ خاک پر ڈال دیا۔ مفلس کی طرح دامن مجاز کر کھڑے ہو گئے اور ایک حقیر کی طرح عشق فرماتے ہیں۔

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی راسخن پایاں
بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہمچناں باقی

(نہ تو ان کے حسن کی کوئی انتہا ہے اور نہ سعدی کی عشق کی کوئی حد ہے یہ تو ایسی ہی ہے جیسے کہ پیاسا پیاس سے مر رہا ہے اور دریا اپنے حال پر جاری ہے)

شیخ الاسلام شیخ حسین معز بلخی کے ملفوظ میں تحریر ہے کہ یافت کا احساس بصیرت کی کمی کی وجہ سے ہوتا ہے۔

حضرت مخدوم کا تواجد

سنا ہے کہ ایک روز قوال آپ کے سامنے یہ رباعی پڑھ رہے تھے

آنہا کہ حدیث من زمن می شنوند | گر مع بینند نصیحتم نہ شنوند
گر قصہ خود پیش سگے برخوانم | سگ دامن ہو ستش زمن بر چینند

(اللہ تعالیٰ میرے حسن و دل و احوال کو دیکھ رہا ہے اگر ان کو شراب بنانے والا دیکھ لے تو میری صحبت سے احتراز کرے)

(اور اگر میں اپنا حال کتے کے سامنے بیان کر دوں تو کتا بھی میرے احوال کو سن کر میرے قریب آنا پسند نہ کرے)

حضرت مخدوم جہاں کو اس رباعی پر وجد کی کیفیت پیدا ہو گئی اور اسی کیفیت میں واللہ راست با للہ راست (اللہ کی قسم سچ ہے، اللہ کی قسم سچ ہے) کا نعرہ لگانے لگے۔ یہ بھی آپ کی بلندی ہمت کی نشانی ہے جیسا کہ سیر الی اللہ میں کیفیت ہوتی ہے اسی طرح سیر فی اللہ میں بھی حالتیں ہوتی ہیں۔

النهاية هي الرجوع الى البدايه

باخبر کاملین سے سنا گیا ہے کہ سید حسن قدسی نے شیخ بہرام سے پوچھا کہ تمہارے پیر شیخ شرف الدین کو اس رباعی پر وجد آ گیا اور واللہ راست باللہ راست کہنے لگے، یہ بات تو مبتدیوں کی ہے جو منتہی ہیں وہ ایسی باتیں کیسے کہیں گے؟ شیخ بہرام نے فرمایا النهاية هي الرجوع الى البدايه کہی ہے (انتہا ابتدا کی طرف لوٹنا ہی کو کہتے ہیں)

حضرت مخدوم جہاں جنازہ میں شرکت کے لئے تشریف لائے تھے تو آپ بھی تشریف لے گئے وہاں دونوں بزرگوں کی موجودگی میں اس شخص کی تدفین عمل میں آئی۔ شیخ شرف الدین کا اخلاق حضور نبی کریم ﷺ کے اخلاق کے جیسا تھا۔

مرد خدا آں دیوانہ پانی پتی

سنا ہے کہ قاضی زاہد نے آپ سے پوچھا کہ اے مخدوم! آپ مرد خدا کی بہت تعریف کرتے ہیں۔ آخر ہندوستان میں مرد خدا کون ہے؟ آپ نے فرمایا: دیوانہ پانی پتی یعنی شیخ شرف الدین پانی پتی! قاضی زاہد نے عرض کیا ہندوستان میں بہت سارے بزرگان ہیں آپ نے پانی پتی کی تخصیص کیوں کی؟ آپ نے جواب دیا کہ زاہد تم نے مرد خدا کے بارے میں دریافت کیا تھا بزرگوں کے بارے میں نہیں۔

دہلی میں کیا نہیں ہے لیکن ——!

سنا ہے کہ قاضی زاہد نے ایک دفعہ سوال کیا کہ اے مخدوم! آپ دہلی تشریف لے گئے ہیں آخر دہلی کو کیسا پایا؟ فرمایا زاہد! دہلی میں جس چیز کے بارے میں پوچھو گے سب بہت زیادہ ہیں۔ وہاں عبادت گذار زیادہ، وہاں زہد پارسا زیادہ، وہاں بزرگان دین زیادہ، وہاں صاحب تجرید زیادہ، وہاں ارباب کرامت زیادہ لیکن ---- جو میں ڈھونڈتا ہوں وہ دیوانہ پانی پتی بھی وہی تلاش کرتا ہے۔

حسین حلاج کے قتل پر اظہار افسوس

سنا ہے کہ ایک دفعہ حضرت مخدوم جہاں کے سامنے حضرت حسین حلاج کا تذکرہ ہو رہا تھا۔ آپ نے فرمایا افسوس لوگوں نے ان کو قتل کر دیا اس وقت تمام ارباب مشرب موجود تھے، کسی نے ان کو نہیں روکا۔ اگر میں اس وقت ہوتا تو تروتی کرا دیتا قتل ہونے نہیں دیتا۔ واللہ اعلم تروتی صوفیوں کی ایک اصطلاح ہے مقام فردیت سے مقام محبوبیت میں ترقی کرنے کو تروتی کہتے ہیں اور یہ مطلوبیوں کا آخری مقام ہے۔

شیخ عز کاکوی اور احمد بہاری کے قتل سے متعلق واقعہ

سنا ہے کہ شیخ عز کاکوی اور احمد بہاری کو حضرت مخدوم جہاں سے عقیدت اور ربط تھا، یہ حضرات

اگر ان کو نہیں ملتا تو لوحِ محفوظ میں دیکھتے ہیں اور اگر وہاں لوحِ محفوظ میں نہیں ملتا تو خود اللہ تبارک وتعالیٰ سے دریافت کرلیتے ہیں۔

کامل الحال درویش کی تعریف اور حضرت مخدوم کا تعذر

سنا ہے کہ قاضی شمس الدین دمشقی جو درویش بھی تھے اور دانشمند بھی، ایک روز مخدوم جہاں کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت حضرت مخدوم عالم استغراق میں تھے، ان کی طرف متوجہ نہیں ہوئے ملاقات کا خواہاں رہتا اس کو بھی نہیں برتا۔ قاضی شمس الدین کو اثر ہو گیا اور کہا کہ درویش کامل الحال کب ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کی تائید سے صفات سے متصف ہو جائے۔ قاضی شمس الدین نے پوچھا کہ حقیقتاً یا مجازاً؟ آپ نے فرمایا حقیقتاً۔ قاضی سے برداشت نہیں ہوا وہ اٹھ کر چلے گئے، اور بعض لوگوں نے اس واقعہ کو یوں بیان کیا ہے کہ قاضی صاحب نے پوچھا الشیخ یحیی ویمت (شیخ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے) یہ حقیقتاً ہے یا مجازاً؟ آپ نے فرمایا صوفی وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی تائید سے صفات سے حقیقتاً موصوف ہو اور یحییٰ تو اس سے بھی چھوٹی چیز ہے۔ کسی دوسری مجلس میں جب قاضی صاحب سے ملاقات ہوئی آپ نے معذرت کی اور فرمایا کہ اگر کسی کو دل کی بیماری ہوتی ہے تو اس کی گفتگو میں فرق پیدا ہو جاتا ہے۔ مجھ کو بھی کبھی کبھی ایسی کیفیت ہوتی ہے اس لئے مجھ کو (اس دن کی گفتگو کے معاملہ میں) معذور سمجھا جائے۔

دل کی کشاد

سنا ہے کہ ایک حسین و جمیل جوگی بہار سے مخدوم جہاں شیخ شرف الدین کے بعض مریدوں سے ملاقات ہوئی۔ ان مریدوں کے دل میں خیال آیا کہ اللہ تعالیٰ نے کافر کو یہ حسن و جمال عطا فرمایا۔ جوگی کے صاف و شفاف آئینہ دل پر مریدوں کا یہ خیال منکشف ہو گیا۔ اس جوگی نے کہا اس طرح کا خیال دل میں نہیں لانا چاہئے اور پوچھا کہ آپ لوگوں کے کوئی گرو بھی ہیں؟ جوگی اپنی زبان میں پیر کو گرو کہتے ہیں کاف کو پیش کے ساتھ۔ مریدوں نے کہا ہاں! ہم لوگوں کے بھی گرو ہیں، اس کے بعد مخدوم جہاں کا تذکرہ اور مناقب اس کے سامنے بیان کئے۔ اس نے دریافت کیا کہ وہ ہمارے پاس آ سکتے ہیں؟ مریدوں نے کہا کہ وہ بزرگ ہیں، کسی کے پاس نہیں جاتے، سب لوگ ان کی خدمت میں حاضر ہوتے

ہیں، اس جوگی نے کہا تو پھر مجھے بھی ان کے پاس لے چلو۔

وہ لوگ جوگی کو اپنے ساتھ لے کر حضرت مخدوم جہاں کی خدمت میں حاضر ہوئے جیسے ہی جوگی کی نظر آپ پر پڑی وہ الٹے پاؤں بھاگا۔ لوگوں نے کہا بھاگتے کیوں ہو؟ جوگی نے کہا وہ تو کرتار روپ دھارے ہوئے ہیں یعنی حق سبحانہ تعالیٰ کی صفات سے متصف ہیں مجھے ان کی خدمت میں جانے کی مجال نہیں اگر ان کے سامنے حاضر ہوں گا جل جاؤں گا۔

پوری بات جب مخدوم کو معلوم ہوئی مسکرائے اور فرمایا کہ اس کو کہو کہ اب آ جائے اب اس کو دیکھنے کی ہمت ہو جائے گی۔ وہ جوگی سامنے آیا نظر پڑی کہا کہ ہاں اب میں ان کے پاس جا سکتا ہوں پھر مجلس میں آ کر بیٹھ گیا، کچھ دیر تک بیٹھا رہا پھر عرض کیا مجھے اسلام میں داخل کر لیجئے۔ حضرت مخدوم نے اس کو داخلِ اسلام کیا۔ تین روز اپنے ساتھ رکھا اس کے بعد رخصت کر دیا اور وہ کہیں چلا گیا۔ کسی نے مخدوم جہاںؒ سے دریافت کیا کہ اتنی مختصر صحبت کے بعد ہی رخصت کر دیا ایسا کیوں؟ آپ نے فرمایا کہ وہ جو کام پورا کرنے آیا تھا، صرف کفر کا زنگ اس کے لئے حجاب بنا رہا تھا مسلمان ہونے اور چند روز صحبت میں رہنے کے بعد اس کا زنگ دور ہو گیا اس لئے اس کو رخصت کر دیا۔

سدھا کی تعریف اور جنگل کا سونا ہو جانا

سنا ہے کہ جس زمانہ میں مخدوم جہاں راجگیر کے جنگل میں تھے ایک جوگی کو معلوم ہوا کہ اس جنگل میں ایک بزرگ بھی رہتے ہیں، جوگی کے دل میں ملاقات کا شوق پیدا ہوا وہ جنگل گیا اور اس مقام کا پتہ لگایا جہاں حضرت مخدوم قیام پذیر تھے، وہ خدمت میں حاضر ہوا اور دریافت کیا کہ سدھا کی پہچان کیا ہے سدھ جوگیوں کی اصطلاح میں مرد کامل کو کہتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ اگر وہ اس جنگل کو کہہ دے کہ سونا ہو جا تو سونا ہو جائے، ادھر آپ کی زبان مبارک سے یہ جملہ نکلا اور ادھر وہ جنگل سونا بن گیا۔ آپ نے جنگل کو مخاطب کرتے فرمایا کہ اپنے حال پر لوٹ جا میں نے حکایتاً یہ بات کہی تھی۔

مخدوم کے مریدوں کی تعداد اور درجات

سنا ہے کہ شیخ الاسلام شیخ حسین معزیؒ نے فرمایا کہ شیخ جہاں کے مریدوں کی تعداد لاکھ سے زیادہ تھی، ان میں سے چالیس واصل بحق تھے، اور ان چالیس میں سے تین حضرت شیخ مظفر، ملک زادہ فضل

احمد اور مولانا نظام الدین درون حصاری مرد تھے۔ اور ان تینوں میں بھی عشق کی مے شیخ مظفر تک پہنچی تھی، باقی دو کے حصہ میں تھوڑی آئی۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ تینوں افراد واصل بحق تھے۔

شیخ محمد تالا کے مرید کرنے کی ترغیب

سنا ہے کہ ایک دفعہ حضرت مخدوم جہاں نے شیخ محمد تالا سے فرمایا کہ تم مرید کیوں نہیں کرتے اور کلاہ کیوں نہیں دیتے؟ شیخ محمد تالا نے عرض کیا مخدوم! میرا نفس روتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر تم کلاہ تقسیم کرنے لگے تو پھر بازار کی یخنی کون کھائے گا۔ آپ نے فرمایا کہ تم (نفس کی) کس بلا میں کہاں سے گرفتار ہوئے۔

ثمرہ توبہ

برہان الاتقیاء جو ولیوں کے مناقب میں ہے اس کتاب میں درج ہے کہ اکاسی سال کا ایک ہندو آپ کی مجلس میں آکر مشرف باسلام ہوا۔ آپ خوش ہوئے اور فرمایا کہ سبحان اللہ ایک بیگانے نے جو اکاسی سال تک غیر خدا کی پرستش کرتا رہا اپنا دوست اور آشنا بنا لیا کسی نے پوچھا کہ اگر اسی مجلس میں اس کا انتقال ہو جاتا تو اس کو کس میں شمار کیا جاتا؟ فرمایا کہ پاک و صاف یہاں سے چلا جاتا اور اس آیت الذین آمنوا ولم یلبسوا ایمانهم بظلم اولئک لهم الامن و هم مهتدون (انعام ۸۳)۔ (وہ جو ایمان لائے اور اپنے ایمان میں کسی ناحق کی آمیزش نہ کی انہیں کے لئے امان ہے وہ ہدایت کی راہ پر ہیں) کے تحت اس کا شمار ہوتا۔

آہن پوش قلندر

نقل ہے کہ ایک دفعہ کوئی قلندر لوہے میں جکڑا ہوا آپ کی مجلس میں پہونچے۔ لوگوں نے کہا اے درویش! اس لوہے کو کیوں نہیں اتارتے اس قلندر نے کہا کوئی ہے جو اس لوہے کو اتار دے؟ آپ مراقبہ میں چلے گئے اور سارا لوہا اس کے جسم سے گرنے لگا اور ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔

خانقاہ کی عمارت پر ایک عورت کا دعویٰ

سنا ہے کہ ایک عورت شرعی دعوی کے ساتھ آپ کے پاس آئی اور اس نے کہا کہ باہر آیئے اور

میرے دعوے کا جواب دیجئے۔ آپ اسی وقت باہر آئے۔ وہ عورت آپ کو لے کر چلی (قاضی)
کے پاس پہنچی اور وہاں اپنا دعویٰ پیش کیا کہ خانقاہ کی تعمیر میں جو اینٹ لگی ہے وہ میری ہے قاضی نے کہا
کہ اس عورت کے دعوے کا آپ کے پاس کیا جواب ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اس عورت کو حکم دیجئے کہ وہ
اپنی اینٹ لے جائے۔

قاضی نے جب یہ معاملہ دیکھا کھڑا ہو گیا اور معذرت کی۔

ابتدائی زمانہ میں روحانی معراج

سنا ہے کہ ابتدائی زمانہ میں آپ کی والدہ محترمہ آپ کو حجرہ میں رکھ کر باہر سے دروازہ مضبوط بند کر
دیتیں اور خود دروازہ کے باہر بیٹھ جاتیں تاکہ کوئی نہ آ جائے۔ جب دروازہ کھولتیں کبھی تو آپ حجرہ میں
نہیں ہوتے اور کبھی مردہ حالت میں ہوتے اور روح پاک معراج میں ہوتی۔ یہ کیفیت دیکھ کر جب
والدہ محترمہ رونے لگتیں تو آپ اٹھ کر تسلی دیتے۔

بارہ سال تک کھانے کی حاجت نہیں ہوئی

سنا ہے کہ ایک شخص آپ کے ساتھ بارہ سال تک پہاڑوں میں رہے ان کا کہنا ہے کہ اس مدت
میں آپ کو کھانے کی حاجت نہیں ہوئی۔

قاضی زاہد پر خاص کرم

سنا ہے کہ ایک شخص نے پانچ تنکہ زر آپ کی خدمت میں نذر بھیجا آپ نے چار تنکہ اللہ تعالیٰ کے
بندوں میں تقسیم کر دیا اور ایک تنکہ صحن میں کہیں ڈال دیا اور فرمایا کہ یہ زاہد کا حصہ ہے وہ تنکہ نگاہوں سے
اوجھل ہو گیا۔ جب قاضی زاہد آئے آپ نے فرمایا زاہد اپنا حصہ لے لو۔ قاضی زاہد کو وہ تنکہ صحن میں نظر
آگیا اور انہوں نے اسے اٹھا لیا۔

کفر صد سالہ

برہان الاتقیا سے منقول ہے کہ جب آپ کے مکتوبات شیخ نصیر الدین اودھی تک پہنچے اور

نہوں نے اس کا مطالعہ شروع کیا تو ایک روز حالت استغراق میں فرمایا کہ سبحان اللہ شیخ شرف الدین منیری نے ہمارے سوسالہ کفر کو ہماری ہتھیلی پر رکھ کر دکھا دیا۔

مکتوباتِ مخدومؒ سیّد جلال بخاری کی نظر میں

سید جلال بخاری سے لوگوں نے پوچھا کہ اس آخری عمر میں آپ کی مشغولیت کیا ہے؟ فرمایا شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری کے مکتوبات کے مطالعہ میں مشغول ہوں۔ پھر لوگوں نے پوچھا شیخ شرف الدین کے مکتوبات کیسے ہیں؟ فرمایا کہ بعض مقامات ابھی بھی سمجھ میں نہیں آئے ہیں۔

ڈولہ کی سواری پر اعتراض اور اس کا جواب

سنا ہے کہ ایک روز ڈولہ پر سوار ہو کر کہیں جا رہے تھے ایک شخص آئے اور عرض کیا اپنے ہی ہم جنس کے کندھے پر سوار ہونا کہاں سے آیا ہے؟ (یعنی یہ عمل کیسا ہے) کہ مردہ کو آخر کون اٹھاتا ہے؟ اس شخص نے کہا مردہ کو مسلمان اٹھاتے ہیں تو کہا کہ آپ نے فرمایا کہ نفس کا فر کو وہ مرد ہی اٹھائے گا۔

بہار سے عشق کی بو

سنا ہے کہ سید جلال الدین جب دہلی گئے تو وہاں اپنا رخ بہار کی طرف کر لیتے۔ سینہ کو ملتے اور فرماتے عشق کی بو بہار سے آرہی ہے۔

روزہ توڑ دیا مگر دل نہیں توڑا

سنا ہے کہ آپ نفل روزے میں تھے، افطار کا وقت قریب ہی تھا کہ کسی نے کھانے کی کوئی چیز پیش کی اور کھانے کی درخواست کی۔ آپ نے اسی وقت تناول فرمایا اور کہا کہ نفل روزے کی قضا ہے مگر دل توڑنے کی قضا نہیں۔

مریدوں سے مجاہدہ کرانے کا سبب

شیخ مظفر سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا میں نے ایک روز حضرت مخدوم سے دریافت کیا کہ اگلے

بزرگان کافروں کو مسلمان کرتے تھے اور اسی وقت خدا تک پہنچا دیتے تھے۔ لیکن اس زمانہ میں مریدوں سے مجاہدہ کرایا جاتا ہے آخر اس میں کیا حکمت ہے؟

آپ نے فرمایا کہ اگلے زمانے کے کفار جو ایمان لاتے تھے وہ پوری استعداد و صلاحیت رکھتے تھے اور اس زمانے کے مریدوں میں وہ استعداد اور صلاحیت نہیں ہوتی اسی لیے ان سے مجاہدہ کراتے ہیں۔

صفتِ ستاری

سنا ہے کہ ایک شخص نے (آپ کی موجودگی میں) آگے بڑھ کر امامت کی۔ نماز کے بعد لوگوں نے آپ سے بتایا کہ یہ شخص شرابی ہے۔ آپ نے فرمایا اس وقت نہیں پیا ہوگا۔ لوگوں نے کہا اس وقت پیا ہے۔ فرمایا رمضان میں نہیں پیا ہوگا۔

حضرت زین الدین کی دنیا بدل دی

شیخ زین الدین مغربی سے سنا ہے کہ وہ جوانی میں شراب پی کر اپنی والدہ کے پاس جاتے اور ان سے روپے مانگتے۔ ایک روز ان کی والدہ نے کہا کہ "تمہارا دل چاہے تو مانگو" والدہ کا یہ جملہ سن کر وہ شرمندہ ہو کر گھر سے نکل آئے اور حضرت مخدوم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ جیسے ہی خانقاہ میں داخل ہوئے دیکھا کہ حضرت مخدوم مصلیٰ پر قعدہ میں بیٹھے ہیں۔ مخدوم جہاں ان کی طرف متوجہ ہوئے اور اپنے قریب بلایا۔ جب یہ قریب پہنچے مصلیٰ کا کونا ہٹا دیا اور فرمایا مٹھی سے زیادہ نہیں۔ زین مغربی کا کہنا ہے کہ مصلیٰ کے نیچے مال و دولت کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا مجھے نذر کیا اور وہ مٹھی لے لیا اور وہاں سے چلا آیا۔ جب والدہ کے پاس پہنچا اور والدہ کی نظر اس پر پڑی آواز لگائی کہ اے بیٹے! ایسے بادشاہ سے دشمنِ خدا کی طلب! اُدھر سے ہٹ گیا اور ساری رقم تقسیم کر دی۔ اپنے چہرہ کو سیاہ کر کے پھر اسی بارگاہ میں حاضر ہو دل سے توبہ کیا۔ آپ نے فرمایا اچھا کیا جو باقی تھا وہ بھی پا لیا۔

مردانِ غیب کی امامت

سنا ہے کہ ایک روز کسی خاص کیفیت میں راجگیر کے پہاڑ کی طرف روانہ ہوئے۔ ایک شخص کو معلوم ہوا تو وہ بھی آپ کے پیچھے پیچھے چل پڑے۔ جب آپ جنگل کے قریب پہنچے دو شیر استقبال کے لئے

آگے بڑھے۔ قریب پہنچے دونوں شیروں نے قدموں میں سر رکھ دیا۔ آپ اس کی طرف متوجہ نہیں ہوئے۔ اور پہاڑ پر چلے گئے۔ وہ شخص جو آپ کے پیچھے پیچھے روانہ ہوئے تھے شیر کے خوف سے آگے نہیں بڑھے۔ وہیں رک گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد روانہ ہوئے اور جب شیر کے قریب آئے تو کہا کہ شیخ شرف الدین جو ابھی اسی راستے سے گئے ہیں ان کے طفیل میں جانے دو۔ وہ دونوں شیر راستہ سے الگ ہو گئے۔ وہ شخص پیچھے پیچھے گئے اور پہاڑ پر چلے گئے۔ حضرت مخدوم نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور اس شخص سے فرمایا کہ ان کتوں سے کیسے پار ہوگئے۔ انہوں نے کہا کہ حضور آپ کا حوالہ اور قسم دیا اسی صدقہ میں مجھے راستہ مل گیا اور مجھ سے کچھ چھیڑ چھاڑ نہیں کیا۔ حضرت مخدوم جہاں نے فرمایا کہ میں کون ہوتا ہوں کہ میری قسم سے وہ کنارے ہو جائیں یہ تو آپ کے ہاتھ میں جو ڈنڈا ہے اسی کے خوف سے بھاگ گئے ہوں گے اس کے بعد فرمایا کہ اے درویش آپ یہیں ٹھہریئے۔ میں اپنے دوست سے ملاقات کرنے واپس آتا ہوں۔ ان کو ایک پتھر پر بٹھا دیا۔ آیت الکرسی پڑھ کر دم کیا اور خود عالم طیر میں اڑنے لگے۔ جب رات کا تین حصہ گذر اعالم طیر سے پیچھے اترے۔ پھر صبح ہوئی صبح کی سنت ادا کی۔ مردان غیب کی ایک جماعت حاضر ہوئی، آپ آگے بڑھے امامت کی۔ فرض نماز سے فارغ ہونے کے بعد سب نے آپ کے دست مبارک کو چوما اور رخصت ہوگئے۔

ہر شب جمعہ کو مکہ معظمہ میں حاضری

سنا ہے کہ مکہ مبارک سے ایک سیاح تشریف لائے ان کے ہاتھ میں تسبیح تھی۔ تسبیح پیش کی اور کہا کہ میں نے شب جمعہ میں یہ تسبیح مکہ معظمہ میں پائی ہے، جو لوگ وہاں موجود تھے انہوں نے بتایا کہ یہ تسبیح شیخ شرف الدین منیری کی ہے جو بہار میں رہتے ہیں۔ اور ہر شب جمعہ کو یہاں تشریف لاتے ہیں۔ میں نے وہ تسبیح لے لی تاکہ یہاں لاکر آپ کی خدمت میں پیش کروں۔

کسر نفسی

سنا ہے کہ ایک دفعہ رمضان کے مہینہ میں کسی گاؤں میں عشاء اور تراویح کی نمازیں ادا کرنے کے لئے تشریف لے گئے رات وہیں قیام فرمایا۔ اس گاؤں کا مالک آپ کو اپنے ساتھ گھر لے گیا تاکہ وہاں اپنے ساتھ افطار کرائے دلجوئی کے لئے آپ اس کے ساتھ چلے گئے، کھانا دیا گیا، آپ نے اس کا ساتھ

دیا (بھی ایک ساتھ کھانے لگے) اس کے نوکروں نے جب دیکھا تو کہا ہمارے مالک کو کیا ہو گیا ہے ان کو شرم نہیں آتی کہ ایسے ناجنس کے ساتھ کھانا کھا رہے ہیں۔ حضرت مخدوم فرماتے ہیں کہ اس رات میرا وقت بہت اچھا گذرا۔ (یعنی نوکروں کا تحقیر آمیز انداز حضرت مخدوم کو بہت پسند آیا۔ یہ ہے حضرت مخدوم کی کسر نفسی)

رعنائی افکار

☆ مکتوبات قدیم سے منقول ہے آپ نے فرمایا موسیٰ علیہ السلام کا تجلی ایک من اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنے آپ سے توبہ کرنا ہے اس لئے کہ انہوں نے اپنے ارادہ اور اختیار سے دیدار کا مطالبہ کر لیا۔ حالانکہ دوستی اور محبت میں اپنے اختیار سے خواہش کا اظہار آفت ہے اور یہ توبہ حسن سے احسن کی طرف لوٹنا ہے۔

☆ آپ نے فرمایا اے بھائی اگرچہ گناہوں سے آلودہ اور ملوث ہو لیکن توبہ کرتے رہو اور آس لگائے رہو، تم فرعون کے جادوگروں سے زیادہ آلودہ تو نہیں۔ تم اصحاب کہف کے کتے سے زیادہ نجس و ناپاک تو نہیں۔ تم طور سینا کے پتھروں سے زیادہ جامد تو نہیں اور تم چوب حنانہ سے زیادہ بے قیمت تو نہیں۔

☆ آپ نے فرمایا گناہوں میں مبتلا ہو جانے کا ڈر ہے اس لئے تم پر لازم ہے کہ ہر وقت توبہ کرتے رہو اور توبہ سے غافل نہ ہو۔

☆ آپ نے فرمایا وہ عیب کے ساتھ قبول کرنا ہی چاہتا ہے اسی لئے تو اس نے عیب کے ساتھ پیدا کیا ہے۔

☆ آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ آدم علیہ السلام نے بہشت میں نافرمانی کی اسی لئے وہاں سے رخصت کر دیے گئے تو پھر یہ بتائے کہ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا کیا تھا جو یہاں لائے گئے پھر قاب قوسین تک بلائے گئے تاکہ وہاں فرشتے آپ سے نماز اور حرمت کا سبق لیں اور پھر اس عالم میں لائے گئے تاکہ اہل زمین آپ سے عبادت و شریعت کا درس لیں۔

☆ آپ نے فرمایا کہ جیسی توبہ ہوگی اسی مقدار میں آفتاب ایمان، افق سینہ پر تاباں و درخشاں ہوگا۔

☆ آپ نے فرمایا کہ جو ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے وہ اس دنیا کو دیکھتا ہے اور جو اپنے آپ سے پیدا ہوتا ہے یعنی بشری صفات سے نکل آتا ہے وہ دونوں جہان کو دیکھتا ہے دنیا اور عقبیٰ دونوں کو موجود دیکھے۔

☆ آپ نے فرمایا کہ جب مرید صادق ہوگا تو وہ اپنے آئینہ دل میں شیخ کے جمال کا مشاہدہ کرے گا

اور اسی وقت شیخ کی ولایت سے جس پر عاشق ہو جائے گا۔ اس کا چین وسکون غائب ہو جائے گا۔ وہ صحرائے طلب میں دوڑنے لگے گا۔ تمام سعادت و نیک بختی کا منشاء یہی بے قراری ہے۔ اور یہی عاشقی ہے۔

☆ آپ نے فرمایا کہ پیر کسی مردود کو ہرگز مرید نہیں بنا سکتا۔ جس طرح پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ازلی بدبختوں کو مومن مخلص نہیں بنا سکے۔

☆ آپ نے فرمایا کہ میری اور تمہاری خدمت کلیسا میں ہے اور نہ بتخانہ میں۔ کوئی بت اور بتخانہ بھی ہم لوگوں کو تباہ نہیں کر سکتا۔ نہ ہم لوگوں کو مریدی کا جھوٹا دعویٰ کرنا چاہئے اور نہ مسلمانی کی ڈینگ مارنی چاہئے۔ کیا کریں اگر صادقوں اور مخلصوں میں شمار نہیں ہوتا ہے تو کاذبوں اور جھوٹے دعویداروں ہی کے زمرہ میں شامل رہیں۔ لوگوں نے کہا ہے قسم ہے سچے بن کر دوسروں کے در پر پڑے رہنے سے کہیں بہتر ہے کہ جھوٹے بن کر اسی کے در پر پڑے رہیں۔

☆ آپ نے فرمایا کہ جس کو مقام ولایت حاصل ہوتا ہے وہ کرامت کی طرف مائل نہیں ہوتا۔ اپنے کو اہل کرامت میں شمار نہیں کرتا۔ کرامت عارفوں کے لئے بت ہے۔ اگر کرامت کے اظہار میں لگتے ہیں تو حجاب میں پڑ جاتے ہیں اور معزول ہو جاتے ہیں۔ اور اگر کرامت سے احتراز کرتے ہیں تو مقرب بن جاتے ہیں اور وصل کی دولت سے مالامال ہو جاتے ہیں۔

☆ آپ نے فرمایا کہ کرامت سے اعراض ایک لطیف راز ہے۔ اور وہ راز یہ ہے کہ غیر دوست سے منہ پھیر لینا اور محبوب کے علاوہ سب سے سرکش ہو جانا ولایت کی صحت کے لئے لازم ہے۔ اخذ و ترک ایک دوسرے کے ضد ہیں۔ اسی طرح اعراض اور اقبال (یعنی منہ پھیر لینا اور قبول کر لینا) ایک دوسرے کے مخالف ہیں۔ ایسی صورت میں جس نے کرامات کی طرف رخ کیا، کرامات کو قبول کیا اور اس پر اعتماد کر لیا اس نے مکرم (یعنی کرامت عطا فرمانے والے عزت دینے والے) سے رخ موڑ لیا اور غیر دوست کو قبول کر لیا۔

☆ آپ نے فرمایا کہ جو مکرم ہوتے ہیں یعنی جن پر کرم ہوتا ہے وہ کرامات سے بھاگتے ہیں۔ اس سے ڈرتے ہیں۔ نالہ و فریاد کرتے ہیں اور اپنے کو ذلیل وخوار سمجھتے ہیں۔ اسی لئے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ کرامت ہی کی وجہ سے بہت سارے لوگوں کی راہ ماری گئی۔

☆ آپ نے فرمایا اے بھائی! جہاں تک ہو سکے کسی کی خدمت میں رہ کر جوتیاں سیدھی کرو، اور کسی

اس کو یوں ہی نہیں چھوڑنا چاہیے۔ فسق و فجور جوارح کی صفت ہے اور ایمان دل کی صفت اور دل کا پوشاک ہے اور حکم اس پر چلتا ہے نہ کہ جوارح پر۔ اس لئے کہ دل منظورِ حق ہوتا ہے جوارح نہیں۔ اور حکم منظور پر ہوتا ہے نہ کہ مجبور پر۔

☆ آپ نے فرمایا اے بھائی! اب تو تم سمجھ گئے کہ تم کیا کرتے ہو ارے بھائی! کون چھوڑتا ہے، کون نازو نخرے دکھاتا ہے، کون جلاتا ہے اور کون سنوارتا ہے، ساکنین راہ کی یہی روش ہے۔

☆ آپ نے فرمایا ایسی زندگی کی طلب کی جائے جس کا محرم جان بھی نہ ہو۔ اور جس زندگی کا تعلق جان سے نہ ہو، جس کا تعلق جان سے ہے وہ اسباب کا غلام ہے اور جس کا تعلق حق سے ہے یعنی جو حق کے ساتھ زندگی گزارتا ہے سارے اسباب اس کے غلام بن جاتے ہیں۔ اور حق کے ساتھ زندگی گزارنا علم توحید کے بغیر ممکن نہیں۔ اور یہ زندگی یہ ہے۔ دراصل اپنے آپ کو نہیں دیکھنا ہے اس لئے کہ جس نے اپنے نفس کو دیکھا اس نے شرک کیا من یری نفسہ فقد اشرک (جس نے اپنے نفس کو دیکھا بہ تحقیق اس نے شرک کیا) جس کو جتنا قرب حاصل ہوتا ہے وہ اسی قدر فریاد کرتا ہے گویا کہ اس نے کچھ نہیں پایا۔ جب مطلوب کی کوئی حد و نہایت نہیں تو پھر جتنی بھی طلب کی جائے وہ طلب نہیں کے برابر ہے، اور اس تک جتنی بھی پہنچ ہو وہ یافت گویا نایافت ہے۔

☆ آپ نے فرمایا جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ کا وصال طاعت سے ہوتا ہے اور معصیت کو اس سے دوری وجدائی کا سبب جانتا ہے وہ وصل اور فصل کو غیر حق پر منحصر کرتا ہے اور یہ شرک ہے۔

☆ آپ نے فرمایا اے بھائی! آس لگائے رکھو لنگڑاتے ہی قدم بڑھاتے جاؤ۔ اس لئے کہ یہ دولت فضل سے حاصل ہوتی ہے استحقاق سے نہیں۔ قسم ہے اللہ بزرگ و برتر کی۔ اگر استحقاق سے حاصل ہوتی تو ہم کو اور تم کو ذرہ برابر بھی کچھ نہیں ملتا۔ یہ ہمارے درمیان میں کوئی علت نہیں۔ پاکباز بندے جتنی امید رکھتے ہیں ناپاک بندے ہزار گونہ زیادہ امید لگائے رہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اپنے افلاس، استعداد کی کمی اور نجاست و آلودگی کی وجہ سے شکست سے دوچار نہیں ہونا چاہئے۔ بلکہ اس کی قدرت اور فضل و کرم پر نظر رکھنی چاہئے۔

☆ آپ نے فرمایا اے بھائی! اگر سارے پاکبازوں کی عصمت اور سارے معصوموں کا خلوص تمہاری عادت و خصلت کا لباس بنادیں تو دیکھو اس پر فریفتہ نہ ہونا۔ اور اگر قہر کی وہ ہزاروں تلواریں جن پر حسرت کا زہر چڑھایا ہوا ہو تمہارے سر پر برسائیں تو دیکھو شکست نہ کھانا، ہمت نہ ہارنا۔

اور کھاتا کوئی دوسرا کھاتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے جب ارنی کہا تو ان پر لن ترانی کی تلوار چلی۔ اور پتھر کے ٹکڑے کو صحت سے نوازا گیا۔ اگر محروم رہیں تو اس میں بھی حکمت ہی پوشیدہ ہے اس لئے دل کو خوش رکھو۔

☆ معدن المعانی (باب سوم) میں مرقوم ہے کہ حدیث شریف **من عرف اللہ کل لسانہ** (جس نے خدا کی معرفت حاصل کی اس کی زبان گنگ ہوگئی) پر گفتگو ہو رہی تھی۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ اس لسان سے لسان ظاہر مراد ہے یعنی ان کو جو مشاہدہ اور مکاشفہ حاصل ہوتا ہے اگر اس کو بیان کرنا چاہیں تو بیان نہیں کر سکتے۔ اس حدیث سے یہ مراد نہیں ہے کہ جو خدا کی معرفت حاصل کر لیتا ہے وہ واقعی گونگا ہو جاتا ہے اور کچھ بول ہی نہیں سکتا۔ اس کے بعد فرمایا کہ دوسری حدیث بھی ہے من عرف اللہ طال لسانہ (جس نے خدا کی معرفت حاصل کی اس کی زبان دراز ہو جاتی ہے) اس حدیث میں باطنی زبان مراد ہے (یعنی باطن کی زبان پر معرفت کی باتیں جاری ہو جاتی ہیں) اور ممکن ہے کہ زبان ظاہر بھی اس سے مراد ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ پہلی حدیث کا اشارہ ابتدائے معرفت کی طرف ہو اور دوسری حدیث انتہائے معرفت کو ظاہر کرتی ہو۔

☆ آپ نے فرمایا کہ جو علم کے ساتھ کام کرتا ہے وہ اپنے اوپر لوح محفوظ کا دروازہ بند کر لیتا ہے۔ اس لئے کہ یہ کلمات منافقوں کے ہیں اور ایسے لوگوں نے اس طرح کی گفتگو کو اختیار کر رکھا ہے یہ لوگوں میں عام ہو گیا ہے۔ کہتے ہیں کہ اگر ایسا ہوتا تو یہ نہیں ہوتا۔ اس طرح نہیں ہونا چاہئے یہ منافقوں کے جملے ہیں۔

☆ آپ نے فرمایا کہ لوح محفوظ[1] کی اطلاع ولایت کی صحت کے لئے شرط نہیں ہے ایسا نہیں ہے کہ اگر ولایت ہوئی تو لوح محفوظ پر اطلاع بھی ہوگی بلکہ لوح محفوظ پر اطلاع ہونا نقص بھی ہے۔

☆ حضرت مخدوم سے کسی نے سوال کیا کہ صوم وصال کی ممانعت کی ہے اور یہ رسول اللہ ﷺ کے لئے مخصوص ہے اگر کوئی دوسرا شخص رکھے تو یہ کیسا ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ اگر کوئی شخص نفس[2] کی ریاضت کے لئے رکھے تو یہ جائز ہے اور مشائخ کی کتابوں میں جو ممانعت کی ہے اس نہی کو نہی شفقت سے تاویل کرتے ہیں (یعنی یہ ممانعت برنائے شفقت ہے)

---

1. معدن المعانی باب بستم میں اس مضمون پر بہت تفصیل سے گفتگو فرمائی ہے۔
2. معدن المعانی باب ۳

☆ آپ نے فرمایا سالک کے لئے دشمن دامن کے کانٹوں کی طرح ہیں اس کے بعد فرمایا کہ اہل معرفت کے نزدیک بس وہی ایک بات ہے کہ اگر سارا جہان تم سے ناخوش ہے اور وہ حق سبحانہ تعالیٰ تم سے خوش ہے تو پھر کوئی ڈر نہیں۔ اور اگر سارا جہان تم سے خوش ہے اور وہ رب تعالیٰ تم سے ناخوش ہے تو پھر (لوگوں کی خوشنودی سے) تمہیں کوئی فائدہ پہنچنے والا نہیں۔۔۔من لہ المولیٰ فلہ الکل (جس کا مولیٰ ہو گیا اس کا سب ہو گیا)

اگرم هیچ نباشد نه دنیا نه عقبی   چو تو دارم همه دارم دگرم هیچ نباید

(اگر میرے پاس دنیا اور عقبیٰ کچھ نہ ہو تو کوئی فکر نہیں۔ اگر آپ میرے ہیں تو مجھے سب کچھ حاصل ہے مجھے اور کچھ نہ چاہئے)

گر هر دو جهان دهند ما را   جوں وصل تو نیست بی نوایم

(اگر مجھے دونوں جہان عطا فرمائیں اور آپ کا وصل حاصل نہ ہو تو سب کچھ ہوتے ہوئے بھی میں مفلس و بے نوا ہی رہوں گا۔)

☆ آپ نے فرمایا کہ شریعت میں جو یہ دو اصول ہیں ان سے گنہگاروں کو بڑی امیدیں بندھ گئی ہیں۔ ایک اصول تو یہ ہے کہ جنایتہ العبد علی مولاہ اور دوسرا اصول یہ ہے کہ جنایتہ العبد مال مولاہ هدر بندہ کا تاوان اس کے مالک پر ہوگا اس پر نہیں۔ اور مالک کے حق میں غلام کی بھول چوک معاف ہے ایسی صورت میں شریعت میں اس بندہ کی کوئی گرفت نہیں ہوگی۔ جب کہ یہ حکم ہے تو کل قیامت کا دن بھی اس حکم سے خالی نہیں ہوگا۔ بندہ کا قصور اور جرم اللہ کے حق میں ہوگا یا غیر اللہ کے حق میں۔ اگر بندہ نے غیر اللہ کا قصور اور جرم کیا ہے تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا فدیہ اور تاوان ادا کردے گا۔ اور اگر اللہ کے حق میں کی اور جرم کیا ہے تو پھر وہاں معافی کی امید ہی ہے۔ اس جملہ کے بعد حضرت مخدوم نے سینکڑوں بار الحمد للہ الحمد للہ کی تکرار فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ ان دونوں اصولوں سے گنہگاروں کو بڑی امیدیں ہیں۔

☆ آپ نے فرمایا جو اپنی زبان پر اللہ کا ذکر جاری رکھتا ہے وہ اللہ کا دوست ہے جو دوست ہوتا ہے وہ اپنے دوست کو بہت یاد کرتا ہے کیا تمہیں نہیں معلوم کہ بی بی زلیخا یوسف علیہ السلام سے بے انتہا

محبت کرتی تھیں اس لئے ساری چیزوں کو ان ہی کے نام[1] سے پکارتی تھیں کہا جاتا ہے کہ محبت اور دوستی میں بی بی زلیخا کی طرح ہونا چاہئے تاکہ دامن مقصود گل مراد سے بھر جائے۔

☆ آپ نے فرمایا جو کامل الحال ہوتے ہیں ان کے اندر تغیر نہیں ہوتا، یعنی ان کے اندر ایسی کوئی چیز پیدا نہیں ہوتی جس کی وجہ سے اس میں نقصان ہو جس میں وہ مشغول ہیں' اہل نفس بشریت کی وجہ سے تغیر پذیر ہوتا ہے اور یہ صفت لازمۂ بشریت ہے۔ مقام تمکین پر پہنچنے کے بعد کوئی تغیر نہیں ہوتا۔ اور جو ارباب تمکین ہوتے ہیں ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔

☆ آپ نے فرمایا کہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ساری چیزوں کا ترک بہتر ہے اگر اس پر استقامت بھی ہو۔ لیکن ترک اس طور پر بہتر ہے کہ کچھ مقدار میں رہنا بھی چاہئے تاکہ حاجت ضروری کے وقت تنگی نہ ہو، کاموں میں استقامت بھی ہو اور درستگی بھی۔

☆ آپ نے فرمایا باطن کے ساتھ معمد بدنی عبادت سے سو گونہ افضل و اشرف ہے۔ عرفا جو کچھ دیکھتے ہیں۔ پہلے اس چیز کی حقیقت پر نظر ڈالتے ہیں۔ اور وہ یہ دیکھتے ہیں کہ ساری چیزیں معدوم ہیں اسی لئے کسی چیز سے بھی ان کو انس اور سکون و قرار حاصل نہیں ہوتا۔

دل بدست آور جلال او ببین　　　آئینہ کن جاں جمال او ببین

(دل کو حاصل کرو پھر اس کے جلال کا معائنہ کرو۔ اور اپنی جان کو آئینہ بناؤ اور اس میں اس کے جمال کا مشاہدہ کرو)

گر ترا پیدا شود یک فتح باب　　　تو درون خانہ بینی آفتاب

(اگر تجھے فتح باب حاصل ہو جائے تو پھر اپنے دل میں آفتاب جہاں تاب کو روشن پائے)

☆ آپ نے فرمایا کہ اس گروہ کے اکثر لوگوں نے سفر حج میں جانے کیلئے غور نہیں کیا ہے ان کا کہنا ہے کہ کسی کے گھر جانے سے پہلے اس سے آشنائی حاصل کر لی جائے۔

☆ آپ نے فرمایا حق سبحانہ تعالیٰ سے محبت کی علامت یہ ہے کہ اس کے دل میں ہرگز ہرگز غیر حق سے محبت کی گذر نہ ہو۔ جب اس کے دل میں کسی غیر کے لئے جگہ نہ ہو گی اس وقت سمجھ جائے گا

---

[1] بی بی زلیخا کا یہ حال ہو گیا تھا کہ ایک دن دوری سے کہہ رہی ہیں کہ اے یوسف پیراہن کو سی دو۔

(حدائق المعانی، باب، ص ۱۲)

کہ اس کے دل میں حق سبحانہ تعالیٰ کی محبت ہے اور ایسے شخص کو واصل حق کہا جائے گا۔

☆ آپ نے فرمایا کہ اگر کسی کے پاس طاعت وعبادت کا سرمایہ نہیں ہے تو کم از کم ہمت تو ہو۔

همت از آنجا که خطرها کند   خوار مدارش که اثرها کند

(وہ نگاہیں جو ہمت سے بھری ہوتی ہیں انہیں معمولی نہ سمجھو۔ وہ نگاہیں اپنے اندر اثر رکھتی ہیں اور تیز اثر کرتی ہیں)

☆ آپ نے فرمایا کہ ہمت سے مراد وہ کیفیت ہے جو طبیعت میں پیدا ہوتی ہے، وہ دنیوی اور خسیس امور سے بلند وافضل امور تک لے جاتی ہے رہنمائی کرتی ہے اور طلب اس کے لئے اسباب و شرائط کو پوری کرتی ہے۔

☆ احوبہ کا کوئی سے منقول ہے آپ نے فرمایا کہ عشق میں عطا و بخشش کی وجہ سے تعریف نہیں ہوتی۔ اور نہ ظلم وجفا کی وجہ سے برائیاں ہوتی ہیں،

☆ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ساری زبانوں میں گفتگو کرتا ہے آدمیوں کی زبان سے بھی بولتا ہے لیکن آدمی اس کو سمجھتے نہیں کہ وہ کیا بول رہے ہیں۔ پرندوں کی زبان سے بھی بولتا ہے اور پرندے کو معلوم نہیں کہ وہ کیا بول رہے ہیں۔ حیوانات کی زبان سے بھی بولتا ہے اور حیوانات کو اس کا علم نہیں کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔

☆ آپ نے فرمایا کہ بندہ اس وقت تک حقیقی مومن نہیں ہوتا جب تک وہ دوسروں کو اپنے سے بہتر نہ سمجھے۔

ایماں اگر بگور بری صد کرامت است

وصیت نامہ سے منقول ہے کہ جب حضرت مخدوم جہاں کو پیری آئی، ضعیف ہونے مرض کا غلبہ ہونے لگا، ۵، شوال چہار شنبہ کے دن وقت چاشت آپ اس حجرہ میں سے آئے جس کو ملک نظام الدین خواص امنف نے تعمیر کرایا تھا، اور تکیہ کے سہارے بیٹھ گئے۔ برادر حقیقی بندگی شیخ جلیل الدین قاضی زاہد اور دوسرے احباب حاضر خدمت تھے، زبان مبارک سے لاحول ولاقوة الا باللہ کہنے لگے، پھر حاضرین کی طرف رخ کیا اور فرمایا کہ تم لوگ بھی یہی پڑھو۔ سب لوگ تعمیل حکم میں لاحول ولاقوة الا

باللہ پڑھنے لگے۔ پھر مسکراتے ہوئے تعجب کے طور پر فرمایا سبحان اللہ وہ ملعون اس وقت مسئلہ توحید میں الجھا کر لغزش دینا چاہتا ہے۔ خداوند تعالیٰ کے فضل سے اس کی کیا توجہ ہو سکتی ہے۔ پھر لا حول ولا قوۃ الا باللہ کہنا شروع کیا، اس کے بعد ادعیہ اور وظائف میں مشغول ہو گئے پھر بلند آواز سے کہنے لگے الحمد للہ الحمدللہ خدا نے کرم کیا النعمۃ للہ المنۃ للہ دل کو خوشی اور فرحت و مسرت کے ساتھ بار بار اسی کی تکرار فرماتے رہے۔ اس کے بعد قاضی زاہد کا ہاتھ پکڑ کر سینہ مبارک پر رکھا اور فرمایا، ما نیم ما نیم ہم وہی ہیں ہم وہی ہیں، پھر فرمایا ہم وہی دیوانے ہیں ہم وہی دیوانے ہیں پھر تواضع اور خاکساری کی کیفیت میں نزول کیا اور فرمایا نہیں بلکہ ہم ان دیوانوں کی جوتیوں کی خاک ہیں، پھر جہاں تک ممکن ہوا سب کو خوشخبری دی اور لا تقنطوا من رحمة الله ان الله يغفر الذنوب جميعا کے تحت سب کو امیدوار بنایا خود بھی آیات رحمت اور بسم اللہ کے ساتھ کلمہ طیبہ پڑھتے رہے۔ جب وقت آخر آیا زبان مبارک پر لا خوف عليهم ولا هم يحزنون اور کلمہ طیبہ جاری تھا۔ پھر جاں بحق تسلیم ہو گئے۔

انا لله وانا اليه راجعون

۹ شوال ۸۲ھ ہجری پنجشنبہ کو چاشت کے وقت تدفین عمل میں آئی۔

ارادت میں دل کا میلان

آپ کے والد حضرت شیخ شمس الدین حضرت شیخ احمد چرمپوش قدس سرہ کے خلیفہ تھے، آپ کا کہنا تھا کہ شیخ احمد چرمپوش صاحب کشف وکرامت بزرگ ضرور ہیں لیکن میرا اعتقاد اس شخصیت پر ہے گا جو علم میں پختہ ہو۔ اس زمانہ میں علوم اربعہ شریعت وطریقت، حقیقت ومعرفت میں حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین منیری قدس سرہ کے تبحر علمی کا شہرہ تھا۔ اس لئے مولانا مظفر کی طبیعت کا میلان حضرت مخدوم جہاں کی طرف تھا لیکن والد ماجد کی رضامندی اور اجازت کا انتظار تھا۔ جب والد بزرگوار کو یہ بات معلوم ہوئی تو فرمایا کہ اس معاملہ میں تو تمہاری رائے اصل رائے ہے۔ جہاں عقیدہ ہو اور جہاں دل جھکے وہیں متوجہ ہونا چاہئے۔ اس کے بعد حضرت مخدوم جہاںؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے جو علمی مشکلات تھے وہ دریافت کئے۔ مخدوم جہاں نے ان کو شافی جواب عنایت فرمائے لیکن وفور علم کی وجہ سے لا نسلم (میں تسلیم نہیں کرتا) کہتے اور ہر جواب پر اسی کی تکرار کرتے لیکن حضرت مخدوم جہاں اخلاق کی جس بلندی پر فائز تھے اس صفت کی وجہ سے (جلال یا غصہ میں آکر) گرم گفتگو نہیں کرتے اور پوری وضاحت کے ساتھ ان کی مشکلات کو حل فرماتے مجلس کے اختتام پر پہنچے تو اس بحث میں مولانا نے جو جرأت دکھائی اس پر شرمندہ ہوئے۔ اور حضرت مخدوم جہاں کے اخلاق کے گرویدہ ہوگئے۔ اس کے بعد حضرت کی طرف دل کا لگاؤ بڑھنے لگا۔ بلکہ پیر کی محبت جو خداوند تعالیٰ کا خاص فیض ہوتا ہے۔ دل میں جوش مارنے لگا۔ غرض کہ حلقہ مریدی میں داخل کر لیجئے۔

حضرت مخدوم جہاں نے مرید کیا اور بیعت کے شرف سے مشرف فرمایا پھر مولانا نے راہ طریقت میں مشغولی کی درخواست پیش کی۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ راہ طریقت میں علم کے بغیر مشغولی نہیں ہوتی۔ آپ نے جو کچھ علم حاصل کیا ہے وہ جاہ ومنزلت کی غرض سے حاصل کیا ہے اس سے اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ آپ اللہ کے لئے خلوص نیت کے ساتھ دوبارہ تحصیل علم شروع کیجئے اور تحقیق میں لگ جائے تاکہ علم کا پورا ثمرہ حاصل ہو۔ اور راہ سلوک میں ترقی کا ذریعہ بنے۔

تعمیل ارشاد

اس عالی ہمت نے ایسا ہی کیا اسی وقت وہاں سے رخصت ہوئے۔ پیدل ہی روانہ ہوگئے چند کوس چلے تھے کہ پاؤں میں چھالے پڑگئے چلنے کی طاقت نہیں رہی۔ ایک درخت کے نیچے ٹھہر گئے۔

(میں ذلت و رسوائی کی دولت اور تنہائی کی سلطنت سے خوش ہوں اس لئے کہ میرے شب و روز سے کسی کو مطلب نہیں)

حکم ہوا کہ مولانا مظفر کو بیش قیمت لباس فاخرہ دیا جائے ان کے لئے آرام دہ اور ہوادار جگہ تیار کی جائے۔ ان کے سونے کے لئے نرم و لطیف بستر کا انتظام کیا جائے اور ان کے کھانے کے لئے انواع واقسام کی نعمتیں مہیا کی جائیں۔ حکم کے مطابق عمل کیا گیا لیکن وہ اللہ کی محبت اور اس کی طلب میں ایسے گم ہو چکے تھے کہ یہ سارے انتظامات اور یہ ساری نعمتیں ان کے لئے کانٹے کی طرح تھیں ان پر فقر کے اسرار منکشف ہو چکے تھے ان چیزوں کی طرف مائل نہیں ہوئے بلکہ زبان حال سے یہ شعر پڑھتے۔

جان آدم چوں شرر فقر سوخت　　　هشت جنت را بیک گندم فروخت

(جب حضرت آدم کی جان نے فقر کے شرار کی سوزش محسوس کر لی تو انہوں نے آٹھوں جنت کو ایک دانہ گندم کے عوض میں فروخت کر دیا)

جسم بے گوشت

جس زمانے میں دھینز کے اوپر رہتے تھے ایک روز دھینز کے اوپر ہاتھ اٹھائے کھڑے تھے مخدوم جہاں کی نگاہ مبارک آپ پر پڑ گئی۔ دیکھا کہ جسم پر گوشت کا نام نہیں۔ چمڑا ہڈی سے چپک گیا ہے پسلی کی ہڈیاں نمایاں ہوگئی ہیں۔ آپ نے قاضی زاہد کو طلب کر کے فرمایا کہ دیکھئے جو [illegible] آیا تھا اس کا یہ حال ہو گیا ہے۔ پھر طرح طرح سے ان کا اکرام ظاہر فرمایا۔

فنا فی العشق

سنا ہے کہ ایک دفعہ یہ مشغولیت سے نکل کر حضرت مخدوم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا میں مشغولیت میں بیٹھا ہوا تھا کہ میرے دل میں فلاں کی یاد آتی رہی یعنی اہلیہ کی یاد بے اختیاری طور پر بار بار آتی رہی۔ ایسی صورت میں مشغولیت میں رہنے سے کیا فائدہ؟ حضرت مخدوم جہاں ان کی بات سن کر خاموش رہے اور معمول سے کچھ دیر چپ چاپ بیٹھے رہے۔ پھر عرض کیا میں نے فلاں عورت کو طلاق دے دیا۔ جب مخدوم نے ان کی زبان سے یہ جملہ سنا فرمایا کہ آپ کے لئے اب خلوت کی حاجت نہیں رہی۔ آپ

اپنی تکمیل کر چکے جہاں رہیں اور جس حال میں رہیں برابر ہے۔ مولانا اپنی بلندی ہمت کے سبب
برخاست ودر بافت کی وجہ سے شیخ کے محبوب ہو چکے تھے۔

ایسے ہی لوگوں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ جو مریدی تلاش میں ہوتے ہیں تاکہ ... وہ مرید ہے
آئینہ میں دیکھیں ایسے ہی مریدوں میں ... تھی نے پیر کی رسائی اور قوت جذبہ کے ذریعہ شور زندہ ر
گوشوں سے نکل کر ترقی کی اور احوال کے ... ترقی کرتے مقام تمکین میں پہنچے اور جب مقام تمکین
میں پہنچے تو پھر ان کے سوز اور غلبہ حال کا یہ حال تھا کہ ... اور عین الالتفات[1] معلوم ہوتے۔

جود وسخا

آپ دنیاوی ساز وسامان کو اپنے پاس رکھنا جائز نہیں سمجھتے جب اپنے گھر میں دنیاوی ساز وسامان
دیکھتے تو لوگوں سے کہتے کہ گھر کو لوٹ لو۔ آپ کے پاس مسلم شریف کا ایک نسخہ تھا جو ریشمی کاغذ پر عربی
خط میں تحریر تھا اور بہت محبت سے اس کی تصحیح کی گئی تھی۔ شیخ الاسلام شیخ معز شمس نقی نے اسی نسخہ سے پڑھا
تھا، مولانا نے وہ نسخہ شیخ حسین کو عطا فرمایا تھا لیکن کبھی کبھی مطالعہ کے لئے شیخ حسین سے مانگ لیتے
تھے ایک روز صحیح مسلم کا وہی نسخہ آپ کے سامنے رکھا تھا ایک سائل آیا اور اس نے سوال کیا آپ کے
پاس کوئی دوسری چیز نہیں تھی جو اس کو دیتے لہذا وہی کتاب اس سائل کو دے دی۔ شیخ حسین کو معلوم ہوا تو وہ
آئے اور عرض کیا کہ آپ نے یہ نسخہ تو مجھے دے دیا تھا آپ نے فرمایا کہ جب میں نے دے دیا تو تم بھی
دے دو شیخ حسین نے تین سو تنکے[2] دے کر اس سائل سے خرید لیا۔

مال ومتاع کی بے قدری

ایک عزیز چاندی کے تنکے کے ساتھ ملاقات کے لئے حاضر ہوئے ان کو ملاقات کا شرف بخشا اور
سب کو حاضرین میں تقسیم کروا دیا دو تنکے رہ گئے جسے خادم نے طاق پر رکھ دیا۔ حضرت مولانا اپنی عادت
کے مطابق نماز کے لئے کھڑے ہوئے جب نماز کے لئے تحریمہ باندھتے وہ دو تنکے آپ کی نگاہ کے
سامنے آجاتے لاحول پڑھ کر پھر نماز شروع کرتے اور تحریمہ کے وقت یہی کیفیت ہوتی پھر لاحول پڑھ کر

---

1 مطبوعہ نسخہ میں عین الالتفات ہے اور مخطوطہ میں عین التفات
2 مطبوعہ میں ایک صد ہے اور مخطوطہ میں سہ صد۔

دفع کرتے لیکن بار بار یہی معاملہ ہوتا خادم کو آواز دی اور کہا اے عزیزم تلاش کرو گھر میں دنیاوی آلائش موجود ہے جس کی وجہ سے نماز میں خلل واقع ہو رہا ہے اور وہی آلائش چوپایہ کی شکل میں سامنے آجاتی ہے۔ خادم نے جا کر بہت تلاش کیا مگر کوئی چیز نہیں ملی اور واپس آکر بتا دیا کہ کوئی چیز گھر میں نہیں ہے آپ نے پھر نماز شروع کی اور پھر وہی صورت سامنے آئی۔ اب آپ نے خادم کو ڈانٹا اور سختی کے ساتھ تلاش کرنے کا حکم دیا اس نے جب محنت سے تلاش کیا تو طاق پر چاندی کے دو سکے مل گئے۔ سامنے لایا آپ نے فرمایا اسے ضائع کردو۔ جب وہ دونوں سکے گھر سے باہر کردئے گئے تو چوپائے کی صورتیں دفع ہوگئیں۔ آپ نے فرمایا الحمد للہ الحمد للہ المنۃ للہ

راجگیر میں مشغولی اور آپ کا تواجد

نقل ہے کہ جس زمانہ میں حضرت مخدوم جہاں راجگیر میں اپنے مشاغل کے لئے قیام فرما تھے اسی زمانہ میں شیخ مظفر کی مشغولی کے لئے بھی ایک حجرہ متعین فرمادیا تھا آپ اس حجرہ میں چلہ کش تھے اور ابھی چلہ کے چند ہی روز گذرے تھے کہ امیر شیخو قوال آئے اور حجرہ کے سامنے گانے لگے۔

کیش مرسم شکستن نبود عہد وما را   اللہ اللہ تو فراموش مکن صحبت ما را

(عہد وفا کی رسم کو توڑنا میری فطرت نہیں اللہ اللہ تو میری صحبت کو فراموش نہ کر)

درین دیار گذشتی و سالہا بگذشت   ہنوز بوئے تو می آید از مزارلہا[1]

(اس دیار سے تجھے گذرے ہوئے برسہا برس بیت گئے لیکن ابھی بھی ان مقامات سے تمہاری خوشبو مل رہی ہے)

آپ سے برداشت نہیں ہوا چلہ توڑ کر اسی وقت حالت وجد میں حجرہ سے باہر آگئے۔

اظہار کرامت اور حضرت مخدوم کا انتباہ

مولانا کے برخاست و درباخت کے بارے میں کیا کہا جاسکتا ہے۔ خوارق عادات میں بھی آپ

---

1. مطبوعہ نسخہ میں منازلہا ہے۔

کی عجب شان تھی۔ کرامت کا اظہار نہیں فرماتے۔ ہاں اس وقت اظہار ہو جاتا جب غلبہ وقت ہوتا یا کسی مرید کی اصلاح پیش نظر ہوتی۔ ایک روز اپنے شیخ کے ساتھ کسی مجلس میں بیٹھے تھے۔ شیخ منہاج الدین حاجی بھی اسی مجلس میں موجود تھے حج کی فرضیت سے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ شیخ منہاج الدین نے آپ کے شیخ کی طرف طنزیہ انداز میں اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ حج سارے مسلمانوں پر فرض ہے اور فخریہ انداز میں حج کے ارکان بیان کرنے لگے۔ شیخ منہاج الدین کی گفتگو سن کر مولانا کے دل میں حرارت پیدا ہوئی، برداشت نہیں کر سکے، اپنی آستین شیخ منہاج الدین کو دکھائی اور فرمایا کتنا حج کرتے رہنے گا شیخ شرف الدین کے غلاموں کی آستین میں دیکھئے۔ شیخ منہاج الدین نے جب دیکھا تو آپ کی آستین میں کعبہ شریف نظر آنے لگا۔ وہ حیرت میں پڑ گئے۔ لیکن آپ کے شیخ حضرت مخدوم جہاں کو یہ بات پسند نہیں آئی فرمایا کہ جتنی دیر کرامت کے اظہار میں مشغول رہے اتنی دیر اپنے مکرم (اکرام کرنے والے) سے دور رہے۔

شیخ شمس الدین کی بہار شریف میں تشریف آوری

سنا ہے کہ بندگی شیخ شمس الدین[1] دہلی میں کسی عہدہ پر فائز تھے۔ اہل دیوان میں سے کسی کو آپ سے چشمک ہو گئی۔ ایک روز وہ شخص آپ کے خلاف اشارہ بازی کر رہا تھا جسے آپ نے دیکھ لیا۔ دل میں خیال آیا کہ یہ تو نفاق کی علامت ہے۔ ایسے لوگوں کی مجلس میں رہنا ٹھیک نہیں۔ اپنی مشغولیت کو ترک کر کے دہلی سے روانہ ہو گئے۔ جب بہار کے قریب پہنچے تو شیخ احمد چرم پوش کو آپ کے آنے کی اطلاع پہلے ہی سے ہو چکی تھی شیخ احمد نے فرمایا کہ ایک دوست آ رہا ہے۔ اپنے یاران کے ساتھ استقبال کیا ملاقات ہوئی اور شیخ شمس الدین مرید ہو گئے۔ شیخ احمد چرم پوش کی خانقاہ میں مشغولیت اختیار کر لی۔ اپنی اہلیہ محترمہ کو خط لکھا کہ میں نے دنیا ترک کر دی ہے۔ اگر تمہیں ہماری موافقت منظور ہے تو مال و اسباب بیٹوں کے حوالہ کر کے یہاں چلی آؤ۔ آپ کی اہلیہ نے شیخ مظفر اور شیخ معز الدین دونوں صاحبزادوں سے فرمایا کہ تم لوگ املاک و اسباب سنبھالو۔ میں تمہارے والد کی موافقت میں یہاں سے جا رہی ہوں۔

---

1. سلسلہ فردوسیہ سے وابستہ بلخی بزرگوں میں آپ ہی سب سے پہلے بہار شریف آئے۔ بہار اور اس کے اطراف و جوانب میں آباد بلخی خاندان کے آپ ہی مورث اعلیٰ ہیں۔ آپ کا مزار مبارک آستانہ مخدوم احمد چرم پوش قدس سرہ کے صحن میں دروازہ کے قریب ہے۔

شیخ مظفر اور شیخ معزالدین نے عرض کیا والد بزرگوار کی اتباع کے لئے ہم لوگ زیادہ مناسب ہیں۔ لہذا ہم لوگ بھی ان ہی کی پیروی کریں گے پھر گھر کو لٹا کر وہاں سے روانہ ہو گئے اور بہار آ گئے۔

شیخ معزالدین کا وصال

سنا ہے کہ آپ کے بھائی بندگی شیخ معزالدین کا وصال مکہ معظمہ میں ہوا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب شیخ معزالدین پر مرض کا غلبہ ہوا حضرت شیخ مظفر وہیں موجود تھے۔ مولانا نے زبان مبارک سے فرمایا کہ معزالدین مناسب تو یہ تھا کہ پہلے مجھے جانے دیتے اس لئے کہ میں تم سے بڑا ہوں۔ پھر اپنے پیراہن کے گریبان کو پکڑ کر فرمایا کہ ہمارے اور تمہارے درمیان بس یہی پیراہن ہے۔ ۹ ر شوال کو حضرت شیخ معزالدین اس سرائے فانی سے عالم باقی کی طرف رحلت فرما گئے۔ بی بی خدیجہ اور خواجہ فضیل عیاض کے قریب آپ کی تدفین ہوئی۔

آپ کے آخری لمحات

اس کے بعد حضرت شیخ مظفر مکہ مبارکہ سے روانہ ہوئے عدن کے راستہ میں آپ کا پیراہن مبارک پھٹ گیا۔ درزی کو اشارہ ہوا کہ پیوند لگا دے حضرت شیخ حسین نے عرض کیا کہ نیا کپڑا موجود ہے حکم ہو تو حاضر کروں۔

فرمایا کہ وہ کپڑا تم پہنو میں یہی پہنوں گا جب کافی اصرار کے بعد بھی آپ پہننے کو تیار نہیں ہوئے تو نیا عمامہ باندھنے کی درخواست کی۔ فرمایا کہ دستار بھی تم باندھو میں نہیں باندھوں گا۔ شیخ حسین نے عرض کیا اس طرح کے الفاظ زبان مبارک پر نہ لایا جائے ہم لوگ بیچارے تو اس امید میں ہیں کہ حضور کے سامنے اس دنیا سے رخصت ہوں اور ہم غلاموں کی نماز جنازہ حضور پڑھائیں تاکہ وجہ نجات ہو۔ حضرت مخدوم شیخ مظفر نے قبلہ کی طرف رخ کیا آسمان کی طرف دونوں ہاتھ اٹھائے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری دعا کو قبول نہ کرے۔ سنا ہے کہ عدن میں ایک عرصہ گذرنے کے بعد آپ بیمار پڑے تقریباً اکیس روز سے زیادہ بیمار رہے کچھ کھانا پینا نہیں تھا اور نہ کسی سے گفتگو فرماتے اگر کوئی خیریت پوچھتا تو فرماتے کہ اس وقت مجھے تنگ نہ کرو۔ مجھے اپنے کام میں مشغول رہنے دو۔ اور بار بار حضرت شیخ حسین سے فرماتے کہ شیخ کی زیارت ہوئی ہے لیکن مجھ سے کچھ بولتے نہیں معلوم نہیں کیا بات ہے۔ ایک صبح کو حکم ہوا کہ شیخ

حسین مجھے اٹھاؤ تکیہ کا سہارا دو میں نے آج کی رات اپنی طلب اور تمنا کے مطابق اپنے شیخ (حضرت مخدوم جہاں) کو دیکھا ہے اور ملاقات ہوئی ہے اور یہ بھی فرمایا کہ ایک خواب دیکھا ہے لیکن وہ خواب تم سے نہیں کہوں گا حضرت شیخ حسین نے عرض کیا کہ کیوں نہیں فرمائیں گے۔ پھر حضور نے یہ ذکر ہی کیوں کیا کہ خواب دیکھا ہے ازراہ نوازش و کرم وہ خواب بیان کیا جائے۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا اس خواب کا ایک رمز سن لو من احب لقاء الله احب الله لقائه (جو اللہ کی ملاقات کو محبوب بنا لیتے ہیں اللہ بھی اس کی ملاقات کو محبوب بنا لیتا ہے۔) اس کے بعد اپنے عالم میں مشغول ہو گئے جب سفر آخرت پیش آیا اور مرض غالب ہوا اپنے برادر زادہ شیخ الاسلام شیخ حسین پر اپنی اور اپنے پیروں کی تمام نعمتیں اور رحمتیں نثار فرمائیں الوداع کہا اور فرمایا کہ بہار چلے جاؤ۔ شیخ حسین نے عرض کیا کہ وہاں بہت سارے پیر موجود ہیں میری کیا مجال کہ وہاں سر اٹھا سکوں۔ فرمایا کہ خدا کی قسم جب تم وہاں ہو گے تو میں کسی کو سر اٹھانے نہیں دوں گا پھر کچھ نصیحت کی اور اللہ کی جانب مشغول ہو گئے۔ اسی مشغولی کے عالم میں دار فنا سے دار بقا کی طرف رحلت فرمائی اور عدن میں مدفون ہوئے۔

انا للہ و انا الیہ راجعون

مطبوعاتِ مکتبۂ شرف

۱۔ مکتوباتِ صدی — از حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری — مترجم: شاہ نجم الدین احمدؒ و شاہ الیاس یاسؔ بہاری

۲۔ مکتوباتِ دوصدی — " " " " — مترجم: شاہ نسیم الدین احمد شرفی البلخی

۳۔ مکتوباتِ بست و ہشت — " " " " — مترجم: ڈاکٹر شاہ محمد علی ارشد شرفی

۴۔ مکتوباتِ حسینی (زیرِ طبع) — از حضرت مخدوم حسین نوشۂ توحید بلخی فردوسیؒ — مترجم: شاہ نسیم الدین احمد شرفی البلخی، ڈاکٹر محمد علی ارشد شرفی

۵۔ شرحِ آدابُ المریدین — از حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیریؒ — مترجم: شاہ نسیم الدین احمد شرفی البلخی

۶۔ فوائدُ المریدین — " " " " — مترجم: شاہ نسیم الدین احمد شرفی البلخی

۷۔ عقیدۂ شرفی (اردو) — " " " " — مترجم: شاہ نسیم الدین احمد شرفی البلخی

۸۔ عقیدۂ شرفی (ہندی) (زیرِ طبع) — " " " — مترجم: سید شاہ محمد عابد علی شرفی الفردوسی

۹۔ فوائدِ رکنی — " " " " — مترجم: الحاج مولانا ڈاکٹر شاہ محمد علی ارشد شرفی مدظلہ

۱۰۔ ارشادُ السالکین و ارشادُ الطالبین — " " " " — مترجم: الحاج ڈاکٹر شاہ محمد علی ارشد شرفی مدظلہ

۱۱۔ معدنُ المعانی — " " " " — مترجم: شاہ نسیم الدین احمد شرفی البلخی الفردوسیؒ

۱۲۔ مونسُ المریدین — " " " " — مترجم: شاہ نسیم الدین احمد شرفی البلخیؒ

۱۳۔ خوانِ پُرنعمت — " " " " — مترجم: الحاج مولانا ڈاکٹر شاہ محمد علی ارشد شرفی مدظلہ

۱۴۔ اورادِ شرفی (اردو) — " " " " — مترجم: حافظ شاہ محمد شفیع فردوسیؒ

۱۵۔ اورادِ شرفی (ہندی) (زیرِ طبع) — " " " " — مترجم: سید شاہ محمد عابد علی شرفی الفردوسیؒ

۱۶۔ اورادِ دہ فصلی — از حضرت مخدوم حسین نوشۂ توحید بلخیؒ — مترجم: شاہ نسیم الدین احمد شرفی البلخیؒ

۱۷۔ گنجینۂ فردوسی — (اردو و عربی زبان میں دعاؤں کا نادر مجموعہ) — مرتبہ: سید شاہ محمد عابد علی شرفی الفردوسی

۱۸۔ مخدوم جہاں جیون اور سندیش (ہندی) — مولانا ڈاکٹر سید شاہ شمیم الدین احمد منعمی مدظلہ

۱۹۔ مناقبُ الاصفیاء — از حضرت علامہ شاہ شیخ شعیب فردوسیؒ — مترجم: الحاج مولانا ڈاکٹر شاہ محمد علی ارشد شرفی مدظلہ

۲۰۔ مخدوم جہاںؒ — مرتبہ: سید شاہ جمال احمد فردوسی

۲۱۔ شرف از دو حصہ اول تا پنجم (زیرِ طبع) — مرتبہ: سید شاہ محمد عابد علی شرفی الفردوسی

۲۲۔ شرفِ خوشخطِ تحریر (حصہ اول تا پنجم) (زیرِ طبع) — مرتبہ: سید شاہ محمد عابد علی شرفی الفردوسی

۲۳۔ شرفُ الانساب — مرتبہ: الحاج مولانا ڈاکٹر شاہ محمد علی ارشد شرفی مدظلہ

مکتبۂ شرف، بیت الشرف، خانقاہ معظم